تاریخِ ملّت

جلد یازدہم

سلاطینِ ہند

حصہ دوم

تالیف

جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی

رفیق اعزازی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

سلسلہ ندوۃ المصنفین

(۶۴)

تاریخ ملت

جلد یازدہم

سلاطین ہند

جلد دوم

جس میں سلاطینِ کشمیر، شاہانِ گجرات، سلاطین بہمنیہ، عماد شاہی،
سلاطین قطب شاہی، عادل شاہی وغیرہ کے حالات کے ساتھ شاہانِ
مغلیہ ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے دور تک کے واقعات
اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں

تالیف

جناب حکیم مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی
رفیق ندوۃ المصنفین

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی

بار اوّل

ربیع الاوّل ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء

قیمت غیر مجلد ———— تین روپے آٹھ آنے

قیمت مجلّد ———— تین روپے بارہ آنے

مطبوعہ

الجمعیۃ پریس دہلی

سدرہ وطوبیٰ

اردو زبان کا یہ تازہ شاہکار ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر جناب آلم مظفر نگری کا تیسرا مجموعہ کلام ہے۔ کوثر و تسنیم کے بعد جتنی غزلیں اور نظمیں لکھی گئیں اور ملک کے مشہور اخبارات و رسائل میں شائع ہو کر اہلِ علم و نظر سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کر چکیں وہ سب اس مجموعے میں شامل کر دی گئی ہیں۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عہد جدید میں آلم صاحب کے یہاں شاعری کا اجتہادی رنگ صفِ اوّل کے کسی بھی شاعر سے کم نہیں بلکہ اُن کے کلام کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جو اُن کی انفرادیت کے ممتاز مقام کو محفوظ کر چکی ہیں، شاعری کے حقیقی مفہوم و مقصود کو سمجھنے کے لئے سدرہ وطوبیٰ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

موصوف کا آہنگ سرمدی کے بعد یہ دوسرا کارنامہ ہے۔ کتابت وطباعت دیدہ زیب کاغذ نفیس اور گردپوش جاذب نظر۔

علمی ادبی اور شاعرانہ مذاق رکھنے والے حضرات "سدرہ وطوبیٰ" کے حاصل کرنے میں عجلت سے کام لیں ورنہ اشاعتِ ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔

قیمت مجلد - دو روپے آٹھ آنے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

سلاطین کشمیر گجرات و دکن

بابر اعظم کی آمد پر کشمیر گجرات دکن میں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم تھیں جن کا حال اس جگہ بیان کیا جاتا ہے مغلیہ حکمرانوں کی ان سے معرکہ آرائیاں رہیں آخرش وہ زیر نگیں ہو گئیں۔

عہد تغلق میں انتشارِ حکومت

محمد بن تغلق کی سلطنت میں نہ صرف سارا ہندوستان بلکہ دور دراز دکن کے اضلاع بھی شامل تھے لیکن اس کی موت سے قبل ہی دور دراز کے صوبے خود مختار ہونے لگے اور دسویں صدی ہجری شروع ہونے سے قبل اس کے ملک کا بہت بڑا حصہ متعدد خود مختار خاندانوں کی حکومت میں منتقل ہو گیا جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) گورنران و شاہان بنگال سنہ ۵۹۹ – ۹۸۴ھ

(۲) مشرقی شاہان جونپور سنہ ۷۹۶ – ۹۰۵ھ
۱۳۹۴ – ۱۵۰۰ء

(۳) شاہان مالوہ سنہ ۸۰۴ – ۹۳۷ھ
۱۴۰۰ – ۱۵۳۰ء

(۴) شاہان گجرات سنہ ۷۹۹ – ۹۸۰ھ
۱۳۹۶ – ۱۵۷۲ء

(۵) شاہان کشمیر — سنہ ۷۳۵ - ۹۹۵ھ / ۱۳۳۴ - ۱۵۸۷ء

(۶) فاروقی شاہان خاندیس — سنہ ۸۰۱ - ۱۰۰۸ھ / ۱۳۹۹ - ۱۳۴۹ء

(۷) بہمنی شاہان گلبرگہ — سنہ ۷۴۸ - ۹۳۳ھ / ۱۳۴۷ - ۱۵۲۶ء

جب بہمنی خاندان کو زوال ہوا تو حسب ذیل پانچ خاندانوں میں حکومت تقسیم ہوگئی۔

(۱) عماد شاہی (برار) — سنہ ۸۹۰ - ۹۸۰ھ / ۱۴۸۴ - ۱۵۷۲ء

(۲) نظام شاہی (احمد نگر) — سنہ ۸۹۶ - ۱۰۰۴ھ / ۱۴۹۰ - ۱۵۹۵ء

(۳) برید شاہی (بیدر) — سنہ ۸۹۷ - ۱۰۱۸ھ / ۱۴۹۲ - ۱۶۰۹ء

(۴) عادل شاہی (بیجاپور) — سنہ ۸۹۵ - ۱۰۹۷ھ / ۱۴۸۹ - ۱۶۸۶ء

(۵) قطب شاہی (گولکنڈہ) — سنہ ۹۱۸ - ۱۰۹۹ھ / ۱۵۱۲ - ۱۶۸۷ء

بعد کو جب مغلوں کا عہد شروع ہوا تو ہندوستان کی حکومتیں عہد اکبر میں اور دکن کی ریاستیں عہد اورنگ زیب میں سلطنت مغلیہ کا جزو بن گئیں۔

بنگالہ

ہندوستان کے مشرقی گوشہ میں بنگالہ ہے۔ بنگال کو بختیار خلجی نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں داخل کیا اور مدت تک وہ دلی کے اسلامی مرکز سے وابستہ رہا لیکن سنہ ۷۴۸ ہجری میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بنگالہ کا مشہور حکمراں حاجی الیاس شمس الدین بھنگرہ کا خاندان عرصہ تک وہاں حکمراں رہا۔ سنہ ۷۷۵ ہجری میں بادشاہ کے وفات پا جانے پر اس کا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا لیکن کنس نے اس قدر اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ تمام لوگ اس سے دبنے لگے تھے۔ اس سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ سلطان شمس الدین کے

خلاف بغاوت کر کے سنہ ۸۰۷ ہجری میں وہ خود تخت نشین ہوا۔ ابتدا میں اُس نے مسلمانوں کے ساتھ بڑے مظالم کئے۔ لیکن حضرت نور قطب عالم کے اشارہ سے جب جونپور کا بادشاہ ابراہیم شرقی بنگال کی سرحد پر نمودار ہوا تو راجہ کنس کی آنکھیں کھلیں اور اپنے بیٹے کو حضرت نور قطب عالم کے قدموں میں ڈال کر معافی چاہی۔ راجہ سات سال کے بعد چل بسا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا جیت مل جو شیخ نور کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا سنہ ۸۱۳ ہجری میں جلال الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا اس نے عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ لوگ اس کو نوشیرواں ثانی کہنے لگے۔ اس کے عہد میں لوگ بڑے فارغ البال رہے۔ شہر پنڈوا آبادی کی کثرت سے اتنا بڑا ہو گیا کہ اُس کے اطراف میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ گوڑ میں بکثرت حوض تالاب۔ سرائے۔ مسجدیں۔ تیار کرائیں اور دوبارہ گوڑ کو بڑے پیمانہ پر آباد کیا۔ علماء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا انھیں دور دور سے بلا کر آباد کیا۔ تبلیغ الاسلام میں بھی اُس نے بڑی کوشش کی۔ سترہ سال حکومت کر کے سنہ ۸۱۲ ہجری میں وفات پاگیا۔ اُس کا لڑکا احمد شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روش پر چل کر ملک کو خوشحال بنانے میں کافی حصہ لیا۔ اُس نے سولہ برس حکومت کی۔ سنہ ۸۳۰ ہجری میں وفات پاگیا۔ اس کے بعد پھر حکومت حاجی الیاس کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اس نومسلم خاندان نے ۴۴ برس حکومت کی۔ اس قلیل مدت میں اُس نے بنگالہ کو آباد کرنے اور ملک میں تمدن کو ترقی دینے میں بہت کوشش کی۔[1]

---

[1] ریاض السلاطین کلکتہ ص۱۱۶ و تاریخ فرشتہ جلد چہارم حیدرآباد

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ بھی ہے کہ راجہ کے مسلمان ہو جانے سے رعایا پر بھی اثر پڑا اور کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

بنگال کا دارالحکومت ۸۵۰ھ ۱۴۴۶ء تک فیروزآباد (پانڈوہ) اس صوبہ کا دارالحکومت رہا۔ اس کے بعد پھر لکھنوتی دارالخلافہ ہو گیا۔ جسے اس سے قبل گور کہتے تھے۔ اس کے بعد یہ فخر ٹانڈہ کو حاصل ہوا۔ بعض گورنران بنگال نے بہار، چٹگام اور اڑیسہ پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

گورنران بنگال کی خودمختاری جب شاہان دہلی کمزور ہو گئے تو گورنران بنگال خودمختار ہو گئے اور کئی خاندان ایسے ہوئے جنھوں نے شاہانہ اختیارات حاصل کر لیے جنکی تفصیل پہلے آچکی ہے

گورنران بنگال

محمد بختیار خاں خلجی

عزیزالدین محمد شیر خاں

علاءالدین مردان

غیاث الدین عوض

ناصرالدین محمود ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء

علاءالدین جانی ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء

سیف الدین ایبک ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء

عزیزالدین طغرل طوغاخاں ۶۳۱ھ ۱۲۳۳ء

قمرالدین تمر خاں قیران	سنہ ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء	
اختیارالدین (مغیث الدین) یوزبک	سنہ ۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء	
جلال الدین مسعود ملک جانی	سنہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء	
عزالدین بلبن	سنہ ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء	
محمد ارسلان تاتار خاں	سنہ ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء	
شیر خاں	سنہ	
امین خاں	سنہ	
مغیث الدین طغرل	سنہ ۶۷۷ھ / ۱۲۷۸ء	
ناصرالدین بغرا خاں	سنہ ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء	
رکن الدین کیکاؤس	سنہ ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء	
شمس الدین فیروز خاں	سنہ ۷۰۲ھ / ۱۳۰۲ء	
شہاب الدین بغرا خاں	سنہ ۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ء	(مغربی بنگال)
غیاث الدین بہادر شاہ	سنہ ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء	(مشرقی بنگال)
ایضاً	سنہ ۷۱۹ھ / ۱۳۱۹ء	(تمام بنگال)
ناصرالدین	سنہ ۷۲۳ - ۷۲۶ھ / ۱۳۲۲ - ۱۳۲۵ء	(لکھنوتی)
بہادر شاہ و بہرام	سنہ ۷۲۵ - ۷۳۱ھ / ۱۳۲۴ - ۱۳۳۰ء	(مشرقی بنگال)
بہرام شاہ	سنہ ۷۳۱ - ۷۳۹ھ / ۱۳۳۰ - ۱۳۳۸ء	
قدر خاں	سنہ ۷۳۶ - ۷۴۰ھ / ۱۳۳۶ - ۱۳۳۹ء	(لکھنوتی)
عزیزالدین اعظم الملک	سنہ ۷۳۷ - ۷۴۰ھ / ۱۳۳۶ - ۱۳۳۹ء	(ساتاگاؤں)

شاہان بنگال

فخر الدین مبارک شاہ ۷۳۹-۷۵۰ھ / ۱۳۳۸-۱۳۴۹ء (مشرقی بنگال)

اختیار الدین غازی خاں ۷۵۰-۷۵۳ھ / ۱۳۴۹-۱۳۵۲ء (مشرقی بنگال)

علاء الدین علی شاہ ۷۴۰-۷۴۶ھ / ۱۳۳۹-۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)

خاندان الیاس

شمس الدین الیاس شاہ ۷۴۰-۷۴۶ھ / ۱۳۳۹-۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)

میں مصروف پیکار رہا۔

مغلوں کا اثر بنگال میں ہمایوں بنگال پر ۹۴۴ھ سے ۹۴۶ھ تک قابض رہا۔ لیکن جب ۹۴۶ھ میں شیر شاہ نے مغلوں کو شکست دی تو پھر یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اور یہ حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک ۹۸۲ھ میں بہار کو اکبر نے فتح نہیں کر لیا۔ اور ۹۸۴ھ / ۱۵۷۶ء میں مغلوں کا اثر بنگال میں عام نہیں ہو گیا۔

شمس الدین الیاس شاہ ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء (مغربی بنگال)

ایضاً ۷۵۳-۷۵۹ھ / ۱۳۵۲-۱۳۵۸ء (تمام بنگال)

سکندر شاہ بن الیاس ۷۵۹-۷۹۲ھ / ۱۳۵۸-۱۳۸۹ء

غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹ء ۱۳۷۰ء میں بغاوت کی اور ۱۳۸۹ء میں حکومت پر قابض ہو گیا۔

سیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم شاہ ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء

شمس الدین حمزہ — سنہ ۸۰۹ھ / ۱۴۰۰ء

خاندان راجہ کنس

شہاب الدین بایزید شاہ (بہ معیت راجہ کنس) سنہ ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء

جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کنس — سنہ ۸۱۶ھ / ۱۴۱۴ء

شمس الدین احمد شاہ بن محمد — سنہ ۸۳۵ھ / ۱۴۳۱ء

سیف الدین فیروز شاہ اوّل — سنہ ۸۹۲ھ / ۱۴۸۷ء

ناصر الدین محمود شاہ ثانی بن فتح شاہ (خاندان الیاس) سنہ ۸۹۵ھ / ۱۴۸۹ء

شمس الدین ابوالنصر مظفر شاہ — سنہ ۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء

خاندان حسین شاہ

علاء الدین حسین — سنہ ۸۹۹ھ / ۱۴۹۳ء

کشمیر سنہ ۷۱۵ ہجری میں کشمیر کا راجہ سینھ دیو تھا۔ جو پشت در پشت کشمیر پر حکومت کرتا آتا تھا۔ اس کے عہد میں ایک شخص شاہ میر نامی فقیروں کے لباس میں وارد کشمیر ہوا جس کا باپ طاہر نومسلم تھا۔ وہ اپنا حسب نامہ ارجن تک ملاتا تھا جو مہابھارت کا مشہور ہیرو ہے۔ شاہ میر نے راجہ کی ملازمت کرلی۔ راجہ کے مرنے پر اس کا لڑکا "رنچن" راجہ ہوا اس نے شاہ میر کو وزیر بنالیا۔ پھر رنچن کے مرنے پر راجہ اودن جو اس کا رشتہ دار تھا قندھار سے آکر کشمیر پر قابض ہوگیا۔ سنہ [illegible] ہجری میں وہ بھی چل بسا۔ اس عرصہ میں وزیر اور اس کا خاندان طاقتور ہوگیا تھا۔

رانی نے چاہا کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔ اس لئے وزیر سے اختیارات واپس لینے کے لئے اس کو جنگ کرنی پڑی لیکن وہ شکست کھا کر قید ہوگئی اور اس نو مسلم وزیر نے اس سے شادی کرلی اور وہ شمس الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہوگیا۔ محمد اعظم نے واقعات کشمیر میں جو ۱۱۴۸ ہجری میں لکھی گئی ہے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ کشمیر کا ہندو راجہ "رنچو" دین حق کا جویا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک مسلمان بزرگ بلبل شاہ کو دست بدعا اور سربسجود دیکھا اور ان کا عقیدتمند ہوکر مع اہل و عیال اور امراء و وزراء کے مسلمان ہوگیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۲۵ ہجری میں پیش آیا۔ اس نے مسلمان ہوکر اپنا لقب صدر الدین اختیار کیا اس کے خاندان میں کئی بادشاہ وارثِ تخت ہوئے۔ سنہ ۸۲۶ ہجری میں علی کے انتقال کرنے پر شاہی خان نے سلطان زین العابدین کے نام سے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا۔ یہ کشمیر کا سب سے ہردلعزیز بادشاہ ہوا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے نومسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے اجازت دیدی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آسکتا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر نئے دین پر قائم رہے۔ اس کے قوانین۔ اس کا تدبر، اس کی سیاست اس عہد کے لئے ایک نمونہ تھی۔ علم و فن اور صنعت و حرفت کو اس نے بڑی ترقی دی۔ بہت سے نئے گاؤں اور شہر آباد کئے۔ بہت سی نئی عمارتیں بنائیں اس کے انصاف کے سبب رعایا امن سے سوتی تھی۔

کشمیر پر ان نومسلم خود مختار بادشاہوں نے دو سو برس سے زیادہ حکومت کی۔ اس عرصہ میں انھوں نے ملک کو ترقی دینے میں جو کوشش کی تاریخ زبان

...مال سے اُس کو آج تک دُہرا رہی ہے۔ اُنھوں نے زراعت کے لئے زمینداروں کے ساتھ جو رعایت کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چپہ بھر بھی زمین خالی نہ رہی اور کاشتکار فارغ البال ہو گئے۔ باغوں پر بھی انھوں نے کافی توجہ دی اور بکثرت باغ لگائے عمارتیں کافی تیار کرائیں۔ ڈل پر جو عمارت تیار کی گئی وہ عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ قوانین بھی اچھے اچھے جاری کئے دوسرے ملکوں کے سفیر بھی آتے رہتے تھے۔ مثلاً سمرقند۔ خراسان۔ مکہ معظمہ۔ مصر۔ گیلان کے علاوہ ہندوستان کے بادشاہوں سے بھی مراسم دوستانہ تھے[1]

سلاطین کشمیر

شمس الدین	شاہ حسین
شاہ جمشید	محمد شاہ
علاءالدین	فتح شاہ
شہاب الدین	ابراہیم شاہ
قطب الدین	نازک شاہ
سکندر	شمس الدین محمد شاہ
علی شاہ	اسمٰعیل شاہ
سلطان زین العابدین	حبیب شاہ
شاہ حیدر حاجی خاں	حسین شاہ

---

[1] تاریخ فرشتہ و طبقات اسلام جلد سوم

یوسف شاہ
غازی شاہ

علی شاہ
حکومت مغلیہ ۹۹۷ھ تا ۹۸۰ھ

گجرات نومسلم سلاطین کے سب سے نامور خاندان نے گجرات پر حکمرانی کی ہے ان کا نام آل مظفر تھا۔ اُن کی تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۷۶۴ ہجری میں فیروز شاہ تغلق گجرات میں شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک اپنے لشکر سے جُدا ہو کر رات کے وقت تھنیر ضلع تھانیسر و پہونچا۔ وہاں کے پٹیل سہارن نامی نے شب باشی کا انتظام کیا بادشاہ صبح کو حُسن خدمت کے عوض میں سہارن اور اس کے بھائی سادھو دونوں کو ساتھ لیکر جب دہلی پہونچا تو سہارن کو آبداری کے عہدہ پر ممتاز کیا۔ فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ نے سنہ ۷۹۳ ہجری میں سہارن کے لڑکے ظفر خاں کو گجرات کا ناظم بنا کر بھیجا۔ اُس نے بدامنی کو دور کر کے چند سال میں اپنی حکومت مضبوط کر لی سنہ ۸۰۶ ہجری میں اس کے لڑکے محمد شاہ تاتار خاں نے دہلی فتح کرنا چاہا لیکن راستہ ہی میں مرگیا۔ سنہ ۸۱۰ ہجری میں ظفر خاں نے مظفر شاہ لقب سے گجرات کا خود مختار بادشاہ بن کر دہلی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ سنہ ۸۱۳ ہجری میں اس کے مرنے پر احمد شاہ اس کا پوتا بادشاہ ہوا۔ اُس نے پٹن کو چھوڑ کر احمد آباد کی بنیاد رکھی اور اسی کو پایہ تخت بنایا۔ قلعہ اور محلات کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد تیار کی جو آج تک موجود ہے سنہ ۸۴۶ھ میں اس کا لڑکا محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا یہ بڑا فیاض تھا۔ اسی لئے اس کو "زربخش" کہتے تھے اسی نے احمد شاہ اور شیخ احمد کھٹو کے مقبرے تیار کرائے گجرات میں ایک ہی خاندان کی حکومت پونے

دسو برس رہی۔ اس عرصہ میں گجرات نے ہر صورت سے ترقی کی۔ اُن کا پایۂ تخت احمد آباد اور چاپانیر رہا۔ ان بادشاہوں نے بہت سے گاؤں اور شہر بسائے۔ سلطان پور۔ احمد نگر۔ محمود آباد۔ مظفر آباد (کپتانیہ) دولت آباد (بڑ▪ دہ) اس زمانہ میں آباد ہوئے۔ احمد آباد میں پتھر کی عمارتیں بکثرت بنائی گئیں خاصکر بعض مسجدیں اس کاریگری سے تیار ہوئیں کہ اُس کے ایک مینار کو ہلانے سے دوسرا مینارہ بھی ہلنے لگتا ہے۔ میں نے اس مینارہ کو خود دیکھا ہے۔ اسی طرح ریا مسجد بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ مقبرے۔ مدرسے۔ حمام۔ سرائیں بکثرت بنیں جن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

سلاطین گجرات عالموں اور صوفیوں کی بڑی قدر کرتے تھے یہی سبب ہے کہ دوسرے ملکوں سے بڑے محدثین اور فقہا۔ مشائخ اور علماء باکمال گجرات میں آکر آباد ہو گئے اور تمام عمر توسیع علوم و فنون میں مصروف رہ کر اسی جگہ پیوند خاک ہوئے۔ محمود اول کے زمانے میں قاضی اور محتسب برملا بادشاہ کو ٹوکتے اور اُن پر احتساب کرتے۔ مظفر حلیم مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا ہوتا تھا۔ ملا ارکن الدین شکر گنج۔ شیخ کھٹوی۔ قطب عالم شاہ عالم ماہ عالم۔ شمع برہانی جیسے مشائخ کبار اسی زمانہ میں تھے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی۔ شاہ وجیہ الدین گجراتی۔ عماد الدین طارمی اس زمانہ کے بہترین علماء میں سے تھے۔

اس عہد میں بے شمار کتابیں ہر علم و فن کی تصنیف اور ترجمہ کی گئیں زراعت کے لئے بڑی تعداد میں تالاب کھدوائے گئے جن میں سے اکثر اب بھی موجود ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مظفر شاہ ثانی کے عہد میں کوئی جگہ خالی

پڑی نہیں ملتی تھی۔ آم اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لگائے۔ درختوں کی کثرت سے احمد آباد کا شہر باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ احمد آباد کے پاس جو کئی میل کا باغ لگایا تھا اس کا نام "باغ فردوس" تھا۔ ایرانی طرز کی چمن بندی گجرات میں بہت عام ہوگئی تھی۔ عام طور پر بادشاہ سخی ہوتے تھے ان کی سخاوت سے خاصکر قحط کے زمانہ میں بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اکثر سلاطین گجرات کو عدل و انصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ضرورت کے وقت بادشاہ خود بھی تحقیقات کرتا۔ غیر ممالک سے ان کے تعلقات خوشگوار رہے۔ جونپور۔ دہلی۔ بنگالہ۔ کشمیر۔ ایران۔ روم مصر اور یورپ کے سفیر تحفے لے کر ان کے دربار میں حاضر ہوتے۔ مصر میں جب تک عباسی خلافت قائم رہی سفیر کئی بار آئے اور گئے۔ آصف خاں۔ افضل خاں عمادالملک۔ ملک شعبان۔ خداوند خاں جیسے لائق وزیر اسی زمانہ میں تھے فوجی قابلیت یہاں کی خاص قوموں میں فطری تھی۔ اسی سبب سے یہاں کی فوجی طاقت ہمسایہ سلطنتوں سے زیادہ رہی۔ ہندوؤں کو فوجی اور ملکی عہدے ملتے تھے۔ احمد شاہ اول کے دور میں نائب وزیر محمد شاہ ثانی کے عہد میں وزیر مال محمود اول کے زمانے میں رائے رایان امیر۔ بہادر شاہ کی فوج میں سپہ سالار اور قلعہ دار ہندو تھے۔ دکن کے بعد توپ کا استعمال بھی سب سے پہلے گجرات ہی میں ہوا۔ فوجی بھرتی کا قاعدہ موروثی تھا۔ ابتدا میں تنخواہ نقد ملتی تھی لیکن احمد شاہ نے نصف نقد اور نصف جاگیر (زمین) مقرر کی۔ مظفر دوم کے عہد میں زراعت کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ جانوروں کا چرنا مشکل ہوگیا ناچار گاؤں میں چرائی کے لئے چراگاہیں الگ بنانی پڑیں۔ بحری تجارت کو اس قدر ترقی

ہوگئی تھی کہ ۸۴ بندرگاہیں گجرات کے ماتحت تھیں۔ یہاں ہر موسم میں ملکی اور غیر ملکی جہاز کھڑے رہتے تھے۔ ایران۔ عراق۔ یمن حبش عرب اور مصر کے تاجر موجود تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں گجرات کا بحری بیڑہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس وقت ہندوستان میں کسی کے پاس نہ تھا۔

شاہان گجرات

ظفر خاں مظفر شاہ اوّل	۷۹۹	ناصر خاں محمود دوم	۹۳۲
احمد شاہ اوّل	۸۱۴	بہادر شاہ	۹۳۲
محمد شاہ	۸۱۶	میراں محمد شاہ فاروقی	۹۴۳
قطب الدین	۸۵۵	محمود شاہ سوم	۹۴۴
داؤد شاہ	۸۶۳	احمد شاہ دوم	۹۶۱
محمد شاہ اوّل بیکرہ	۸۶۳	حبیب مظفر شاہ سوم	۹۶۹
مظفر شاہ دوم	۹۱۷	سلاطین مغلیہ	۹۸۰
سکندر شاہ	۹۳۲		

---

۱ مرآۃ سکندری بمبئی۔ تاریخ فرشتہ جلد چہارم۔ حیدرآباد۔ و طبقات اکبری سوم کلکتہ) یہ کارنامے ایک خالص ہندی الاصل اور ہندی النسل مسلمان خانوادہ کے ہیں۔

دکن کے بہمنی

دکن کی سب سے بڑی اور پہلی سلطنت کا نام بہمنیہ ہے بہمنیہ کیوں کہلاتے ہیں۔ مورخوں نے اس کی کوئی معقول توجیہ اب تک پیش نہیں کی۔ بہمنی سلاطین کے درباری مورخوں نے اس باب میں اس خصوصیت کا اظہار کیا ہے جو عجمی مورخوں کا خاصہ ہے یعنی اپنے ممدوحوں کو اعلیٰ نسب اور پرانے ایرانی سلاطین کی نسل ظاہر کر کے اُن کے سلطنت کا پیدائشی حق ثابت کرنا۔ انھوں نے لفظ بہمن کے شاعرانہ ضلع جگت اور مناسبات کی بنا پر ان کو بہمن بن اسفندیار کی نسل بتلا کر کلاہ کیانی اُن کے سروں پر رکھا اور کبھی جام جم سے اُن کی محفلوں کو سجایا ہے۔ یہ اس قسم کی لفظی غلطی ہے جیسے سندھ اور کچھ کے جام نقب کے راجاؤں کو جمشید ایران سے نسبت دینے کی کی گئی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے جو تحقیق کی ہے اور سلاطین بہمنیہ کی اصلیت کی تلاش کی کوشش کی اس کا خلاصہ پیش ہے۔

سلطنت بہمنیہ کے بانی کا نام قبل از سلطنت اُس کے ہم عصر دہلوی مورخین سراج عفیف اور ضیاء برنی نے ہر جگہ حسن گانگو لکھا ہے (ملاحظہ ہو فیروز شاہی سراج عفیف مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۴۴ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ضیاء برنی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۱۵ و ۵۲۰) عصامی نے فتوح السلاطین میں حسن کا نام بہمن بتایا ہے کہتا ہے:

بہ سیرت فریدوں و بہمن بنام   شدہ کنیتش بوالمظفر مدام

میری تحقیق میں حسن کا دوسرا نام بہمن کبھی نہ تھا۔ بلکہ وہ یہ لقب ہے جس کو سلطنت کے بعد اُس نے اختیار کیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کے فارسی ناموں کا رواج

اس زمانہ میں بھی تھا جیسا کہ خود حسن کے داماد کا نام بہرام خاں تھا مگر صحیح یہی ہے کہ یہ لقب اس نے سلطنت کے بعد اختیار کیا ہے اور اس کی صحیح صورت وہی ہے جو اس کے کتبوں اور سکوں پر ہے۔ اس کے سکوں اور کتبوں پر یہ خطابات کندہ ملے ہیں۔ جیسا کہ باغ عامہ حیدرآباد دکن کے عجائب خانہ میں ایک پتھر بھی نظر آتا ہے۔ "سکندر ثانی بہمن الخلافت ناصر امیر المومنین السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین ابو المظفر بہمن شاہ السلطان" "حسن" اس کا اصلی نام ہونا یقینی ہے جس کی نسبت سے گلبرگہ کا حسن آباد نام رکھا گیا ہے۔ "کانگو یا گانگو" اس کے نام کا دوسرا جزو بھی اس کے ہم عصر مورخین کے بیان سے ثابت ہے۔ اور بہمن نہیں بلکہ بہمن شاہ کی صورت میں اس کا یہ لقب سکوں اور کتبوں میں موجود ہے اس لئے اس کا پورا لقب "حسن گانگو بہمن شاہ" تھا جیسا کہ فرشتہ نے تینوں کو یکجا کر کے لکھا ہے۔ ان میں سے گانگو اسلامی نام نہیں۔ پھر حسن کے ساتھ گانگو کا جوڑ کیا ہے۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ گانگو پنڈت اصل میں ایک دکنی برہمن کا نام تھا۔ یہ پہلا برہمن ہے جس نے کسی مسلمان کی نوکری اختیار کی۔ یہ علم نجوم اور جوتش میں ماہر تھا۔ اس نے دکن سے دلی آکر شہزادہ محمد تغلق کی نوکری اختیار کی اور جاہ و منصب پیدا کیا۔ اسی زمانہ میں حسن نام ایک غریب و بدحال شخص دلی آکر گنگو برہمن کے پاس پہونچا برہمن نے اسے ہل بیل دیکر دلی کے پاس کسی کھیت کے جوتنے پر نوکر رکھ لیا۔ حسن نے کھیت میں ہل چلایا تو ہل کسی بھاری چیز سے ٹکرایا۔ اس نے اس کو نکالا تو ایک بڑا خزانہ پایا۔ حسن نے یہ پورا خزانہ جوں کا توں گنگو برہمن کے سامنے لاکر

پیش کردیا۔ برہمن کو اس کی دیانت داری اور ایمانداری پر بہت تعجب ہوا اور اُس کا ذکر اُس نے شہزادہ محمد تغلق سے کیا۔ شہزادہ نے اُس کی تعریف بادشاہ وقت غیاث الدین تغلق سے کی۔ غیاث نے خوش ہو کر اس کو اپنے امیران صدہ میں شامل کرلیا۔ گانگو برہمن کو حسن کے زائچے سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایک دن بادشاہ ہوگا۔ چنانچہ اُس نے حسن سے یہ شرط قبول کرائی کہ حبیب اللہ تم کو سلطنت دے تو میرا نام اپنے نام کا جزو بنانا اور سرکاری دفاتر کا سارا اہتمام مجھکو اور میری اولاد کو نسلاً بعد نسل سپرد کرنا۔ حسن نے دونوں شرطیں قبول کیں۔ چنانچہ اسی وقت سے اُس نے اپنا نام حسن گنگو بہمنی قرار دیا اور سلطنت کے بعد اپنے تمام سرکاری دفاتر کا کام گنگو برہمن کے سپرد کردیا۔

اب اس کے بہمن نام کی توجیہ سنئے۔ اس کے مداح مورخوں نے اس بہمن کو بہمن بن اسفندیار سے ملایا ہے۔ جیسا کہ تحفۃ السلاطین یا فتوح السلاطین، سراج التواریخ اور بہمن نامہ میں مذکور ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مجھے خود بھی بہمن سلاطین کے حسب و نسب کی بڑی تلاش تھی۔ اتفاقاً احمد نگر کے کتب خانہ میں ایک قلمی رسالہ اس بحث پر ملا جس میں بہمن سلاطین کا پورا نسب نامہ درج تھا۔ جو حسب ذیل ہے۔

حسن بن کیکاؤس بن محمد بن علی بن حسن بن سیام بن سیمون بن سلام بن ابراہیم بن شبور بن فرخ بن شہریار بن عاد بن ہبید بن ملک داؤد بن ہوشنگ بن نیک کردار بن فیروز بخت بن نوح بن صانع اور صانع چند واسطوں سے بہرام گور کی اولاد تھا اور بہرام گور ساسان کی نسل سے تھا اور ساسان بہمن بن اسفندیار

کی نسل سے تھا۔ یہ نسب جیسا کہ اس کی ترتیب سے ظاہر ہے سراسر جعلی ہے۔ یہ نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی ہے اور بے جوڑ ناموں کا ایک سلسلہ ہے۔ خود فرشتہ بھی اُس کی صحت کا قائل نہیں اور اُس نے اپنے اسی نظریہ کو جو گنگو برہمن کی حکایت پر مبنی ہے ترجیح دی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حسن کی قومیت اور قبیلہ کے باب میں تمام مورخین خاموش ہیں لیکن فرشتہ کے قلم سے ایک جگہ ایک فقرہ نکل گیا ہے جو یہ ہے۔

علی شاہ خواہرزادہ ظفر خاں علائی کہ از امیران صدہ بود واز دولت آباد جہت تحصیل مال سلطانی بگلبرگہ رفتہ بود چوں آں حدود از عمال خالی دید برادران خود را کہ یکے از آنہا حسن گانگوی بود یکجا جمع کردہ (صفحہ ۱۲۸/۱ نولکشور)

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر خاں جو سلطان علاء الدین خلجی کا مشہور سپہ سالار تھا اس کا بھانجا علی شاہ تھا اور اُس کے بھائیوں میں سے حسن گانگو تھا۔

(۱) لیکن اس فقرہ میں کسی غلطی کا واقع ہونا مجھے نظر آتا ہے۔ اگر فرشتہ کو واقعتاً اس کے اس خاندان کا علم تھا تو اُس کے نسب کی تحقیق کے موقع پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

(۲) اس کے نہ ماننے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے بعد ہی یہ ہے کہ علی شاہ مع برادران قید ہو کر سزائے قتل کو پہونچے۔

اب اگر حسن اُس کے بھائیوں میں سے ہوتا تو وہ بھی قتل ہو چکا ہوتا۔ فرشتہ

کا یہ بیان اس وقت اور بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے اس بیان کا ماخذ برنی کی فیروز شاہی ہے۔ لیکن اس واقعہ کے ذکر میں یہ فقرہ کہ حسن گانگو علی شاہ کا بھائی تھا اس میں مطلقاً موجود نہیں۔ عبارت یہ ہے

"فتنہ علی شاہ کہ خواہر زادہ ظفر خاں علائی کہ امیر صدہ قتلغ خاں بود ظاہر شد۔ علی شہ مذکور از دیوگیر بہ تحصیل گلبرگہ رفتہ بود آن طرف را از سوارہ و پیادہ و مقطعان و والیان خالی دید۔ برادران خود را با خود یار کردہ .... سلطان علی شاہ باغی غدار را با برادر آن دست راست دادہ از حصار فرود آوردہ .... سلطان محمد علی شہ برادران او را در غزنین فرستاد و ایشان از آنجا باز آمدند و ہر دو برادر را در پیش واخول سیاست نمودہ (صفحہ ۴۸۹)

مجھے خیال ہوا فرشتہ کی عبارت میں کچھ کتابت کی غلطی ہے۔ "برادران خود را" کی جگہ سرداران خود را ہوگا۔ اس غرض کے لئے میں نے فرشتہ مطبوعہ بمبئی کا قدیم نسخہ اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ایک قلمی نسخہ دیکھا سب میں برادران ہی لکھا پایا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حسن کے ساتھ گانگو نام اور بہمن شاہ لقب کی کوئی صحیح (توضیح) توجیہہ تک اب تک میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

بہمن شاہ لقب اور دکن کے برہمنوں کے ساتھ اتحاد سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس نے نسبی طور سے نہیں تو سیاسی طور سے دکھنی برہمنوں کو ضرور اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا اور اسی کی علامت کے طور پر ان کے خوش کرنے

کے لئے اُس نے اپنا خطاب بہمن شاہ یعنی برہمنوں کا بادشاہ مقرر کیا تھا جیسا کہ اُس کے کتبوں اور سکوں میں کندہ ملتا ہے۔

لفظ بہمن وہی مشہور لفظ برہمن ہے شمالی ہند میں اس کا تلفظ بہمہ بن برہمن ہے اور اس کی جمع براہمہ اور دکن میں اس کا عام تلفظ بہمن ہے اور اُس کی جمع بہامنہ بولی جاتی ہے۔ چنانچہ فرشتہ میں لفظ کی یہ دونوں شکلیں ایک ساتھ ملتی ہیں۔

اول کسے کہ از فرقہ براہمہ در دور اسلام نوکری قبول کرد۔ گانگو پنڈت بود تا حال کہ سنہ ۱۰۱۶ ہجری است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایات ایشاں بہ بہامنہ مرجوع است (صفحہ ۲۷۰ نولکشور)

اس عبارت میں شمالی ہند کے تعلق سے براہمہ کہا گیا ہے اور جنوبی ہند کے تعلق سے بہامنہ۔ بہمن شاہ یعنی برہمن شاہ ویسی ہی ترکیب ہے جیسے کابل شاہ ہندو شاہ۔ شیروان شاہ۔ خوارزم شاہ جو مشہور بادشاہوں کے خاندانی نام ہیں۔

یہ تو بہمن شاہ کی ایک لگی ہوئی توجیہہ ہے مگر گانگو نام کی توجیہہ کا جو شروع ہی میں اس کے نام کا جز ہے جیسا کہ سراج عفیف اور ضیا برنی کے حوالوں سے ثابت ہے ابھی تک حل نہ نکل سکا۔

بہر حال بہمن شاہیہ اگر نسل سے ہندو نہ ہوں تاہم انھوں نے وجے نگر کے ہندو راجاؤں کی بیٹیوں کو قبول کیا تھا مگر اُن سے نسل کا چلنا ثابت نہیں ہوتا

بہمنیہ سلطنت کے ختم ہونے پر اس کی خاک سے پانچ چھوٹی بڑی سلطنتیں پیدا ہوئیں جن میں تین نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی ہیں۔

سلاطین بہمنیہ

حسن گانگو علاء الدین ظفر خاں	۷۴۸	علاء الدین احمد شاہ دوم	۸۳۸
محمد شاہ اول	۷۵۹	عبدالدین ہمایوں شاہ	۸۶۲
مجاہد شاہ	۷۷۶	نظام شاہ	۸۶۵
داؤد شاہ	۷۸۰	محمد شاہ دوم	۸۸۷
محمود شاہ اول	۷۸۰	احمد شاہ سوم	۹۲۴
غیاث الدین	۷۹۹	علاء الدین شاہ	۹۲۷
شمس الدین	۷۹۹	ولی اللہ شاہ	۹۲۹
تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰	کلیم اللہ شاہ	۹۳۲
احمد شاہ اول	۸۲۵	خاندان دکن	۹۳۳

نظام شاہی

نظام شاہی سلطنت کا بانی نظام الملک بحری تھا۔ یہ خالص دکھنی ہندو نسل سے تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کا ہندو نام تیما بھٹ اور باپ کا نام بھرلو تھا۔ اس کا اسلامی نام حسن رکھا گیا اور بعد کو بھرلو بحری بنا یا گیا اور حسن بحری کے نام سے مشہور ہوا (فرشتہ نمبر ۲ صفحہ ۱۸۰) وطبقات اکبری نمبر ۳ صفحہ ۷۶۱) فرشتہ کا بیان ہے۔

"از بہامنہ معتبر دولت خانہ نظام شاہیہ شنیدم کہ پیش از سلطنت نظام شاہ بحری بہ چندیں سال اجداد نظام شاہیہ از براہمیہ پرگنہ پاتزی در قدیم الایام تعلق بآبا و اجداد داشتہ بودند بہ تقریب تغیر مکان کردہ بولایت بیجانگر رفتہ بودند در آں حدود بسر می بردند"

اسی تعلق کی بنار پر برھان نظام شاہ نے اس پرگنہ پر قبضہ کر کے اپنے خاص گاؤں کو اپنے ہندو برہمن عزیزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ فرشتہ کی شہادت ہی کہ

"برھان نظام شاہ آن پرگنہ را بقبض خویش درآوردہ موضع موروث بہ بہامنہ خویش و قرابت خود کہ رئیس کفرہ بودند بطریق انعام عنایت فرمودہ"

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل وطن موضع پاتزی تھا جہاں اس کا خاندان آباد تھا۔

یہ بیجانگر کے ایک برہمن کا لڑکا تھا۔ سلطان احمد شاہ بہمن نے اس کو ذہین دانشمند اور حساب کتاب میں ماہر پایا اس لئے اس کو بھی شاہزادوں کے ساتھ مکتب میں بٹھا دیا۔ اور فارسی کی تعلیم دلوائی۔ پہلے وہ میر شکار کے عہدہ پر فائز ہوا پھر نائب وزیر بنایا گیا۔ سلطان محمود بہمنی کے عہد میں خواجہ جہان محمود گاوان کے مرنے کے بعد وزیر کل ہوا۔ اس کا لڑکا احمد باپ کی جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔ نظام الملک کے مرنے پر اس نے سلطنت کو اس خوبی سے چلایا کہ اس کی کوئی کل ڈھیلی نہ رہنے دی۔ محمود بہمنی کے وزیر کو شکست دیکر ۸۹۵ھ ہجری

میں ایک باغ اس فتح کی یادگار میں لگایا اور اپنا نام نظام شاہ رکھا سنہ ۹۰۰
ہجری میں دولت آباد کے مقابل ایک نیا شہر احمد نگر کے نام سے بسا کر اس کو
بنایا۔ اس سے قبل جنیر اُن کی راجدھانی تھی۔ چند ہی سال میں یہ شہر بڑا آباد
اور بارونق بن گیا باغ نظام کو قلعہ نما تیار کرایا اور مختلف محلوں کو رنگین کانچ
کے ذریعہ دلکش تصویروں سے آراستہ کرایا۔ دولت آباد فتح کر کے کالنہ اور پکلانہ
کو مطیع کیا۔ سنہ ۹۱۴ میں اس نے وفات پائی۔

اُس کا لڑکا برہان نظام شاہ کم سن تھا اس لئے سارے اختیارات
پر اُس کے وزیر کلمل خاں کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۹۲۴ ہجری میں اُس نے پاتری کو
جو اُس کے باپ دادوں کا اصلی وطن تھا فتح کر لیا۔ سنہ ۹۲۸ ہجری میں ایک شیعہ بزرگ
شاہ طاہر کے اثر سے اُس نے شیعی مذہب اختیار کیا۔ اور اسی کو سرکاری مذہب
قرار دیا گیا سنہ ۹۳۵ ہجری میں بہادر شاہ گجراتی سے جنگ میں شکست کھا کر خراج
دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اُس کے وزیر کنور سین نے مرہٹوں
سے لڑ کر ۳۲ قلعے چھین لئے۔ سنہ ۹۶۱ ہجری میں سلطان دنیا سے کوچ کر گیا۔
حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر پہلے تو خانہ جنگی کا خاتمہ کیا پھر پرتگیزوں کو اپنا مطیع بنایا
سنہ ۹۷۲ ہجری میں نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی سے عادل شاہ (بیجاپور) کا نکاح
ہوا۔ سنہ ۹۷۲ ہجری میں دکنی فوجوں کے ساتھ تالی کوٹ کی جنگ میں شریک ہوا
وجیانگر کا راجہ "رام راج" کا خاتمہ کر کے جب واپس آیا تو خود بھی دُنیا سے کوچ کر گیا
نظام شاہی سلطنت کی عمر صرف ڈیڑھ سو برس رہی۔ اُن کا پایہ تخت احمد نگر تھا۔
انھوں نے بڑے بڑے محل بنائے ان میں شیش محل خاص شہرت رکھتا تھا۔

باغ بکثرت لگائے۔ باغوں کی کثرت کے باعث ملک بہشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا
صلابت خاں اور خواجہ جہان دکنی جیسے وزیر اسی زمانہ میں تھے اُن کا علمی دربار
بھی بڑا بارونق تھا۔ ملا پیر محمد طاہر شاہ۔ ملا ظہوری ملک قمی جیسے اہل علم اور شاعر
اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ رعایا کا مذہب سُنی مہدوی تھا اور حکمراں شیعہ تھے
غیر ملکیوں سے بھی اُن کے تعلقات اچھے تھے اور ایک دوسرے کے سفیر اچھے تحفوں
کے ساتھ آمدورفت رکھتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ ایران سے اسی عہد میں واپس آیا
اور ملکی اور غیر ملکی جھگڑے البتہ اکثر ہوتے جس نے سلطنت کو کمزور کردیا۔ عورتیں
بھی سیاست میں حصہ لیتی تھیں دکن کی مشہور ملکہ چاند بی بی سلطانہ اسی خاندان
سے تھی۔ اس کی فوجی طاقت بھی کسی سے کم نہ تھی۔ یہ سلاطین بڑے جنگجو تھے۔
عادل شاہی اور برار کے ساتھ ہمیشہ جنگ کرتے رہتے۔ احمد شاہ نظام کو کشتی کا
بڑا شوق تھا۔ یہی مذاق رعایا کا ہو گیا تھا اسی لئے یہاں یک بکی (ڈوئل) کا بڑا
رواج تھا۔ علماء تک اس سے محفوظ نہ تھے۔ آخر زمانے میں ملک عنبر حبشی نے جنگ کا ایک
نیا طریقہ ایجاد کیا جس کو جنگ کریزیا (قزاقانہ جنگ) کہتے ہیں یعنی گوریلا وار۔ اس
فوج میں مرہٹے زیادہ تھے اسی سبب سے مرہٹوں کو اس لڑائی کی بڑی مہارت ہو گئی
سیواجی کو تو یہ طریقہ اس قدر پسند آیا کہ عمر بھر اسی طریقہ پر لڑتا رہا۔ صلابت خاں
کے وقت میں تجارت کو بھی اچھی ترقی ہوئی مگر جنگ اور خانہ جنگی کے سبب زراعت
وصنعت پر کافی توجہ نہ ہو سکی [1]

---

[1] مآثر نظام شاہی مطبوعہ دہلی فرشتہ جلد چہارم حیدرآباد۔

عماد شاہی

دکن کی دوسری سلطنت جو بہمنیہ کے ایک گوشہ میں قائم ہوئی تھی عماد شاہی ہے۔ عماد شاہی سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے۔ یہ بیجانگر کے ہندو کا لڑکا تھا۔ بچپن میں گرفتار ہو کر سپہ سالار خان جہان کے غلاموں میں داخل ہوا۔ اُس کی وفات پر سلاطین بہمن شاہی کے غلاموں میں داخل کر لیا گیا۔ محمود بہمن شاہ کے عہد میں خواجہ محمود گاواں وزیر مملکت کی عنایت سے اس کو عماد الملک کا خطاب ملا اور برار کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ ۸۸۰ھ ہجری میں وہ خود مختار ہو گیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا علاء الدین عماد شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے اسمٰعیل عادل شاہ کی لڑکی سے شادی کر کے اپنی قوت کو ترقی دی۔

برہان نظام شاہ نے اُس کے دو قلعے دبائے تھے اُس کے لئے بڑی خونریز جنگ ہوئی شکست پا جانے پر خاندیس کے حاکم کے ذریعہ مدد کے لئے سلطان بہادر گجراتی کو بلایا جس نے برار اور نظام شاہ دونوں کو اپنا باجگزار بنا لیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا دریا عماد الملک حاکم ہوا۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی حسین نظام شاہ سے کردی۔ عرصہ تک حکومت کر کے دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ اور اب اس کا چھوٹا کم عمر لڑکا برہان عماد شاہ مالک تخت ہوا۔ لیکن تفادل خاں دکنی نے برار پر قبضہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اور خود تفادل خاں کو مرتضیٰ شاہ نے شکست دیکر قتل کر دیا اور برار کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس سلطنت کا پایہ تخت کاویل تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور ہمیشہ لڑنے جھگڑنے کے سبب اس کو اس کا موقع نہیں ملا کہ امن وامان قائم کر کے ملک کو ترقی دے۔ اس کی فوجی طاقت بھی معمولی تھی[1]

---

[1] فرشتہ جلد چہارم حیدرآباد

سلاطین عماد شاہیہ

فتح اللہ عماد الملک	۸۷۶
دریا عماد شاہ	۹۳۷
تفاول خاں	۹۶۹
علاء الدین	۹۱۶
برہان عماد شاہ	۹۶۹

بریدشاہی بہمنیہ کی تباہی کے بعد بریدشاہی خاندان دکن کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت بیدر تھا۔ اس کا بانی قاسم بریدالمتوفی سنہ ۹۱۰ ہجری کو ترک تھا۔ مگر اس نے اپنے لڑکے کی شادی جس کا نام امیر علی برید تھا سابا جی ایک مرہٹہ سردار کی لڑکی سے کرادی تھی اور اسی تعلق سے جا بسو مرہٹہ بہادروں نے اس کی نوکری کی اور سب رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے اور انہیں کی فوجی طاقت سے اس سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوئی۔ افسوس ہے کہ کسی مورخ نے اس کا حال نہیں لکھا۔ فرشتہ نے ان کے سات بادشاہوں میں سے صرف تین کا حال لکھا ہے اور معذرت کی ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوئے اور جو لکھا ہے وہ بھی بزرگوں کی زبانی سنکر۔[1]

سلاطین بریدشاہیہ

بریدالممالک قاسم برید	۸۹۵

[1] تاریخ وسیاست مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

علی برید ——— ۹۴۹

قاسم برید دوم ——— ۹۹۴

امیر برید دوم ——— ۱۰۱۰

امیر برید اول ——— ۹۱۰

ابراہیم برید ——— ۹۸۷

علی برید دوم ——— ۹۹۸

قطب شاہیہ

سلطنت قطب شاہی کا بانی قطب الملک سلطان ق
ترکوں کی قوم لہاریوں سے تھا اس کا باپ اویس قلی آذ
بائی جان کا حاکم تھا۔ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن میں آیا محمود شاہ کے زمانہ میں گول کنڈہ کی نظامت پر مامور ہوا۔ انیس سال تک مطیع رہ کر ۹۱۰ھ میں خودسری اختیار کی اور قطب شاہ لقب مقرر کرکے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا اس کے خاندان میں آٹھ فرماں روا ہوئے جو بڑے مرتبہ اور اہل علم کے قدردان تھے

سلاطین قطب شاہیہ

(۱) سلطان قلی قطب الملک ۹۲۲

(۲) جمشید قلی ۹۵۰

(۳) سبحان قلی [illegible]۵۷

(۴) ابراہیم قطب شاہ ۹۵۷

(۵) محمد قلی قطب شاہ ۹۸۸

(۶) محمد قطب شاہ	۱۰۲۰
(۷) عبداللہ قطب شاہ	۱۰۳۵
(۸) ابوالحسن تاناشاہ	۱۰۸۳

عادل شاہیہ

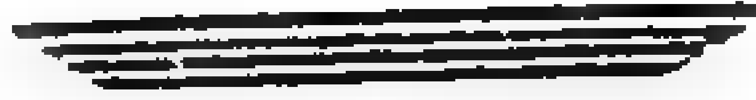
عادل شاہی کا مورث اعلیٰ یوسف عادل شاہ سلطان دوم محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کا بھائی تھا جب سلطان محمد نے اُس کے قتل کی فکر کی تو دشمن کی شمشیر سے محفوظ رہنے کے لئے دکن چلا آیا اور یہاں محمد شاہی بہمنی کے ملازموں میں داخل ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں بیجاپور کا ناظم مقرر ہوگیا۔ عرصہ تک مطیع رہا ۸۹۵ھ میں عماد الملک کی تحریک سے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اس خاندان کے حکمراں عالمی دلچسپی رکھتے تھے۔ آثار الکرام میں مفصل حال دیکھئے۔

سلاطین عادل شاہیہ

(۱) یوسف عادل شاہ	۸۹۵
(۲) ملو عادل شاہ	۹۴۱
(۳) علی عادل شاہ	۹۶۵
(۴) محمد عادل شاہ	۱۰۳۷
(۵) سکندر عادل شاہ	۱۰۷۰
(۶) اسمٰعیل عادل شاہ	۹۱۶
(۷) ابراہیم عادل شاہ	۹۴۱

(۸) ابراہیم عادل شاہ دوم ۹۸۸

(۹) علی عادل شاہ سوم ۱۰[illegible]۷



بابرِ اعظم

بابِ اعظم

شجرہ خاندانِ مغلیہ

بابر (۱)

ہمایوں (۲)

محمد حکیم گورنر بنگال

اکبر (۳)

جہانگیر (۴)

شہریار جہاندار شاہجہاں (۵) پرویز خسرو

مراد بخش اورنگ زیب (۶) شجاع دارا

کام بخش اکبر شاہ عالم بہادر شاہ (۷) اعظم محمد

محی السنت نیکو سیر

شاہجہان ثالث

عظیم الشان رفیع الشان جہاندار (۹) خجستہ اختر

فرخ سیر (۹) عالمگیر ثانی (۱۴)

محمد (۱۱) شاہ عالم (۱۵)

احمد (۱۳) محمد اکبر ثانی (۱۶)

بیدار بخت بہادر شاہ ثانی (۱۷)

ابراہیم رفیع الدرجات (۱۰) رفیع الدولہ

شاہان مغلیہ

ظہیر الدین بابر — سنہ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۶ء

نصیر الدین ہمایوں — سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء

جلال الدین اکبر — سنہ ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء

نور الدین جہانگیر — سنہ ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء

داور بخش — سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷-۲۸ء (غاصب و باغی)

شہاب الدین شاہجہاں — سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء

مراد بخش (گجرات) — سنہ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء (غاصب و باغی)

شجاع (بنگال) — سنہ ۱۰۶۸-۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۸-۱۶۶۰ء (غاصب و باغی)

اورنگ زیب محی الدین عالمگیر — سنہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء

محمد ناصر الدین — سنہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء

احمد — سنہ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۱۹ء

عزیز الدین عالمگیر ثانی — سنہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء

شاہ جہاں ثالث — سنہ ۱۱۷۳-۱۱۷۴ھ / ۱۷۵۹-۱۷۶۰ء (غاصب)

اعظم شاہ — سنہ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء

کام بخش — سنہ ۱۱۱۹-۲۰ھ / ۱۷۰۸ء

قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول — سنہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء

معز الدین جہاندار — سنہ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء

فرخ سیر	۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء	
شمس الدین رفیع الدرجات	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء	
رفیع الدولہ شاہجہان ثانی	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء	
نیکوسیر	۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء	
ابراہیم	۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء	(غاصب)
جلال الدین شاہ عالم	۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء	
بیدار بخت	۱۲۰۲-۰۳ھ / ۱۷۸۸-۸۹ء	(غاصب)
محمد اکبر ثانی	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	
بہادر شاہ ثانی	۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء	

مغلیہ خاندان

مغلوں کی تاریخ عملاً چنگیز خاں کے عہد سے شروع ہے اسی نسل سے تیمور لنگ تھا۔ تیمور ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا تھا تیمور کی جانب سے کش کی گورنری پر مامور رہا۔ بعدہ چغتائیہ خاں سیورغتمش کا وزیر ہوگیا اور اس کی حکومت پر ۱۳۶۹ء میں قابض ہوا برائے نام اس کے لڑکے محمود کو بادشاہ رہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں مصروف پیکار رہا۔ سات سال میں خراسان، جرجان، مازندران، سیستان، افغانستان، فارس، آذربائی جان اور کردستان فتح کئے۔ پھر ۱۳۹۳ء میں خاندان جلائر سے بغداد لیا اس کے بعد الجزائر پر بھی قبضہ کرلیا۔ ۱۳۹۸ء میں شمالی ہند میں داخل ہوا اور دوسرے سال کشمیر و دہلی پر یورش کی۔ سنہ ۱۴۰۲ء میں ترکوں سے مقابلہ کیا۔ سلطان بایزید گرفتار ہوا۔ ممالک

عثمانیہ زیروزبر ہوئے۔ مصر، حلب، دمشق قلمروئے تیموری میں داخل ہو گئے تسخیر چین کے لئے جارہا تھا کہ راہ میں بمقابلہ انزار ۱۴۰۵ء مطابق ۸۰۷ھ میں قضا کی اور سمرقند میں دفن ہوا

ابوالمکارم جلال الدین محمد میراں شاہ بادشاہ باپ کا جانشین ہوا۔ صرف دو برس سلطنت کر کے ۴ ذیقعدہ ۸۱۰ھ میں بعمر ۴۰ سال انتقال کیا۔ ان کے بعد ابوالمظفر سلطان محمد مرزا باپ کے بجائے تخت نشین ہوئے۔ ۳۵ برس سلطنت کی ۸۵۵ھ میں انتقال کیا۔ ترنہ میں دفن ہوئے۔ سلطان ابوسعید مرزا ذی الحجہ ۸۲۰ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد غزنی میں تخت نشین ہو کر ۱۸ برس حکومت کی۔ سمرقند میں انتقال کیا۔ ان کا جانشین سلطان ابوالنصر عمر شیخ مرزا بہادر ہوا ۱۷ برس حکمرانی کی۔ ۴ رمضان ۸۹۹ھ میں انتقال کیا۔

پیدائش بابر

بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ بابر کا اصلی نام ظہیرالدین تھا لیکن چونکہ اس کے نام کا تلفظ ٹھیک ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے اس کو بابر یعنی شیر کہتے تھے

تعلیم و تربیت

وہ ابھی گیارہ برس کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ ڈھلواں چٹان کے اوپر ایک مکان میں کبوتروں کو چگانے گیا کہ یکایک اس کا پیر پھسلا اور مر گیا۔ بابر اس کا جانشین ہوا۔

بابر کو برسوں کی خاندانی تمنا پوری کرنے کی توقع ہوئی۔ اس نے سمرقند فتح کر لیا جو اس کے خاندان کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ مگر وہ اس پر تھوڑے عرصہ تک قابض رہا۔ وہ بیمار ہو گیا اور شہر سے جلد نکال دیا گیا اس سے ابتر حالت یہ پیش آئی کہ

ب وہ سمرقند سے غیر حاضر تھا اس کی سلطنت اس سے چھین لی گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ
خانماں اور جلاوطن رہا۔ لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں سے
اد لینے کی تجویز کی اور ایک چھوٹی سی فوج جمع کی۔ اس فوج کی مدد سے اُس نے اپنی
لطنت کا ایک حصہ بحال کرلیا۔ سمرقند دوبارہ فتح کرنے کا اُسے موقع مل گیا اس شہر کے
کرنے کی آرزو بابر کو بہت تھی کیونکہ وہ محلات اور باغات کا عالی شان شہر تھا۔ علاوہ
یں بابر کے خاندان کا قدیم وطن تھا۔ اس طرح سے جب بابر کو چند باشندوں نے
و کیا جو اپنے زمانہ کے فرمانرواؤں سے ناراض تھے بابر نے اُن کی دعوت منظور کرنے
ں سرعت سے کام لیا اس کو ناکامی ہوئی۔ لیکن کسی طرح وہ نا اُمید نہ ہوا۔ اُس نے
سری مرتبہ کوشش کی۔ اس مرتبہ یکبارگی کوشش کی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ سمرقند
ب سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دارالخلافہ رہا تھا۔ ایک اجنبی قزاق خدا
انے کہاں سے آگیا اور اُس نے ہمارے شاہی عصا پر دست تصرف کرلیا جو ہمارے
تھوں سے چھوٹ گیا تھا۔ خداتعالیٰ نے اب بحال کردیا اور مجھے لٹا ہوا شہر واپس
لادیا۔[1]

سمرقند میں بابر کو بہت عرصہ تک چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اُس کے
ے دشمن ازبک تھے۔ جو ایک طاقتور مغل قوم تھی۔ اُنھوں نے ایک جرار فوج جمع کی،
ابر کو جنگ میں شکست دی اور اُسے سمرقند میں قید کردیا۔ سات مہینے تک محاصرہ جاری
ہا۔ آخرکار شہر میں خوراک ختم ہوگئی۔ بابر کو متابعت کرنی پڑی اور چند ہمراہیوں کے
ساتھ سمرقند چھوڑنا پڑا۔ لیکن اُس نے جلد ہمت ندھلی۔ بہت سے فاقوں کے بعد

[1] تزک بابری۔

وہ ایک جگہ آیا۔ جہاں کثرت سے خوراک تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ۔ جہاں ہمیں اچھے آٹے کی خوب پکی روٹیاں ملیں شیریں خربوزے ملے اور بڑی کثرت سے اعلیٰ درجہ کے انگور ملے۔ تمام زندگی میں مجھے ایسا لطف نہیں آیا اور مجھے فارغ البالی اور صلح کی خوشی اس قدر نہ ہوئی تھی۔ تکلیف کے بعد لطف' افلاس کے بعد افراط نہایت خوشی کا باعث تھا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ بابر کا دل مضبوط تھا جو شکست کے زمانہ میں حوصلہ نہ چھوڑتا تھا اور زندگی کی نیک چیزوں کی قدر کر سکتا تھا نہ اس کی سلطنت رہی۔ نہ اس کے ہمراہی رہے۔ وہ کچھ عرصے تک غریب گاؤں میں رہتا رہا۔ خود بھی ایسا غریب تھا جیسا کہ وہ تھے۔ پھر کچھ عرصہ اپنے چچاؤں کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ انھوں نے اس پر مہربانی کی لیکن اس کا کچھ بھلا نہ کیا۔ سوائے اس بات کے کہ وہ اسے اپنی جنگ میں مصروف رکھتے تھے۔ اس کی زندگی کے اگلے چند سال سرگذشتوں سے بھرپور ہیں۔ بار بار اسے ایسی وقت پیش آئی کہ وہ قید ہو گیا ہوتا۔ ایک مرتبہ اس کے دشمن اس کے ایسے نزدیک تھے کہ اسے یقین ہو گیا کہ سب کچھ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ موت کے لئے تیار ہو گیا۔ عین وقت پر اس کے وفادار ہمراہیوں نے اس کو بچا لیا۔ آخر کار اس نے اپنی سلطنت کی بحالی کی تمام امیدیں ترک کر دیں اور کابل میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے ارادہ کر لیا۔ کابل کی سلطنت اس کے خاندان کی تھی اس نے اپنی ولایت سے پیٹھ موڑی اور کابل میں اپنی سلطنت قائم کرنیکا ارادہ کر لیا اس میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی کیونکہ کابل نے اس کی چھوٹی سی فوج کے سامنے جلد ہتھیار ڈال دیئے۔ بابر اپنے نئے گھر میں مقیم ہوا اور وہ اسکا بہت شائق تھا۔ اس کی ولایت کی طرح یہاں پھل بکثرت تھے اس نے باغات لگائے لیکن ان مقبوضات پر آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور

اُسے اُن کے مقابلہ پر فوراً معرکہ آرائی کرنی پڑی ۔ اپنی کتاب میں اس کا تذکرے حال لکھتا ہے "اس مہم سے لوٹ کر بابر نے ہرات کی طرف دور دراز کا سفر کیا ۔ ہرات عظیم الشان اور دولت مند شہر تھا جس کے باشندے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے تھے ۔ ہرات کے حاکم بابر کے خاندان کے تھے اور وہ اُن کے ساتھ رفاقت رکھنا چاہتا تھا اور اُن کی مدد بھی چاہتا تھا اگر اس پر دشمن حملہ کرے ۔ چنانچہ وہ کچھ عرصے شہر میں مقیم رہا ۔ اُس کے دل پر شہر کے سامان عشرت کا بڑا اثر ہوا جو اُس کی سیدھی سادی زندگی کے مقابلہ میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے ۔ ہرات کی سیر کے زمانہ میں اولاً بابر شراب کے عیب کا شکار ہوا جیسا کہ وہ خود بالکل آزادانہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس عیب کا عرصہ دراز تک شکار رہا ۔ خوش نصیبی سے وہ بعد ازاں اس عیب کو چھوڑنے کی قوت رکھتا تھا ۔ کابل کی واپسی میں اُسے سخت ایام دیکھنے پڑے وہ اور اس کی فوج برف میں تباہ ہوگئی اور ایک موقعہ پر ایک غار کے ملنے سے بچے جس میں رات کو انھوں نے پناہ لی ۔ کابل پہونچکر اُس نے جلد معلوم کیا کہ اس کے دشمن ازبک حملہ کرنے والے ہیں ۔ خوف و ہراس اس قدر طاری ہوا کہ بابر نے نتیجہ نکال لیا کہ کابل پر تصرف کرنا ناممکن ہے ۔ اس لئے ہند کو فوج سمیت روانہ ہوگیا ۔ راستہ میں اسے معلوم ہوا کہ ازبک لوٹ گئے ہیں وہ پھر کابل لوٹ گیا ۔ یہاں اُسنے چچازاد بھائی کی سرکشی رفع کی اور اپنے بھائی کو معاف کر دیا ۔ اگرچہ بابر کابل میں حکومت کرتا تھا لیکن وہ سمرقند کا فرمانروا ہونے کی قدیم آرزو نہ بھولا ۔ جونہی اُسے اپنی آرزو کے پورا کرنے کا موقعہ ملتا وہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا ۔ اُس کے قدیم دشمن ازبک کو شکست ہوئی اور پسپا کیے گئے ۔ بابر نے اُن کے خلاف ایک فوج کے ساتھ معرکہ آرائی کی جن کو اُس نے چھوڑا تھا ۔ اُن پر ایک

کابل فتح حاصل کی اس کے بعد وہ سمرقند میں بڑے جلوس سے داخل ہوا۔ یہ شہر اس نے تین مرتبہ لیا لیکن اس کی حکومت دیر تک نہ رہی۔ دشمنوں کا اتفاق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اُن پر فتح حاصل نہ کرسکا۔ صرف آٹھ مہینے تک سمرقند میں رہ کر اسے شہر ترک کرنا پڑا۔ اپنے آبائی دارالخلافہ پر حکومت کا خواب جاتا رہا۔ بہت سی سرگذشتوں کے بعد وہ کابل پہونچا۔ اس وقت سے اُس نے اپنی سلطنت کے حاصل کرنے کا خواب ترک کردیا اور وہ ہند کی طرف نظر ڈالنے لگا لیکن پانچ سال تک وہ ہند کی فتوحات شروع نہ کرسکا۔ ان پانچ سال تک وہ کابل کی سلطنت کے انتظام اور اپنی فوج کی تیاری میں مصروف رہا۔ بابر کے الفاظ میں ہند کا مختصر حال تزک سے بیان کرتے ہیں

ہندوستان نہایت خوبصورت مشہور معروف ملک ہے۔ ہمارے ملکوں سے مقابلہ کریں تو بالکل نرالی دنیا ہے۔ اس کی پہاڑی اور دریا۔ اس کے جنگل اور بیابان۔ اس کے جانور اور نباتات۔ اس کے باشندے اور اُن کی زبان۔ اس کی ہوا اور بارش مختلف خاصیت کی ہیں۔ اگرچہ کابل کے قلمرو میں گرم اضلاع ہندوستان سے بہت مشابہت رکھتے ہیں لیکن دیگر حالات میں وہ مختلف ہیں۔ تاہم اب جب دریائے سندھ عبور کریں تو۔ ملک۔ درخت۔ پتھر۔ خانہ بدوش قومیں لوگوں کے اطوار زندگی ہندوستان کے بالکل مشابہ ہیں۔ ہند کے دیہات اور قصبے بہت غلیظ ہیں۔ سارے شہروں کی ایک صورت ہے۔ یہاں کے باغات کی فصیلیں نہیں ہوتیں۔ سارا ملک ہموار سطح رکھتا ہے۔ دریاؤں اور ندیوں کے کنارے سیلاب کی سخت روانی کی وجہ سے جو کہ بارش کے موسم میں اُترتے ہیں گہرے غار بن جاتے ہیں جن کا عبور کرنا دشوار گذار اور تکلیف دہ ہے۔ بہت سی جگہوں میں میدان

اس قدر کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوتا ہے کہ لوگ جوان ہی پر منحصر ہیں ان میں پناہ لیتے اور ان کے ناقابل پہنچ مقامات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اکثر سرکشی کرتے رہتے ہیں اور ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہند میں سوائے دریاؤں کے کسی جگہ بہتا پانی نہ ملیگا۔ کبھی کبھی کھڑا پانی ملتا ہے تمام شہر اور دیہات کنوئیں یا نالاوں سے پانی لیتے ہیں جس میں بارش کے دنوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ ہند میں گاؤں کی آبادی۔ زوال کامل تباہی بلکہ شہروں کی بھی یکدم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہر جو سالہا سال میں آباد ہوئے اگر باشندے خوف کھائیں تو بھاگ جاتے ہیں ایک دن یا ڈیڑھ دن میں ایسے ترک کر دیئے جاتے ہیں کہ آپ آبادی کا نام و نشان تک مشکل سے پا سکیں گے۔

ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں سامان تفریح کوئی نہیں۔ لوگ خوبصورت نہیں۔ وہ دوستانہ مجلس کی تفریح کا خیال نہیں رکھتے۔ باہم آزادانہ نہیں ملتے یا باہمی ارتباط نہیں رکھتے۔ وہ ذکی نہیں ہوتے۔ وہ دل کا احساس بھی نہیں رکھتے۔ وہ خوش اخلاق نہیں ہوتے۔ وہ صنعت کی تجویز اور ساخت ایجاد و اختراع ذہنی فطرۃً نہیں رکھتے وہ فن تعمیر اور علم ایجاد میں علم و ہنر نہیں رکھتے۔ ان کے گھر خوبصورت نہیں ہوتے نہ گوشت اچھا ہوتا ہے نہ انگور نہ تربوز نہ عمدہ میوے۔ نہ برف نہ سرد پانی نہ خوراک نہ روٹی نہ حمام۔ نہ دارالعلوم نہ بتی نہ مشعل نہ موم بتی ہوتی ہے۔

اس طولانی اور کما حقہ نفرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر نے ہند میں کوئی خوبی نہ دیکھی لیکن وہ تصویر کا دوسرا پہلو دیکھتا ہے۔ کیونکہ وہ آگے کہتا ہے کہ

ہندوستان کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ بڑا وسیع ملک ہے۔ سونا اور چاندی

بکثرت رکھتاہے ۔موسم برسات میں آب وہوا بہت اچھی ہوتی ہے کسی دن دس پندرہ یا بیس دفعہ بھی برستا ہے ۔ برسات میں ایک دم سیلاب آجاتے ہیں ۔ دریا بنلاتے ہیں ۔ ان جگہوں میں بھی جہاں اور وقت پانی نہیں ہوتا ۔ جب بارش ہوتی ہے ہوا نہایت خوشگوار ہوتی ہے کہ اس کے زم اور خوشگوار موسم سے کوئی سبقت نہیں لیجاتا ۔ اس کا نقص یہ ہے کہ ہوا ترا ور سیلی ہے موسم برسات میں شکار نہیں کر سکتے اور ہمارے ملک کی کمان سے شکار نہیں کر سکتے اور وہ بالکل ناکارہ ہو جاتی ہے صرف کمان ہی ناکارہ نہیں ہو جاتی ۔ زرہ بکتر ۔ کتابیں پارچہ اسباب سب تری کے بُرے اثر کو محسوس کرتے ہیں ۔ گھر بھی بہت نقصان اٹھاتے ہیں ، کیونکہ پختہ نہیں بنے ہوتے ۔ موسم گرما اور سرما میں بلکہ برسات میں بھی کافی خوشگوار ہوتا ہے جب شمالی ہوا چلتی ہے تو نہایت گرد اور غبار اڑتا ہی جب برسات نزدیک ہو یا جب بارش ہونے والی ہوتی ہے تو ہوا نہایت زور شور سے پانچ مرتبہ چلتی ہے اور اس قدر گرد اڑتی ہے کہ آپ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے ۔ اس کو وہ آندھی کہتے ہیں ۔ مئی اور جون میں گرمی ہو جاتی ہے لیکن موسم اس قدر گرم نہیں ہوتا ہے کہ برداشت نہ ہو سکے ۔ ہند کی گرمی کی طرح تند نہیں ہوتی ہے ۔

ہندوستان میں ایک اور آرام ہے کہ ہر ایک پیشہ اور تجارت کے آدمی بیشمار ہیں اور لاتعداد ہیں کسی کام یا ضرورت کے لئے فرقہ کا فرقہ تیار ہے ۔ جو وہی پیشہ مدت مدید سے نسلاً بعد نسل کرتے آرہے ہیں اکیلے آگرہ میں ۰۰ ۷ سنگ تراش اپنے محلات میں لگاتا تھا اور دوسری جگہوں میں ۱۴۹۱ سنگ تراش میری عمارتوں میں لگے ہوتے تھے ۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر ایک تجارت اور کام کے کاریگر لاتعداد ہیں ۔

اس نے پانچ مرتبہ ہند پر حملہ کیا ۔ پہلے حملہ میں [redacted] اٹک کے راستہ پنجاب میں حملہ آور

ا۔ یہ فروری ۱۵۱۹ء میں ہوا۔ فوج کی تعداد کو دیکھ کر اس کے آدمی ہراساں تھے
برے بہت سے وفادار دوستوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر ہم ہندوستان جائینگے
ہیں کمال مضبوطی اور کافی فوج کے ساتھ حملہ کرنا چاہیئے۔ گو صلاح نہایت
زوں تھی باوجود ان اعتراضات کے ہم نے حملہ کیا۔ بابر کو راستہ میں شکار کرنے کا
قع ملا۔ دریا کی طرف فوج کو روانہ کرکے میں خود گینڈے کے شکار کے لئے روانہ
۔ ہم نے بہت سے گینڈے روانہ کئے۔ لیکن ملک میں جھاڑیوں کی وجہ سے ہم
تک نہ پہونچ سکے۔ شمالی پنجاب میں اس کے کوچ میں کوئی مقابلہ پر نہ آیا۔
بالعموم چپ چاپ مطیع ہو گئے اور بابر نے جس قدر خراج طلب کیا۔ ادا کر دیا
بر نے خیال کیا کہ پنجاب میرا ذاتی ملک ہے۔ کیونکہ اس کے بزرگ اعلیٰ تیمور نے فتح کیا تھا
نکہ ہند کے فتح کرنے کی ہمیشہ تمنا رہتی تھی اور یہ قلمرو جہاں اب میں تھا ترک کے قبضہ
ں مدت مدید سے تھا۔ میں نے اُن کو اپنے ہی مقبوضات سمجھا اور صلح او جنگ سے
ن پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس وجہ سے واجب اور لازم تھا کہ رعیت سے
ں سلوک کرتا۔ اس لئے میں نے احکام جاری کر دیئے کہ کوئی رعیت سے سوئی اور
ھاگے تک لینے یا اُن کے مویشیوں کے گلے یا غول چھیننے کا روادار نہ ہو۔ بابر چاہتا
ا کہ اُس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ آئندہ کہتا ہے جب مجھے معلوم
وا کہ فوجیوں نے باشندوں کے ساتھ سختیاں اور ظلم کئے ہیں۔ میں نے ایک رجمنٹ
روانہ کی اور جب انھوں نے چند سپاہیوں کو پکڑ لیا جو زیادتیوں کے مرتکب تھے تو
یں نے بعضوں کو موت کی سزا دی۔ کیونکہ میں ترکوں کے مقبوضات کو اپنے مقبوضات
سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دی۔ ان مقبوضات پر دعویٰ

قائم کرنے کے لئے بابر نے دہلی کے سلطان کے پاس سفیر روانہ کیا اور خود نتیجہ تحریر کرتا
لوگ ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر سفیروں کو دوستانہ اور امن کے طریقہ سے ان ملکوں میں جن
کو ترکوں نے دست تصرف میں کر رکھا ہے، بھیجا جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس
میں نے جلد ملا مرشد کو سلطان ابراہیم کے پاس بھیجا جس کا باپ سلطان سکند
پانچ چھ ماہ بیشتر انتقال کر گیا تھا اور جو سلطنت ہند پر اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا تھ
اور اس کو سفیر کا نام و خطاب دیکر اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ وہ ممالک جو قدیم سے ترکوں
کی ملکیت ہیں مجھے دیدیئے جائیں۔ سلطان ابراہیم کے مراسلات کے علاوہ میں نے
ملا مرشد کے ساتھ دولت خاں حاکم لاہور کو بھی مراسلات دیکر اور اس کو زبانی ہدایات
دیکر اس رسالت پر روانہ کیا۔ ہندوستان کے لوگ بالخصوص افغان عجیب احمق اور نا سمجھ
ہیں اور ذرا بھی دور اندیشی اور سمجھ نہیں رکھتے۔ نہ تو مستقل رہتے ہیں اور نہ جنگ کا
نبھا سکتے ہیں۔ نہ وہ دوستی اور رفاقت میں برقرار رہ سکتے ہیں۔ دولت خاں نے اس
میرے فرستادہ کو لاہور میں کچھ عرصہ تک مقیم رکھا۔ نہ خود ملاقات کی نہ اسے سلطان
ابراہیم کی طرف جانے دیا۔ چنانچہ پانچ ماہ کے بعد وہ کابل بغیر جواب لئے آیا۔

اس عرصہ میں بابر نے شمالی پنجاب کے بہت سے حصہ میں اپنی فتوحات بڑھالیں اور ان پنے منتخ
پر گورنر مقرر کئے لیکن ان کی حکومت بہت دیر تک نہ رہی کیونکہ جونہی بابر نے ملک چھوڑا
ان کا خاتمہ ہو گیا۔ کابل کی واپسی میں اُسے نمک کی پہاڑیوں کے گکھروں کی سرکوبی کے
لئے ٹھیرنا پڑا۔ بابر سے رپورٹ کی گئی کہ گکھروں کا سردار بہت سے ظلم و ستم کا گنہگار رہا
اور باشندوں پر نہایت جبر کرتا ہے اس لئے اس کی بیخ کنی لازمی ہو گئی یا اس کو
تمثیلی سزا دینی واجب ہو گئی۔ اس لئے بابر نے گکھروں کے دارالخلافہ کی طرف کوچ کی

جس کو پرغلہ نامی قلعہ کہتے تھے۔ اس پر حملہ دشوار امر تھا۔ کیونکہ وہاں صرف دو تنگ راستوں کے ذریعہ جا سکتے تھے۔ وہاں داخل ہونے سے پیشتر بابر کو سخت جنگ کرنی پڑی۔ تب گکھڑوں کے سردار نے متابعت کی اور آئندہ نیک چلنی کا اقرار کیا۔ بابر پھر کابل چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مہم کوئی چھ ہفتہ رہی۔ اس حملہ کا کوئی دیرپا اثر نہ ہوا۔ بابر کو بڑا فائدہ اوپر کا ہوا جو اُس نے لوگوں سے بطور خراج لیا تھا۔ اگلے کئی سال تک بابر اپنے ملک میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ ہند کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنی حالت مضبوط کرتا رہا۔ اور پختہ کر کے جب اُس نے ہند پر حملہ کیا تو اسے اپنی غیر حاضری کے ایام میں تکلیف کا کوئی خدشہ نہ رہا۔ تاہم ہند میں اس زمانہ میں بڑی ابتری تھی۔ لودھی خاندان دہلی میں حکمراں تھا۔ باہمی خانہ جنگی میں مصروف تھا۔ دولت خاں گورنر پنجاب سرکش ہو گیا تھا۔ جنوب کی طرف جنگجو راجپوت دہلی کے سلطان سے خودمختار ہو گئے تھے۔ جس ملک میں اس طرح پھوٹ ہو وہ اغلباً ضرور حملے کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی ثابت ہوا۔ بابر کے حملے کا اصلی باعث ایک لودھی شہزادہ کی جانب سے امداد کے لئے اپیل تھا۔ یہ شہزادہ علاء الدین ابراہیم کا چچا سلطان ابراہیم تھا جو کابل آیا اور بابر سے تخت دہلی کے حاصل کرنے میں امداد کا خواہاں ہوا۔ ساتھ ہی دولت خاں نے بابر کو پنجاب میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ بابر نے فوراً دعوت منظور کر لی اور فوج جرار کے ساتھ جس سے زیادہ پہلے کسی حملہ میں نہ تھی پنجاب کو روانہ ہوا اُس نے جلدی لاہور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دولت خاں کی بداخلاقی کی وجہ سے جس نے بابر سے اب اعتمادی تعلق قطع کر دیا تھا۔ بابر کی تجاویز کو درہم برہم کر دیا اور وہ بابر سے بالکل کنارہ کش ہو گیا اور اس کے خلاف فوج جمع کرنی شروع کی۔ اس لئے بابر کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ

زیادہ فوج بھرتی کرے۔ اس لئے لودھی مددگار کو پنجاب میں حاکم بنا کر کابل کو لوٹ گیا اب بابر نے آخری حملے کے لئے اپنی فوج جمع کی یہ بارہ ہزار جوان تھے جو ہند جیسے عظیم الشان ملک کے فتح کرنے کی غرض سے بڑی فوج نہ تھی۔ درحقیقت بابر کے بعض سپاہی کامیابی کے موقعہ کی بابت بہت سخت غلط بیانی کرتے تھے۔ لیکن اس کی ہنرمندی اور شجاعت نے تمام مشکلات پر غلبہ کرلیا۔ ۱۷ر نومبر ۱۵۲۵ء بروز جمعہ ہند کی طرف روانہ ہوا۔ اولاً بابر کو دولت خاں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ عام خبر یہ تھی کہ اُس نے تیس یا چالیس ہزار فوج جمع کرلی ہے۔ وہ ضعیف العمر تھا اس لئے جونہی بابر دریائے راوی پر پہونچا دولت خاں اور اس کی فوج پریشان دل ہوکر بھاگ گئی۔ بابر نے اور کچھ آدمی دولت خاں کے تعاقب میں روانہ کئے۔ تب وہ مطیع ہونے کے لئے تیار ہوگیا اُس نے ایک قدیم افسر کو اپنے حضور میں لانے کے لئے اس ضعیف العمر کے پاس بھیجا۔ بابر کہتا ہے: پیر فرتوت کی حماقت اور گستاخی ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے اس کو ہدایت کی کہ وہ اس امر کی احتیاط کرے کہ دولت خاں وہی دونوں تلواریں اپنی گردن میں ڈالکر حاضر خدمت ہو جو اُس نے میرے ساتھ مقابلہ کے لئے اپنی کمر میں باندھی تھیں۔ جب معاملہ نے اس حد تک طول کھینچا تو اُس نے پھر دیر کرنے کے لئے بیہودہ عذرات بنائے۔ لیکن وہ آخرکار میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے دونوں تلواروں کو اتار دیں اور میں نے اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے حکم دیا۔ بابر نے پھر اُس کی دھوکہ بازی پر سخت لعنت ملامت کی۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا گناہ کیا تھا کہ تم میرے سامنے اس طرز سے پیش ہوئے ہو۔ آخرکار بابر نے اس کو جانے کی اجازت دیدی اور یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اور اس کا خاندان قوموں پر کل اختیار رکھیں اور ان کے دیہات

کے مقبوضات بلکہ باقی کل اثاثہ بھی ضبط کر لیا جائے۔ بابر کی فیاضی کی یہ ایک
زرمثال ہے جو اس نے اپنے مفتوحہ دشمن پر ظاہر کی۔ بابر اب دہلی کی طرف بڑھا
چونکہ اس کی فوج سلطان ابراہیم کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی
فوج سے پورا فائدہ اٹھانے کا کمال انتظام کیا۔ بابر کہتا ہے۔ میں نے ہدایت کی کہ توپوں کی
گاڑیاں بیلوں کی مروڑ دار کھالوں کے ساتھ زنجیر کی طرح جوڑی جائیں ہر ایک
دو توپ گاڑیوں کے درمیان چھ یا سات لوہے کے تڑے تھے۔ گولہ انداز ان توپ
گاڑیوں یا لوہے کے تو ے کے عقب میں کھڑے تھے اور گولہ اندازی کرتے تھے۔ میں
پانچ چھ روز تک ان تیاریوں کو مکمل کرنے کی غرض سے قیام پذیر رہا۔ تب اپنے فوجی
افسروں کی صلاح کے بعد وہ پانی پت کی طرف بڑھا جو دہلی سے چند میل ہے۔ یہ
ضلع ہند کی تاریخ میں کئی مشہور جنگوں کا منظر رہا ہے۔ کیونکہ یہ قدرتی جگہ ہے جہاں سے
شمالی حملے کا بہترین مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہفتہ کے التوا کے بعد ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء
میں جنگ ہوئی بابر کے مقابلہ میں۔ سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج سے زیادہ
رکھتا تھا۔ گویا دس گنا۔

بابر کہتا ہے کہ میری بہت سی فوج خوف و ہراس میں تھی اگرچہ میں ان کو
بہت الزام نہیں دے سکتا اس کی کچھ وجہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے ملک سے دور نہیں
مہینے کے سفر کر کے آئے تھے اور ہمیں ایک عجیب قوم کے ساتھ جنگ کرنی پڑگئی جن کی زبان
ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو ہماری زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ بابر نے اپنے مخالفین کی
طرف بہت دھیان نہ دیا۔ وہ ناتجربہ کار جوان آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام حرکات
میں غفلت کی۔ وہ بغیر انتظام کے روانہ ہو گیا۔ ٹھہرنے اور روانگی کے انتظام

اور دور اندیشی کئے بغیر جنگ چھیڑ لی۔ دہلی کی فوج صبح کو جنگ آرا ہوئی اور دوپہرسے پیشتر بکیس بھگیڑوں کی طرح تتر بتر ہوگئی۔ اپنی فوج کا پورے طور سے انتظام کر کے بابر نے چاروں طرف سے اپنے دشمن کو گھیر لیا۔ جمع ہو کر ان کی کثیر فوج فائدے کی نسبت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ بابر کے سخت جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ میں وہ بھیڑیوں کے گروہ کے سامنے بھیڑوں کی طرح پریشان ہو گئے۔ بابر کہتا ہے "جب جنگ کا آغاز ہوا سورج صرف ایک نیزہ ہی بلند ہوا تھا۔ لڑائی دوپہر تک رہی لیکن دشمن بالکل ہار گیا بھاگ گیا۔ اور میرے دوست فتحمند ہوئے اور خوشی کے مارے اپنے بدن میں نہ سمائے خداوند عالم کے رحم و فضل سے یہ سخت مہم میرے لئے آسان ہوگئی اور یہ عظیم الشان فوج آدھے دن کے عرصہ میں زیر ہوگئی۔ ہم نے شمار کیا کہ مقتولین کی تعداد میدان جنگ کے مختلف حصّوں میں پندرہ سولہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دشمن کے فرار ہونے کے بعد ہم نے تعاقب جاری رکھا قتل کیا اور قید کیا۔ سلطان ابراہیم میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور اس کا سر بابر کے روبرو لایا گیا اس طرح پانی پت کی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

بابر پانی پت کی فتوحات کے بعد دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے افسروں میں سے ایک کو شہر کا چارج دیکر آگے بڑھا۔ تب اُس نے بہت سی دلچسپ عمارتوں اور یادگاروں کی سیر کی جو دہلی کے گرد و نواح میں ملتی ہیں۔ وہ آگرہ گیا اور سلطان ابراہیم کے محل میں قیام کیا۔ اب بابر کی فوج ہند کی گرمی سے جس کی وہ عادی نہ تھی بہت تنگ آگئی۔ بہت سے سرسام سے مر گئے۔ اس وجہ سے بہت سے سرداروں اور امرائے جی چھوڑ دیا۔ اور ہند میں رہنے سے معترض ہوئے۔ اور

اپنے لوٹنے کی تیاری کی۔ بابر کہتا ہے: "جب میں نے فوج میں یہ شکایت سُنی تو اپنے سرداروں
کی کونسل کی۔ میں نے اُن سے کہا کہ خدا کے فضل سے میں نے اپنے عظیم الشان
دشمن کو پسپا کیا اور بہت سے صوبوں اور سلطنتوں کو فتح کیا جو اب ہمارے دست
نصرت میں ہیں۔ اور اب ہم کو کونسا امر مجبور کرتا ہے اور کونسی سختی جھیلنی پڑی ہے کہ بغیر
کسی سبب کے ہم اپنی فتوحات کو چھوڑ دیں اور کابل کی طرف بلا اُمید کے شانوں کے
چلے جائیں اس لئے جو شخص میری دوستی کا دم بھرتا ہے ایسی تجویز کو ترک کر دے
لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو نہیں ٹھیر سکتا اور واپسی کے ارادہ کو
ترک نہیں کر سکتا وہ چلا جائے۔ ان الفاظ کا حسب منشا اثر ہوا اور بابر کے
آدمیوں نے ہند میں ٹھیرنے کے لئے اقرار کیا لیکن اس کی حالت نہایت دشوار
تھی۔ اُس نے دراصل دہلی کی سلطنت فتح کی لیکن ابھی تک ہند میں اور بھی طاقتور
حکمراں تھے۔ اور اب وہ بابر کے خلاف معرکہ آرائی کرنے لگے۔ منجملہ ان کے نہایت
طاقتور اودے پور کا مشہور راجا سنگرام سنگھ تھا اور وہ سلطان ابراہیم کی طرح کوئی
ناتجربہ کار اور کم فہم نہ تھا۔ وہ پیرانہ سال جنگجو تھا جس نے بہت سی جنگیں کی تھیں
اور جو اپنے بدن پر سخت جنگوں کے نشانات رکھتا تھا۔ ذلاور راجپوت اس کے
جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ بابر نے اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے نہایت غور
سے تیاری کی۔ اس موقعہ پر اُس نے عہد کیا کہ میں شراب خوری کی بُری عادت کو
ترک کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہوں جس میں وہ چند سال سے مستغرق تھا۔ اُس نے
سونے اور چاندی کے پیالوں کو معہ دیگر ظروف کے جن کو شراب کی انجمن میں استعمال
کرتا تھا توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور شراب کا استعمال ترک کر دیا۔ جوں جوں ایام جنگ

نزدیک آنے لگے ۔ بابر کے لوگ خوف وہراس کی علامت ظاہر کرنے لگے ۔ وہ چند
آدمی تھے وہ اپنے ملک سے دور تھے ۔ اُن کو معلوم تھا کہ راجپوتوں کی جرار فوج کے سامنے
فتحمند ہونا ناممکن ہے ۔ بابر نے ان سے حوصلہ افزائی کے الفاظ کہنے شروع کئے ۔ وہ کہتا ہے
میں نے کل افسروں اور عمائد کی کونسل بلائی اور اُن سے مخاطب ہوا ۔ شرفاء اور
سپاہی ہر ایک آدمی جو اس دنیا میں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے بدنامی کی زندگی
رہنے کی نسبت ناموری موت کس قدر بہتر ہے اس لئے ہم ایک رائے ہو کر خدا کی
قسم کھائیں کہ ہم میں سے کوئی اس جنگ سے منہ موڑنے کا خیال نہ کریگا ۔ اور نہ
میدان جنگ سے پیٹھ دکھائے گا جب تک اس کے بدن میں دم ہے ۔ ان الفاظ
نے فوج میں حوصلہ پیدا کر دیا ۔ سب نے قرآن کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بادشاہ کا ساتھ
اخیر دم تک دیں گے ۔ ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو دونوں فوجوں میں کنوا کے مقام پر جو
آگرہ سے دور نہیں تھا مقابلہ ہوا ۔ ایک دفعہ اور بابر کی جنگی ہنرمندی اور اُس کے
آدمیوں کی شجاعت نے فتح کا دن دیکھا ۔ اُس نے بڑی فتح پائی اور راجپوت فوج
تباہ ہو گئی ۔ رانا سنگرام سنگھ جان لیکر بھاگا ۔ لیکن وہ بابر کا پھر مقابلہ نہ کر سکا جنگ
میں راجپوتوں کو شکست دیکر بابر نے راجپوتانہ میں بڑھنے اور اُن کو مزید سزا دینے
کا ارادہ کیا ۔ اس لئے وہ ملک میں بڑھا ۔ اور چندیری کے مضبوط قلعہ پر حملہ آور ہوا
اور فوراً قلعہ کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا ۔ تب راجپوتوں نے اُس پر جان توڑ حملہ
کیا ۔ بابر کہتا ہے تھوڑے عرصہ میں راجپوت ہم پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے اور میرے بے شمار
آدمیوں کو بھگا دیا اور فصیل سے کود پڑے ۔ ہماری بعض فوجوں پر سختی سے حملہ ہوا
اور تہ تیغ کیا ان کے جان توڑ حملہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ میدان میں ہارنے کی

اُمید کر کے اُنھوں نے اپنے بیوی اور بچوں کو قتل کر دیا اور خود تباہ ہونے کا خیال کر کے جنگ کے لئے نکل آئے تھے۔ وہ دو سو تین سو آدمی اپنے افسر کے مکان میں داخل ہو گئے جہاں بیشمار آدمیوں کو مفصلہ ذیل طریق سے قتل کیا۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی اور پھر ایک ایک کر کے جمع ہوئے اور اپنی گردن قتل کی خواہش میں دراز کر دی۔

اس فتح کے بعد بابر بہار کی طرف بڑھا۔ جہاں کچھ افغان افسر سرکش ہو گئے۔ دشمن تک پہونچنے کے لئے دریائے گنگا پر پُل باندھنا ضروری تھا۔ چند کشتیوں کو جوڑ کر پُل باندھا گیا۔ فوج کا ایک حصّہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے پُل پر سے بھیجدیا۔ جنگ عصر کی نماز تک خوب ہوتی رہی۔ تب بابر نے کسی عجیب وجہ پر اپنی فوج کو واپس ہٹا لیا۔ بابر کہتا ہے اگر اسی سنیچر کی شام کو بقیہ ماندہ فوج دوسری بار لے جاتا اغلب تھا کہ بہت سے دشمن میرے آدمیوں کے ہاتھ آجاتے۔ لیکن میرے دماغ میں یہ آیا کہ اگلے سال میں نئے سال کے دن رانا سنگرام سنگھ کو اگر ہم اتوار کے روز شکست دیں تو نہایت مشہور واقعہ ہوگا۔ اس واسطے میں نے اپنی فوج کا کوچ نہ کیا۔ جب اس نے کوچ کیا تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ دشمن بہت جنگ کر چکا تھا اور سب معدوم ہو گئے۔ بابر آگرے کو واپس آنے کے لئے آزاد ہو گیا اور اس قدر سخت مصائب اور کوچ کے بعد اُسے آرام کا قدرے موقعہ دستیاب ہوا۔

تمام جنگوں کے بعد اب بابر کو ذرا فرصت ملی اور ریاض کے نلئے بہتر ہوا اس کی صحت ہند کی آب وہوا کی وجہ سے متاثر ہونی شروع ہو گئی تھی اور بخاروں کے حملوں سے اُس نے بہت تکلیف اُٹھائی لیکن اس میں اب بھی بہت طاقت تھی۔ دریائے گنگا میں لمبی ترائی اور دوڑ دھوپ کی سواری جو معمولی آدمی کو تھکا مارتیں اس کی روزانہ زندگی

کے کام تھے۔

قیام آگرہ اب وہ آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوا۔ جہاں اُس نے بڑی شان سے دربار کیا تھا۔ ہندوستان کے زماں روا کو بہت سے اصحاب آداب بجالانے کے لئے آتے تھے۔ اُن کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جاتا اور خلعت عطا ہوتے۔ بابر نے اپنے قدیم سپاہیوں کو فراموش نہ کیا۔ اُس کے وفادار ہمراہی جو اُس کے وطن سے ساتھ آئے تھے اور جن کی امداد سے اُسے تخت نصیب ہوا تھا اُن کو بڑے بڑے تحائف اور جاگیریں عطا ہوئیں۔

کل مغل شہنشاہوں کی طرح بابر کو عمارتوں اور باغات بنانے کا شوق تھا۔ نئی عمارتوں اور باغات سے آگرہ کو خوبصورت بنانے میں ہمہ تن مصروف ہوا۔ باغوں کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی اور فوارے افراط سے مہیا تھے۔ ٹھنڈے پانی اور خوبصورت پھولوں میں شہنشاہ اور اُس کے درباری بیٹھ کر ہند کی گرمی کو بھول جاتے۔ یہ صلح و امن کا زمانہ دیگر جنگ و جدل سے جلد مخل ہو گیا۔ بہار کے افغانوں نے سرکشی اختیار کی اور بابر کو اُن کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اُس نے ان کو شکست دی۔ لیکن ازاں بعد بنگال کی سلطنت کے ساتھ جنگ میں پھنس گیا۔ آجتک بابر اور بنگال کی سلطنت کے درمیان دوستی تھی۔ لیکن اب موخر الذکر نے دریائے گنگا تک اپنی فوجوں کو متحرک کیا اور عین بابر کی راہ میں حائل ہو گئی اور غالباً وہ بہار کے سرکشوں کی معاونت کرتی معلوم ہوتی تھی بابر کے ساتھ بنگال کا سفیر تھا اور شہنشاہ معاملات کا فیصلہ صلح سے کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے سفیر سے کہا اگر اس کا آقا اصل صلح اور دوستی کا منشا رکھتا ہے تو اُسے اس کے ظاہر کر دینے میں کوئی دقت نہیں اور وہ

فی الفور کردیگا۔

جواب باصواب نل کر بابر نے اُسے بنگال واپس کردیا۔ ساتھ ہی اس کو یہ بھی مطلع کردیا کہ میں اپنی مرضی کا پابند ہوں خواہ آگے جاؤں خواہ واپس ہوں۔ سرکشوں کو دبانے کی غرض سے جو نہایت مناسب ہوگا کروں گا خواہ وہ کسی جگہ ہوں لیکن اُس کے آقا کی سلطنت خشکی یا تری سے کسی جگہ نقصان پذیر نہ ہوگی۔ لیکن بابر نے بنگال کی فوجوں کو اس کے راہ سے ہٹنے اور سرکنے کے لئے اصرار کیا اور سفیر کو اپنے مالک کو ذیل کا پیغام دینے کے لئے ہدایت فرمائی۔ اگر وہ راستہ کو کھلا چھوڑنے سے انکار کریگا اور اس کی فہمائش کے سننے سے غفلت کریگا جو کہ اُس نے کی ہیں تو جو کچھ عذاب اس کے سر پر پڑے گا اُسے اپنے افعال کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ اور جو کچھ ناگوار واقعات پیش آئیں اُن کے لئے خود کو ہی الزام دینا ہوگا۔ چونکہ بنگال کی فوجیں راہ میں حائل رہیں، بابر نے جنگ کا ارادہ کرلیا۔ اُس نے اپنی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جنھوں نے دریائے گنگا عبور کیا اور بنگالیوں کو شکست فاش دی۔ اور صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ بعدازاں بابر آگرے کو فتح کے نشان اُڑاتا ہوا لوٹا۔ اور باقیماندہ ایام میں اُس کے دشمنوں نے اُس کو تکلیف نہ دی۔

بابر کی زندگی کی کہانی بنگال کی فوج پر فتوحات کے حالات سے ختم ہوجاتی ہے اس کے باقی ماندہ سالوں کی چند پریشان باتیں ہیں اور بس۔ باقی باتیں اس کے خاندان کے متعلق ہیں جن کا اب تک بہت کم ذکر کیا ہے۔ بابر کے چار بیٹے تھے ہمایوں، کامران۔ ہندال اور عسکری۔ اُن میں سے ہمایوں سب سے بڑا اُس کا عزیز بیٹا تھا۔ اس کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ دشمنوں سے آزاد ونشی اور عفو کن ہونے کے علاوہ

بابر اپنے خاندان کے ساتھ بھی رفاقت رکھتا تھا۔ اس کے بہت سے رشتہ دار تھے اور بابر ان میں سے بہت سے رشتہ داروں کو ہند میں اپنے ہمراہ لایا جہاں اُن کے ساتھ فیاضی کا سلوک کیا اور اُن کو محلات اور خزانہ عطا کیا۔ اس کی عزیز بیوی جس کو وہ (چاندبی بی) کہتا تھا۔ بڑی پیاری تھی اور اُس کے ساتھ اُلفت سے پیش آتا تھا۔ القصہ بابر نہایت نیک باپ اور وفادار خاوند تھا۔ اگرچہ شہنشاہ ہند میں مقیم ہوگیا تھا مگر وہ اپنے وطن اور کابل کی اپنی پُرانی سلطنت کو نہ بھولا۔ جس کو اُس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو حکمرانی کے لئے دی تھی۔ بابر اپنے قدیم مقبوضات کی خبریں سُننے کے لئے ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور درحقیقت اُن کو جانے کی آرزو رکھتا تھا۔ اگر اُس کو زندگی موقع دیتی تو ہندوستان کے حالات کسی قدر زیر اہتمام ہو چکے ہوتے وہ کہتا ہے "اور مجھے خداتعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وقت نزدیک ہے جب اُس کے فضل سے ہر ایک معاملہ بالکل درست ہو جائے گا۔ جونہی یہ ہو جائے گا وہ ان ممالک کی خوشیوں کو کس طرح دل سے بھلا دیتا کس طرح میرے جیسا شخص جس نے پرہیزگاری اور نیک زندگی کی قسم کھائی وہ اس خوش علاقے کے لذیذ انگوروں اور سردوں کو بھول سکتا ہے۔ ایک دن کوئی شخص اُس کے پاس سردوں کا تحفہ لایا۔ جب میں نے اس کو تراشا میرے دل میں وطن کی تمنا بڑے زور سے اُٹھی اور وطن سے جلاوطنی کا احساس موجزن ہوا۔ اور میں زار زار رونے کے سوا کچھ نہ کرسکا۔ بابر نے اس طرح اپنے قدیم دوست کو لکھا اور صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ وہ ہند کے بڑے حصہ کا شہنشاہ تھا مگر ابھی تک وہ خود کو جلاوطن سمجھتا تھا۔ دراصل ہند کے بڑے نقطۂ نگاہ سے بابر۔ اس کا بیٹا اور جانشین ہمایوں غیر ملک کے فرمانروا سمجھے جاتے ہیں۔

ہمایوں بابر کا سب سے بڑا بیٹا شمال میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ بابر کی زندگی کے اخیر سالوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنی سلطنت شمال میں اور وسیع کرے اور شہر سمرقند کو پھر دست تصرف میں لے آئے بابر کو اس بات کا بڑا شوق تھا لیکن تجویز ناکارہ ہوئی۔ بعدازاں ہمایوں ہند کو اپنے باپ سے ملنے کی خاطر لوٹا۔ اس کے لوٹنے سے تھوڑے ہی دنوں بعد اُسے بخار چڑھ آیا اور ایسا نازک حال ہو گیا کہ حکیموں کو اُمید زیست نہ رہی جوان شاہزادہ کی جان بخشی بڑی قربانی پر منحصر تھی۔ بابر کو اپنا بیٹا بڑا پیارا تھا اور جب اس سے یہ بات کہی گئی تو اُس نے سب سے بڑی قربانی کا ارادہ کر لیا۔ یعنی اپنی جان تصدق کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بیٹے کے پلنگ کے گرد گیا اس کے چاروں طرف تین مرتبہ طواف کیا اور بکمال سنجیدگی سے دعا مانگی کہ بیماری بیٹے کے بجائے اس کو لگ جائے۔ باپ کی دعا قبول ہوئی اور ہمایوں بحال ہو گیا لیکن بابر نے اپنی جان بیٹے کی صحت یابی کی قیمت میں ادا کی وہ کچھ عرصہ سے اچھا نہ رہتا تھا ہند کی آب و ہوا ظاہراً اس کے موافق نہ آئی۔ کیونکہ اس کی یادگاروں میں اکثر وہ بخار کی شکایت کرتا رہا۔ اب اس کی صحت جاتی رہی۔

ہمایوں کی جانشینی

بڑے بڑے آدمیوں کو بلا کر قریب المرگ شہنشاہ نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ اور ان کو اس کے ساتھ وفاداری کے لئے عہد کرنے پر مجبور کیا۔

وفات

۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۹۳۷ھ کو بابر اڑتالیس برس کی عمر میں آگرے میں جاں بحق ہو گیا۔ ہمایوں گیارہ برس کی

عمر میں باپ کے تخت پر متمکن ہوا اور اُسے ایک لحظے کی فرصت نہ ملی۔ بہت تھوڑے آدمیوں کو اتنی خوردسالی میں اس قدر مصائب کا زمانہ جھیلنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کابل لے گئے اور باغ نورافشاں میں مدفون کیا جس سے اسے بہت انس تھا

سیرت بابر تمام مغل بادشاہوں میں نہایت نمایاں شخصیت رکھتا ہے زیادہ تر اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اُس کے صاف صاف حالات اُس کی اپنی کتاب سے ملتے ہیں۔ دوسرے مغل بادشاہوں کے عہدِ حکومت کے واقعات موجود ہیں لیکن ان میں قدرتاً ذاتی خیالات کی کمی ہے۔ بابر ہر ایک معاملہ میں اپنے لفظوں کی بابت بھی نہایت آزاد ہے اگر وہ بہت شراب پیتا ہے تو اس کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر اُسے کوئی نیا پھول یا عجیب جانور مل جاتا ہے تو وہ اُس کا بیان توجہ سے لکھتا ہے اُس کی جنگی زندگی کو مدنظر رکھیں، وحشیانہ زندگی گذار کے خیال سے اس کی عملی قابلیت بہت بڑھی ہوئی تھی اور وہ صرف نثر کا مصنف نہ تھا۔ اُس نے نظم بھی لکھنے کی کوشش کی اور بہت سے نفیس شعر تصنیف کئے ہیں با اخلاق اور رحمدل تھا اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیتا تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا اور اپنے خاندان کے لوگوں پر مہربان تھا خاصکر عورتوں پر جن کے ساتھ وہ ہمیشہ عزت کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ وفادار شوہر اور محبت کرنے والا باپ تھا۔ ہمایوں کے بچانے میں اس کی ذاتی قربانی کا ثبوت ہے۔ مسٹر ایس۔ پول اس کے چال چلن اور وضع قطع کا تاریخ میں تخمینہ لگاتے ہوئے حسب ذیل لکھتا ہے۔

"وہ خوش نصیب سپاہی تھا اور نہ کہ سلطنت کا بانی۔ تاہم اُس نے اس شاندار محل کی بنیاد ڈالی تھی جس کو اُس کے پوتے اکبر نے پہلے پہل پورا کیا۔ تواریخ میں اس کی جگہ اس کی ہندستانی فتوحات پر قائم ہے جس نے ایک شاہی قطار کے لئے راستہ کھول دیا۔ لیکن اس کی تواریخی اور عملی قابلیت زیادہ تر اُس کے شروع زمانہ کی دلیرانہ مہمات اور ثابت قدمی کی کوششوں اور خوش طبع یادداشت سے سمجھ میں آئی ہے جس میں اُن کو اس نے بیان کیا ہے۔"

حلیہ

بابر قوی الجثہ اور اوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کی شکل خوش وضع تھی اور عموماً وہ حلیم و بامروت تھا۔ وہ نہایت جسمانی قوت اور برداشت رکھتا تھا وہ مورچوں پر دو آدمیوں کو ایک ایک بغل میں مار کر لے جاتا تھا۔ وہ دلیر شہسوار اور عمدہ پیراک تھا۔ وہ اکثر اپنی تزک میں موخرالذکر ورزش کے اشتیاق کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بابوں میں درج ہو چکا ہے۔ وہ شراب نوشی کا عادی تھا اس کو نہیں چھپاتا اور اپنے دوستوں کی مجلس میں شراب نوشی کے دور کا اکثر ذکر کرتا ہے لیکن جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں بدعادات کو چھوڑنے کی بھی قوت ارادی تھی بہرصورت وہ اچھی صحت رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کا آخری حصہ تھا کہ ہند کی آب و ہوا اور نہایت سخت محنت نے اس کی صحت کو کمزور کر دیا۔ اور بخار کے حملوں کا سزاوار کر دیا۔ اس کی وجہ سے اُس نے افیون شروع کر دی۔

مذہب

مذہبی خیالات کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے اگرچہ وہ پکا حنفی تھا لیکن وہ معقول پرستش کو فراموش نہ کرتا تھا بسوم

وصلوٰۃ کا پابند تھا جو کہ اللہ اکبر کہنے والے کو واجب ہے نہ ان قوانین اور رسومات سے متنفر تھا جو کہ کمال حکمت عملی پر مبنی ہیں جو کہ بیرونی محققین کے معاد کے لئے ہیں۔ اس کی علمی قابلیت بڑی تھی۔ تزک بابری خود اس امر کی شاہد ہے۔ ترکی زبان میں نہایت فصیح کلام اس کا ہے۔ مولف تاریخ رشیدی کہتا ہے۔ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد بابر کے مرتبہ کا کوئی ترکی شاعر نہ تھا۔ لیکن بابر فارسی کا عالم بھی تھا۔

در علم موسیقی و انشاء او ملا نظیر نہ داشت [۱]

بابر کم لیاقت کا مصنف نہ تھا۔ ہر دو نظم میں اس کی تحریر درجہ کمال تک پہنچ گئی اکبر نامہ میں ہے۔

آں حضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود۔ خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی آں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شد و مضامین تازہ دراں مندرج است [۲]

مسٹر لین پول فرماتے ہیں چونکہ وہ صاحب نصیب سپاہی تھا لیکن اس کا علمی مذاق اور نکتہ خیالی کم درجہ کی نہ تھی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسے علمی مذاق کے شخص کو دوسرے مصنفوں کی مجلس پسند ہو۔ اس کا دربار عالموں سے بھرا ہوتا تھا جو کہ تمام حصص سے آئے تھے۔ درحقیقت وہ مجلس جس کے ساتھ بابر گھرا رہتا تھا بہت سی صورت میں اس کے پوتے اکبر کی مجلس کے مشابہ تھی۔ علمی مذاق کے علاوہ بابر کو علم موسیقی سے بھی بڑا شوق تھا اس کے مذاق کے لئے اس کے خاندان

---

[۱] فرشتہ ج ۱ ص ۲۱۱ [۲] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸

کوئی شخص بعد ازاں معروف تھا۔ بابر اپنے ہمعصروں میں انصاف کے لئے
نہایت معروف تھا۔ چونکہ پاس عزت رکھتا تھا۔ اس کو عدہ خلافی سے زیادہ
کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی تھی۔ وہ قصور معاف کردیتا تھا۔ جو کچھ ملتا وہ کشادہ دلی
سے خیرات کردیتا۔ ہمیں دہلی کے خزانہ کی تقسیم کا حال یاد ہے اور ان بیشمار تحائف
کا حال معلوم ہے جو اُس نے کابل اور دیگر مقامات پر اپنے قدیم دوستوں کو بھیجے تاکہ
ان کو اس امر کا یقین ہو جائے۔ اُس کی فیاضی اور فراخدلی مغلوب دشمنوں کے
ساتھ نیک سلوک میں بھی ظاہر ہے۔ بار بار اس کے زمانہ کے درجہ کے خلاف
اپنے مغلوب دشمنوں کے ساتھ نہایت رحمدلی سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاندان
کے ساتھ اس کی اُلفت اور بیگمات کے ساتھ لحاظ داری کا ذکر ایک اور جگہ
کیا آیا ہے۔

مغل فرمانرواؤں میں بابر کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اگرچہ سب سے اعلیٰ ترین
نہیں۔ وہ سرکردہ تھا جس کی محنت کا پھل اوروں نے کھایا۔ اس کے مختصر عہد
حکومت میں بطور شہنشاہ کے اُسے اپنی نئی سلطنت کا انتظام کرنے اور فروغ دینے
کا موقعہ ملا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو وہ انتظام سلطنت کی قابلیت ضرور
ظاہر کرتا۔ جو اکبر سے کمتر نہ ہوتی۔

تصانیف بابر کی تصنیف تزک بابری جس سے اُس کے حالات ہم نے
اخذ کئے ہیں ایک دیوان ترکی جو شاہی کتب خانہ رام پور
میں موجود ہے ایک مثنوی "فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں
اس کا نام فقہ بابری بھی ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی کتاب والدیہ

حس کا ترکی منظوم ترجمہ بابر نے ۹۳۵ھ میں کیا۔

بابر نے رسائل عروض کے نام سے ترکی شاعری عروض پر ۹۲۳ھ میں ایک کتاب لکھی۔ فارسی میں بھی گاہے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے ہمچنیں

ہمچنیں بزبان فارسی اشعار دلپذیر دارند۔ ؎۱

شدہ جمع و بود جمع پریشاں

گرفتار توے ذوقے عجائب

تذکرہ مرآۃ الجمال میں بابر کی غزل منقول ہے۔

بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا تھا۔ اس خط میں کلام پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا۔

منتخب التواریخ میں ہے

واز جملۂ غرائب واختراعات آں شاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بداں خط نوشتہ و مکہ معظمہ فرستادہ ؎۲

بابر کے عہد کے علماء

شیخ الاسلام سیف الدین احمد نبیرہ ملا سعد الدین تفتازانی شیخ حسن متکلم میر جمال الدین محدث عطاء اللہ مشہدی شیخ زین الدین جو صدر کے عہدہ پر فائز تھے واقعات بابری کا فارسی ترجمہ اُن کا مشہور ہے۔ اکبر آباد میں ۹۴۰ھ میں فوت ہوئے

؎۱ اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸ ؎۲ منتخب ج ۱ ص ۳۴۳ ایضاً ۴۷۱

مولانا شہاب الدین معمائی متوفی سنہ ۹۴۲ھ شعراء میں شیخ ابوالواحد فارغی۔ سلطان محمد کوسہ سرخ ،وداعی شیخ جمالی کہنہ مشق تھے۔

اطبا میں میر ابوالبقا۔ مولانا یوسفی۔ خواجہ نظام الدین علی خلفہ اپنے علم کے لئے مشہور تھے۔

یہ تمام ارباب کمال بابر کی علم نوازی کی بدولت خراسان اور ہرات سے آگرہ آگئے۔

کتب خانہ۔ بابر سفر و حضر دونوں میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا۔[۵۲]

---

[۵۱] صبح گلشن ص ۵۹۶ [۵۲] تزک بابری اردو ص ۳۲۶

نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ

بابر کے بڑے بیٹے ہمایوں کی عمر اس وقت ۲۳ سال کی تھی کہ باپ کے بجائے
۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بابر کے زمانہ میں اکثر جنگوں میں شریک
ہوا تھا انتظام سلطنت سے واقف تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا مگر اس کو ناکامی
منہ اکثر دیکھنا پڑا۔ بابر نے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی تھی
چنانچہ اس نے بھائیوں کو بڑی جاگیریں اور عہدے دیئے۔ مرزا کامران کو کابل
قندھار عطا کئے عسکری کے حصہ میں سنبھل آیا اور الور مرزا ہندال کو دیا گیا۔

افغانوں کی طاقت پورے طور سے ختم نہیں ہوئی تھی مغلوں سے
حکومت واپس لینے کے متمنی تھے۔ ہمایوں کا مخالف گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ
تھا۔ اس نے سلطنت بہت بڑھائی تھی اور راجپوتانہ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ اد
ہمایوں کا خزانہ خالی تھا اور فوج بھی کم تھی۔ ہمایوں کو جونپور کے قریب چند
افغان سرداروں کی بغاوت فرو کرنی پڑی پھر کالنجر فتح کرکے بہار کی طرف گیا
شیر خاں نے اطاعت قبول کرلی۔ پھر گجرات کا بادشاہ جو طاقتور تھا اس کے
پاس ہمایوں کے درباری امرا چلے گئے تھے اور مشورہ دے رہا تھا کہ مغلوں سے حکومت
لے لی جائے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا اور مندسور آیا ہمایوں شیر خاں
صلح کرکے گجرات کی طرف روانہ ہوا بہادر شاہ سے مقابلہ ہوا بہادر شا

لست کھاکر مانڈو پہونچا ہمایوں نے پیچھا کیا۔ پرتگیزوں کے پاس ڈیو چلا گیا
۱۵۳۷ء میں سمندر میں گر کر مرگیا۔ مغل گجرات پر قابض ہو گئے مرزا عسکری
ہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ ہمایوں نے چمپانیر کا قلعہ فتح کرنا چاہا اور بڑی بہادری کا
وت دیا۔ مگر گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ مرزا عسکری احمد آباد چھوڑ کر آگرہ چلا آیا
ں زمانہ تھا کہ فرید خاں شیر شاہ بن چکا تھا۔

شیر شاہ سوری

شیر خاں کا اصلی نام فرید تھا۔ میاں حسن جاگیردار سہسرام کا بڑا لڑکا تھا
۱۵۱۹ء میں جونپور گیا۔ عربی فارسی تاریخ و فقہ میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ
ے اس کو دلچسپی تھی۔ بہادری اور فاتحانہ سرگرمیوں کو گرہ میں باندھتا رہتا تھا اس
مانہ میں جب حسن خاں جونپور آیا اور شیر خاں کو گھر واپس لے گیا اور جاگیر کا انتظام
پرد کیا اس نے بہترین حالت اس چھوٹی سی جاگیر کی کردی۔ مگر اس
ی سوتیلی ماں نے وہ صورت پیدا کردی کہ شیر خاں گھر
سے نکل گیا۔ پہلے سلطان ابراہیم لودی کے دربار میں پہونچا۔ ابراہیم اور بابر
ں پانی پت کے میدان میں مقابلہ ہوا ابراہیم لودی کا خاتمہ ہوا۔ بابر دہلی کے
خت کا مالک بن گیا۔

شیر خاں بابری دربار تک پہونچا ایک سال رہا۔ بابر کے دسترخوان پر
شریک تھا وہ گھڑی گھڑی شیر خاں کو دیکھتا۔ کھانا کھا کر شیر خاں چلتا ہوا بابر
نے مہتمم سے کہا شیر خاں کو بلاؤ اس نے تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ لگا بابر نے

کہا افسوس خطرناک شخص دام سے نکل گیا۔ یہاں سے شیر خاں بہار پہونچا اور بہار خاں المخاطب سلطان محمد کے پاس پہونچا اور چند روز میں مقرب بارگاہ ہو گیا۔ شیر کے مارنے پر شیر خاں کا خطاب پایا اور اُس کے نابالغ لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہوا۔ سلطان محمد کے مرنے کے بعد جلال خاں تخت حکومت پر بیٹھا اور سلطان محمد کی حرم دودو نے عنان حکومت سنبھالی۔ شیر خاں نائب بنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملکہ دودو انتقال کر گئی تو شیر خاں اکیلا مختار کل ملک بہار ہو گیا، مگر سرداران لوحانی نے جلال خاں کو اپنا ہموا بنالیا۔ شیر خاں وطن چلے آئے۔ لوحانی جلال خاں کو شاہ بنگال کے پاس بہکا کر لے گئے[1]۔ شیر خاں نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ ادھر شاہ بنگال سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کرنے کے لئے ابراہیم پسر قطب شاہ کو لشکر دیکر بھیجا۔ شیر خاں فوج لے کر مقابل ہوا۔ آخر ش ابراہیم کام آیا لوحانی بہت سے کھیت رہے۔ جلال خاں بھی ابراہیم کے ساتھ تھا بنگالہ چلا گیا خزانہ و ہاتھی سب شیر خاں کے ہاتھ لگے۔ ملک بہار کا شیر خاں مالک ہوا اُس نے تھوڑے دنوں میں اپنے علاقہ کی حالت سدھا لی اور رعایا امن و امان سے رہنے لگی۔

ہمایوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی کوشش کی لیکن شیر خاں نے صلح کرلی۔ ہمایوں گجرات گیا۔ شیر خاں نے بہار کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنگال کے کچھ حصہ پر بھی عمل دخل کیا۔ ہمایوں گجرات سے لوٹا۔ پوری فوج ساتھ

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد سوم ص۲۷۰

تھی چنار پر حملہ کر کے قلعہ کو مسخر کیا۔ چنار کا قلعہ نکل جانے کی خبر سنکر شیر خاں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اتھاس کے قلعہ میں بھیجدیا اور خود وہاں سے چلدیا۔ ہمایوں چنار سے روانہ ہو کر غور پہونچا اور اس کو فتح کر لیا۔ اس عرصہ میں شیر خاں نے موقع پاکر چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا اور جب ہمایوں واپس ہوا گنگا کے قریب اس کو پٹھانوں نے روکا۔ چونسہ کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں مغلوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں جان بچا کر بھاگا۔ جب وہ گنگا عبور کر رہا تھا نظام سقہ نے مدد کی تو ہمایوں ڈوبنے سے بچا۔ اس کے صلہ میں چند گھنٹوں کی بادشاہت ملی۔

چونسہ کی لڑائی کے بعد شیر خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔ ہمایوں دوبارہ فوج ٹھیک کر کے افغانوں کے مقابلہ کے لئے آیا۔ قنوج کے میدان میں دونوں فریق بڑی بہادری سے لڑے لیکن پھر مغلوں کو شکست ہوئی وہ بھاگ نکلے اور ہمایوں کو سلطنت چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر شاہ نے پنجاب تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور کھوکھروں کو شکست دیکر شمالی پنجاب اور سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اُس نے مالوہ، سندھ اور رائے سین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا پھر راجہ جودھپور سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور راجپوتانہ کے اکثر حصے سوری سلطنت میں شامل کر لئے۔ پھر شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا بارود میں آگ لگ جانے سے شیر شاہ زخمی ہوا قلعہ تو فتح ہوا لیکن ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو یہ لائق فائق بادشاہ پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد مرگیا اس وقت اس کی حکومت تمام شمالی برصغیر پر قائم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن شیر شاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کا وہ نظام حکومت تھا جس کی بنیادوں پر مغلوں نے اپنی

مضبوط اور پائدار سلطنت قائم کی۔

شیر شاہ کا نظام حکومت اور اصلاحات

شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو ۴۷ حصوں میں تقسیم کیا تھا جو سرکار کہلاتے تھے ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے اور ہر پرگنہ میں ایک شقدار۔ ایک امین۔ ایک منصف۔ ایک خزانہ دار اور دوسرے چھوٹے سرکاری افسر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ پٹواری۔ مقدم اور چودھری بھی ہوتے تھے جو مالگذاری جمع کرتے تھے۔ شیر شاہ نے زمین کی پیمائش کرائی اس کے بعد پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ حکومت وصول کر لیتی تھی۔ سرکاری مال گذاری نقدی جا سکتی تھی اور جنس کی شکل میں بھی۔ کسان اس طرح خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ خشک سالی کے موقعہ پر ان کی مدد ہوتی۔ اسی طرح فوجی انتظام میں اصلاحیں کیں۔ اس نے علاء الدین خلجی کے فوجی انتظام کو نہیں اپنایا یعنی گھوڑوں پر داغ لگانا شیر شاہ کی فوج میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیادے تھے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا رعایا پر ظلم نہیں کرتا تھا۔ جو فوجی رعایا پر تشدد کرتا اس کو سخت سزا دیتا تھا

شیر شاہ نے رفاہ عام کے بہت سے کام کئے ایک سڑک بنگال سے پنجاب تک آگرہ سے راجپوتانہ دوسری برہان پور جاتی ہوئی لاہور سے ملتان تک نکالی۔ ہر منزل پر سرائیں، مسجد کنواں تعمیر کرایا سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ ہندو مسلمانوں کے لئے سراں میں کھانے رہنے کا انتظام رہتا۔

پانچ سال کے اندر اس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا کہ پیش رو نہ کر سکے

سلطنت کے ہر معاملہ کو خود دیکھتا اور اُس کا انتظام کرتا۔

معمولات صبح کو بہت سویرے اُٹھتا۔ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ وظائف سے فارغ ہو کر سلطنت کے کام میں لگ جاتا دوپہر کو کھانا کھا کر کچھ آرام کرتا پھر انتظام سلطنت میں مشغول ہو جاتا نماز کا بڑا پابند تھا اسلام کا متوالا تھا احکام اسلامی کا سختی سے متبع تھا۔ رعایا کو بھی پابند بنانا چاہتا تھا علماء و صوفیا کا احترام کرتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ شیر شاہ کی ہستی تاریخ میں مایۂ ناز ہستی ہے۔

ہمایوں کی دوسری تخت نشینی

ہمایوں قنوج کی لڑائی کے بعد پنجاب سندھ اور راجپوتانہ کے ریگستان میں مارا مارا پھرا۔ اس زمانہ میں امرکوٹ کے قلعہ میں ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں نے قندھار کا رُخ کیا اس کا بھائی عسکری حکمراں تھا اس نے ہمایوں کی مدد بھی کی۔ آخر کار ایران چلا گیا یہاں شاہ طہماسپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب ۱۵۴۵ء میں قندھار پر ہمایوں نے حملہ کیا تو شاہ نے مدد کی۔ ہمایوں کامیاب ہوا مگر پھر بھائی کو ہی دیدیا پھر کابل پر یلغار کی اور قبضہ کر لیا۔ پھر اپنی سلطنت افغانوں سے واپس لے لی۔ شیر شاہ کے جانشین کمزور تھے پنجاب پر سکندر لودی کا قبضہ تھا۔ ہمایوں نومبر ۱۵۵۴ء میں پندرہ ہزار سوار لیکر کابل سے روانہ ہوا اور لاہور پر قبضہ کر لیا اور سرہند کے نزدیک ماچیواڑہ میں سکندر لودی کو شکست دی اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا اُس نے شہنشاہ

اکبر اور بیرم خاں کو سکندر کا پیچھا کرنے کے لئے پنجاب ہی میں چھوڑ دیا تھا ہمایوں کی بدقسمتی سامنے آئی۔ اس کامیابی کے چھ مہینے بعد ہی وہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا۔ تین دن بیہوش رہ کر ۱۵۵۵ء ۹۶۳ھ میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تاریخ سے

ہمایوں بادشاہ از بام اُفتاد

اُس کی موت کی خبر فوراً بیرم خاں کو بھیجی گئی بیرم خاں سمجھدار آدمی تھا اُس نے بہت جلد انتظام کر کے اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور کلانور ضلع گرداس پور میں رسم تاج پوشی ادا کی۔

ہمایوں بہادر اور اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا پھر وہ عملی قدم اُٹھانے میں دیر کر دیتا تھا جس کی وجہ سے نقصان اُٹھانا پڑتا۔ اہل علم کا قدردان تھا اسطرلاب ہمایوں اس کی علمی یادگار ہے۔ شاعر بھی تھا وہ احسان فراموش نہ تھا۔ ہمایوں کی یہ قابلیت کبھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر قائم کی اور دوبارہ مغلیہ حکومت کی بنیادیں استوار کر گیا۔

ہمایوں کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

مغل سلاطین صاحب علم و فضل تھے اور اُن کے درباروں سے علماء وابستہ رہے اور وہ ملک میں علم و تعلیم کا فیض پہونچاتے تھے۔ مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے اور پچھلے فرمانرواؤں کے طرز پر اُن کے مصارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ نیز ملک میں جابجا علماء کے وجود سے مدرسے جاری تھے ہمایوں کو علم ہیئت و ہندسہ کا شوق تھا۔ اس عہد کے باکمال ہیئت داں

مولانا نورالدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ کبھی خود اُن سے درس لیتا۔ اور کبھی اُن کی فنی مشکلات حل کرتا۔[۱] ہمایوں کے عہد میں دو نئے اہم مدرسے لائقِ ذکر ہیں۔ ایک شیخ زین الدین خوافی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے[۲] اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس[۳] تھے۔

---

۱ مآثر الامراء ج ۱ ص ۴۷۹ ۲ منتخب التواریخ ج ۱ ص ۴۷۱
۳ آئین اکبری۔

اکبر اعظم

اکبر کا نام و لقب ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر

پیدائش امر کوٹ میں ۵ رجب ۹۴۹ھ میں بطن ملکہ حمیدہ بانو سے پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت ابتدائی دو سال اپنے چچا مرزا عسکری کے آغوش میں کاٹے پھر باپ کے سائے میں نشو و نما پائی۔ سوا چار برس کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔ ملا عصام الدین کو اخوندی کا اعزاز ملا۔ ملا بایزید ملا عبدالقادر اخوند، ملا پیر محمد، میر عبداللطیف قزوینی سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھا۔ شیخ مبارک کی بھی شاگردی کی مگر سلاطین زادے تھے شکار میں جی لگتا تھا۔ اس طرف سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔

ابتدائی سوانحات سکندر کے مقابلے کیلئے ۹۶۱ھ میں ہمایوں نے بیرم خاں کے ساتھ اکبر کو جن کی عمر بارہ سال تھی بھیجا۔ سرہند پر اکبر نے ایسی دادِ شجاعت دی کہ یہ معرکہ اس کے نام فتح ہوا۔ ہمایوں نے ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا بیرم خاں کو اس کا اتالیق کر کے ادھر روانہ ہوا۔ سکندر قلعہ بند تھا۔ برسات کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو گئی۔ ہوشیارپور کے میدان میں شکار ہونے لگے ادھر ہمایوں بھی کتب خانہ کی چھت سے نیچے آ رہے اس کے سات روز بعد ہمایوں

عالم قدس سدھار گئے۔

تخت نشینی

سنہ ۹۶۳ھ میں ہمایوں کے انتقال کی خبر پا کر بیرم خاں نے مقام کلانور ضلع گورداس پور کی عیدگاہ میں تمام امراء کو جمع کر کے باضابطہ تاج پہنا کر ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا اکبر نے بعد تخت نشینی بیرم خاں کو جو کہ خانخاناں کے لقب سے مشہور تھا۔ خان بابا کا خطاب عطا کیا اور دہلی مراجعت کی راہ میں خبر ملی کہ ہیموں بقال وزیر محمد شاہ عدل محمد خاں سوار کو قتل کر کے آگرہ دہلی پر متصرف ہو گیا۔ اور تیس ہزار کی جمعیت سے لاہور کی جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ اکبر نے پانی پت کے میدان میں نبرد آزمائی کی۔ ہیموں زخمی ہوا۔ اکبر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا اور بیرم خاں کے ہاتھ سے دار کو پہونچا۔ اس فتح سے دہلی و آگرہ پھر خاندان مغلیہ کے زیر نگین ہو گیا۔ اکبر نے دارالخلافت میں آکر اپنی تخت نشینی کا دوبارہ جشن کیا اس کے بعد خبر ملی کہ سکندر پہاڑوں سے نکل کر پنجاب میں غدر برپا کر رہا ہے۔ اکبر نے اس پر فوج کشی کی۔ سکندر نے اطاعت قبول کر لی۔ پٹنہ کی مہم پر فوج بھیجی جا رہی تھی۔ اس کا سردار مقرر ہوا۔ جہاں سکندر نے دو سال بعد انتقال کیا۔

خودمختاری

بیرم خاں خانخاناں خان بابا ہمایوں کا ممتاز درباری تھا۔ اکبر بھی نہایت ادب کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امور سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس کی خودرائی اور بے اعتدالی سے اکبر پریشان ہو گیا۔ امراء کے مشورے سے سنہ ۹۶۹ھ میں شکار کے بہانے دہلی گیا۔ وہاں سے بیرم خاں کے نام فرمان بھیجا کہ تمام انتظام سلطنت آج سے ما بدولت بلا شرکت غیرے انجام دیں گے

بیرم خان کی آنکھیں کھل گئیں اور حج کے ارادے سے روانہ ہوگیا۔ راہ میں خیال گذرا کہ ہند میں تیموری سلطنت کا قیام میری ذات سے ہے کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ شاہی فوج سے شکست کھائی۔ اکبر نے سابقہ رفاقت کا خیال کر کے معاف کر دیا اور کہا کہ چاہو تو اوّل درجہ کی درباری سرداری یا بڑے صوبہ کا جاگیردار کر دوں یا پنشن لے کر حج کو چلے جاؤ۔ بیرم خاں نے شرمندگی سے تیسری شرط منظور کر لی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ گجرات پہونچا ہی تھا کہ پٹھانوں نے اپنے باپ کے بدلے میں قتل کر دیا۔

اکبر مستقل خود مختار ہونے کے بعد سے صوبوں کا بندوبست اور رعایا کی خوش حالی کا انتظام کرنے لگا۔ رعایا میں اخلاقی برتاؤ نے گھر کر لیا۔ راجہ، رانا، سردار، ٹھاکروں کو حسب مراتب حاضر دربار ہونے کی اجازت بخشی۔ ملک کے صاحب کمال علماء، فضلاء قدردانی سے کھچ کر چلے آئے۔ بلا خیال قوم و ملت اپنا مصاحب بنایا۔ انھیں میں سے وزراء کی کونسل قائم کی، نورتن، نام رکھا تمام ملکی و جنگی انتظام اُس کے تحت کر دیئے۔

اکبری نورتن

خان اعظم عزیز مرزا کوکلتاش ہفت ہزاری و مرزا عبدالرحیم خانخاناں خلف بیرم خاں خانخاناں ۹۶۴ھ لاہور میں پیدا ہوا۔ سایۂ اکبری میں تعلیم و تربیت ہوئی، عربی، فارسی، ترکی ہندی میں مہارت تمام رکھتا تھا۔ احمد آباد میں مظفر کے مقابلے میں دس ہزار فوج سے چالیس ہزار پر فتح پائی پنج ہزاری منصب خانخاناں خطاب عطا ہوا۔ ۹۹۰ھ میں ٹوڈرمل کے بعد وکیل مطلق کا منصب عنایت ہوا اور احمد آباد کے عوض جونپور جاگیر میں ملا۔

۹۹۶ھ میں ملتان اور بھکر جاگیر میں ملے ۱۰۳۰ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔
مسیح الدین حکیم میر ابوالفتح گیلانی ۹۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

ابوالفیض فیضی فیاضی ۹۵۴ھ میں پیدا ہوئے باپ کے سائے میں علم فضل کی تکمیل کی۔ شعر و شاعری میں کمال حاصل کیا۔ ۹۹۶ھ میں دربار اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ شاہزادگان کے اتالیق تھے۔ ۱۰ صفر ۱۰۰۴ھ میں بعارضہ ضیق النفس انتقال کیا۔ روضہ لاڈلی بیگم میں دفن ہوئے

علامی ابوالفضل اسلام شاہ کے عہد میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ مُلا مبارک سے علوم عقلیات و نقلیات میں تحصیل ۱۵ برس کی عمر میں کی۔ دربار اکبری میں اولاً دارالانشا کی خدمت پر فائز ہوئے بعد ازاں مشیر کار میر منشی مصاحب خاص وقائع نگار و واضع قوانین ۱۰۱۰ھ میں پنجہزاری منصب عطا ہوا۔ شہزادے سلیم کی سازش سے یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ قصبہ آنتری میں قتل کر دیئے گئے لاش وہیں دفن ہوئی۔ آئین اکبری۔ اکبرنامہ۔ مکاتیب علامی یادگار چھوڑے۔

حکیم ہمام حکیم ابوالفتح گیلانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم فضل میں یگانہ روزگار ہستی تھے۔ دربار اکبری سے منصب ششصدی تھا۔ دسترخوان خاصہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد تھا۔ لاہور میں ۱۰۰۵ھ میں انتقال کیا۔

راجہ بیربل ۹۳۵ھ میں موضع محیران میں پیدا ہوا اس کے باپ کالی داس کا سایہ اس کے سر سے بچپن ہی میں اٹھ گیا تھا۔ کنبے کے ٹکڑوں پر گذر ہوئی۔ حاضر جواب اور ظریف تھا۔ ہندی شعراء میں دربار اکبری سے

ملک الشعراء کا خطاب ملا اور مصاحب اکبری میں داخل ہوا۔ راجہ کا بھی خطاب ملا۔

راجہ ٹوڈرمل یہ وہی راجہ ٹوڈرمل ہے کہ جس کے نام سے مالی قوانین اکبری کی شہرت ہے جو ایک تاریخی غلطی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ٹوڈرمل لاہرپور کے بے حیثیت کم سواد نوکری پیشہ سوریہ کی ادنیٰ درجہ کا متصدی تھا بعد کو اعتبار خاں خواجہ سرا اور مظفر خاں اکبری کے پاس کام کیا۔ پھر شاہی متصدیوں میں داخل ہو گیا۔ خواجہ منصور سے کاروان و محاسب کی ترقی منصب میں سنگ راہ دیکھ اس کے قتل کی سازش میں شریک ہوا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اکبر کی ہندو پروری اور ہندو نوازی کے طفیل وزارت مالیہ پر سرفرازی نصیب ہوئی یا اختیار خود کام کرنے کے لائق نہ تھا اس لئے باوجود دیوان مال ہونے کے ارکان اکبری امین الملک علامہ فتح اللہ شیرازی کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

> حکم شد کہ راجہ ٹوڈرمل مہمات ملکی و مالی بصواب دید امیر رو برو کند و کہن معاملہا کہ از زبان مظفر خاں تشخیص نیافتہ بانجام رسانند امیر نسخے چند کہ متضمن کفایت سرکار و رفاہ رعایا بود سرگزار دید پذیرفتہ شد۔

جب معمولی خدمات منصبی کا یہ حال تھا کہ بغیر نگرانی بجا نہ لا سکتا تھا تو مالی قوانین جو ٹوڈرمل کے نام سے مشہور رہیں بھلا کیا خاک اختراع کرتا وہ حقیقتاً آئین شیر شاہی کا صدقہ اور مظفر خاں و خواجہ منصور و میر فتح اللہ وغیرہ کی ترمیم و تصرف کا نتیجہ تھے

جن کا سہرا تاریخی ساحت سے ٹوڈرمل کے سر ہو گیا۔ تغیرہ تناسخ کے بعد اسلامی قوانین آئین اکبری کے بدن میں ظہور میں آئے جس کے انتساب سے اکبر اکبر اعظم ہوا جب اکبر قوانین کا مخترع اور موجد نہ تھا تو بیچارے ٹوڈرمل کی کیا حقیقت تھی کہ وہ بجائے خود آئین کو منضبط کرتے۔ ٹوڈرمل کے نام سے جو قوانین منسوب تھے ان کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مالیات کا کام عموماً مسلمانوں کے سپرد تھا۔ اس محکمہ میں پہلی بار غیر مسلم کا دخل ایک انوکھی بات تھی اکبر کی خانماں سوز پالیسی نے مسلمانوں کو دبایا اور دوسروں کو بڑھایا اس لئے ٹوڈرمل کا نام اچھل گیا جس کا وہ کسی طرح مستحق نہ تھا۔

فتوحاتِ اکبری

اکبر کی عادت تھی کہ جس سردار کو باغی دیکھتا خود بغاوت فرو کرنے جاتا۔ باغی رہا تو سزا پائی معافی چاہی تو عفو تقصیر کیا ادہم خاں اور عبداللہ خاں اور آصف خاں یہ اکبر کے امرا میں سے تھے ایک وقت میں سب نے علم بغاوت بلند کیا ۹۷۴ھ ۱۵۶۷ء میں اکبر نے سب کو مطیع کر لیا جس نے خود سری کی جان سے مارا گیا جس نے عفو چاہی خطا معاف ہوئی۔ راجگان جے پور جودھپور اور چتوڑ پانچ سال تک اکبر سے لڑتے رہے آخر کار ان پر ۹۸۰ء میں کامل فتح حاصل کی۔ عزیز مرزا اکبر کا کوکہ جس کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا گجرات کا صوبہ دار تھا۔ ۹۸۱ھ میں یہ خبر ملی کہ دکن کے باغیوں نے حسین مرزا اور اختیار الملک دکن کو اپنی جمعیت میں شریک کر لیا ہے اور گجرات پر قبضہ کر کے عزیز مرزا کو قلعہ بند کر دیا ہے۔ اکبر نے صرف تین سو جاں نثار منصب داروں کو ہمراہ لے کر ۲۷ منزلیں ۹ روز میں طے کر کے دشمنوں کے جاسوسوں

سے پہلے احمد آباد، گجرات میں جا گھسا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ حسین مرزا گرفتار ہوا اور اختیار الملک بھاگتا ہوا قتل ہوا۔ عزیز مرزا کو قلعہ سے نکال کر اکبر نے پھر وہیں کا حاکم کر دیا اور خود واپس آیا اس میں صرف چالیس روز لگے۔ اس طرح اکبر نے ۹۸۳ھ میں بنگال، بہار، اڑیسہ، کو جہاں تک پٹھانوں کا قبضہ تھا فتح کیا۔ ۹۹۴ھ میں خطۂ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق کر لیا۔ ۱۰۰۰ھ میں سندھ پر فتح پائی اور ۱۰۰۲ھ میں قندھار اپنے تصرف میں لایا۔

تسخیر دکن

اکبر کے عہد میں دکن کی سلطنت تین حصوں میں منقسم تھی۔ احمد نگر گولکنڈہ۔ بیجاپور کی بادشاہت جدا جدا حکمرانوں کے قبضہ میں تھی۔ احمد نگر میں اتفاق سے نااتفاقی پیدا ہوئی اور سلطنت کے چار دعویدار پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اکبر سے مدد چاہی یہ منتظر تھے ہی اپنے منجھلے بیٹے مراد کو مرزا عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ فوج لے کر دکن جانے کا حکم دیدیا شاہی فوج پہونچی بھی نہ تھی کہ شیر خوار دعویدار بہادر نظام شاہ کے نام احمد نگر فتح ہو چکا تھا۔ بسبب خورد سالی سلطنت کا انتظام اس کی پھوپی چاند بی بی کرتی تھی۔ جس وقت اکبر کی فوج قلعہ پر حملہ آور ہوئی چاند بی بی خود منھ پر نقاب ڈال کر تلوار ہاتھ میں لے کر فوج کو کمان کرتی ہوئی مقابلے میں آئی۔ زنانہ جرأت نے مردوں میں بہادری پیدا کر دی۔ مغلوں کا پہلا حملہ بیکار گیا شاہی فوج کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوا برار کا علاقہ لے کر واپس دار الخلافہ لوٹ پڑے دوسری مرتبہ اکبر نے اپنے چھوٹے بھائی دانیال کو خانخاناں کے ساتھ فوج دیکر بھیجا اور برہان پور تک خود آیا۔ اس مرتبہ یہ نمک حرام وزیر کے نوکروں کے

ن قتل ہو چکی تھی۔ اکبر کی فوج نے بلا وقت قلعہ میں گھس کر تمام فوج کو قتل
ر بہادر نظام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار کو روانہ ہوا۔ اور اکبر نے
لعہ میں خاندیس کو احمد نگر سے ملا کر اس پر اپنے وزیر ابو الفضل کو صوبیدار
بیا۔

ت سلطنت اکبر نے ہمایوں سے وراثت میں مختصر سی سلطنت پائی تھی جس میں پنجاب اور آگرہ دہلی کے ارد گرد کے اضلاع
ل تھے لیکن اکبر نے اس کو وہ ترقی دی کہ شمال کی جانب کابل کشمیر قندھار
لے کر جنوب میں احمد نگر تک اور مشرق میں اڑیسہ تک پھیل گئی۔

وبہ و نظام سلطنت اکبر نے کل قلمرو کو اٹھارہ صوبوں پر تقسیم کیا اور ہر صوبہ پر ایک نائب السلطنت مقرر کیا۔
اس کو تین صیغوں کے پورے اختیار دیدیئے۔ ایک صیغہ نظامت قائم کیا جس
سررشتہ پولیس بھی شامل تھا صیغہ مذکور کے متعلق عدالتیں دیوانی و فوجداری کے
دخواہوں کی دادرسی کے واسطے مقرر تھیں جس کا اعلیٰ افسر میر عدل ہوتا تھا اور
ں کے ماتحت قاضی ہر بڑی جگہ متعین تھے۔

یغہ مال صیغہ مال میں اکبر نے زمین کی پیمائش کرائی اور ہر بگیھہ کی پیداوار کا زر نقد مطالبہ سرکاری قرار دیا اور ہر سال کی جمعبندی کے ترضے
کرنے کے لئے دس برس کا میعادی بندوبست کیا۔ عہد اکبر میں خزانہ میں بیالیس
ڑ روپیہ جمع تھا۔ اکبر نے رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے وہ آئین و
نین ایجاد کئے جو اس سے پہلی دنیا کے لئے نصیب اور پچھلی دنیا کے لئے دستور العمل

قرار پائے ایک قوانین عمدہ جاری کئے تھے جن کا نام "آئین اکبری" ہے۔

اصلاحات ملکی اکبر نے ہندوؤں کو کمسنی میں شادی کرنے۔ بیوہ کو بٹھائے رکھنے، بیوی کو خاوند کے ساتھ ستی ہونے پر مجبور کئے جانے، قسم کھاتے وقت گرم گولہ اٹھانے اور جلتے تیل میں ہاتھ ڈالنے وغیرہ کی ممانعت کی، جزیہ ملتوی کیا۔ جاتریوں پر جو محصول تھا وہ معاف کیا۔

امور سلطنت امور سلطنت کو چار حصوں پر تقسیم کیا (۱) سرکار آتش ماتحت۔ توپ خانہ، تربیت اسلحہ و آلات حرب وغیرہ (۲) سرکار ہوائی کے تحت میں باورچیخانہ، اصطبل، فیلخانہ، شترخانہ وغیرہ (۳) سرکار آبی کے تحت میں شربت خانہ، نہروں کا انتظام تھا (۴) سرکار خاکی کے تحت زراعت کا انتظام و عمارت و قواعد خالصہ وغیرہ تھے۔ ہر ایک افسر کی وردی رنگ کے اعتبار سے تھی۔

سیرت اکبر رحمدل، نیک مزاج اور دیندار تھا۔ فقرا کی خدمت کرتا۔ روپیہ درگاہوں پر چڑھاتا۔ ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتا۔ ہر سال حج کے لئے قافلے روانہ کرتا۔ کبھی خود بھی دو چادروں کا لباس پہنکر ننگے سر لبیک کہتا ہوا دور تک قافلے کے ساتھ جاتا۔ فقیہہ محدث، علماء کا بہت ادب کرتا۔ اور ہر امر میں اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتا۔ مگر علماء کی باہمی خانہ جنگی سے اکبر میں بدخیالی پیدا ہوگئی دین طلبی کے بجائے دنیا طلبی اُس کا شیوہ ہوا۔ حکمت کے لئے باپ دادا کا رنگ دیکھ اور سن چکا تھا کہ ایرانیوں کے ہاتھ تمام عمر رہے۔ پست قوم کی دست گیری کی۔ ہم قوم کو گرایا دوسروں کو اُبھارا یہ ترکیب اُ

ائی ۔ عرصہ تک دولت دنیا نے اخلاق کے پیر تھامے رکھے ۔

سی تدبیر

اکبر نے حاکم و محکوم میں اتحاد کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے
ایسا طریقہ اختیار کیا کہ عقلمند سے عقلمند دام میں پھنسے
۔ اپنا طرز زندگی وہ اختیار کیا کہ جس قوم اور مذہب کا آدمی اس سے ملے
ں کو فوراً یقین آجائے کہ بادشاہ ہمارے مذہب کا متوالا اور شیدا ہے
نوساری گجرات کے آتش پرست شاہ اکبر تک پہنچے تو حکم ہوا کہ پارسیوں
یدے کے مطابق آتشکدہ بنایا جائے اور نہایت احتیاط رہے کہ اس
سی وقت بجھنے نہ پائے ۔ روم کا پوپ اکبر کے پاس آیا اور بائبل کے مضامین
طالب سنائے جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر پیش کی اکبر
و کھڑا ہو گیا اور اس قدر ظاہری شوق دکھایا کہ ابوالفضل تورات اور
ں کے ترجمے پر مقرر ہوئے چنانچہ ابوالفضل نے یہ مصرعہ کہا

اے نالے تو زرکہ کرستو

را مصرعہ سوچ رہا تھا کہ ملک الشعراء فیضی برابر سے بول اٹھا

سبحانک لاشریک یاہو

ہندوؤں سے تعلقات و صحبت بہ نسبت پارسیوں اور نصاریٰ کے بدرجہا
ہ تھی اس لئے ان کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ سب سے بالا تھا ۔ ظاہری وضع
ں ہنود کی سی تھی بعض رسوم بھی اختیار کیں ۔ پنڈتوں نے اکبر کی نظر التفات
ں کی طرف دیکھی تو ایسے پیچے کہ ایک مسلمان کو اپنے یہاں کا پدمشر اوتار قرار دیا
ل دیوتاؤں کے ان کے بھی ہزاروں سہسہ قائم کر دیئے اور خاطر اوید مقدس میں

مذہب اسلام کی تصدیق کے اشلوک دکھانے لگے۔

دین الٰہی

اکبر نے رعایا کو مطیع کرنے کے لئے ایک اور ترکیب نکالی اور علماء سے فتویٰ لیا "اولی الامر منکم" کے موافق بادشاہ صاحب اجتہاد بن گئے۔ اس اجتہاد کا نام "دین الٰہی" رکھا۔ بندگی، مجرا، تسلیمات کے عوض شخص "اللہ اکبر" کہتا اور دوسرا جواب میں "جل جلالہ" کہتا اور دین الٰہی میں ہر قوم کے لوگ داخل ہوکر بادشاہ کے مریدوں میں داخل ہونے لگے۔ چیلوں کو شجرہ کے عوض اپنی تصویر عطا ہوئی اور ہمیشہ اللہ اکبر کا وظیفہ رٹنے کی ہدایت کی گئی۔ امیر مسلمانوں کا شامل ہونا محول تھا مگر اُن کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس پھندے میں پھنسنے لگے اور جو بیگانگی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں میں تھی اس ترکیب سے جاتی رہی۔ اب ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو عزیز و اقارب کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ اکبر اعظم ہندوستان کے مختلف المذہب لوگوں کا نہ صرف حکمران پیر بنا ہوا تھا۔ دین الٰہی اکبر شاہی مذہب وہ نہ تھا جس کو مورخین یورپ نے آتش پرستی کا مرکز قرار دیا ہے بمصلحت ملکی سے اکبر نے یہ دین قائم کیا تھا۔ دین الٰہی سیاسی اور اخلاقی کھیل تھا۔ اس کا حال خود جہانگیر نے "تزک" میں یوں تحریر کیا ہے:

"در وقت ارادت آوردن مریداں چند کلمہ بطریق نصیحت مذکور می گردد
باید کہ در وقت خود را بدشمنی ملتے از ملتہا تیرہ بکدر نسازند و با جمیع ارباب
عمل طریق صلح کل مدعی دارند ہیچ جانداری را بدست خود نہ کشتند
و سلاخ طبیعت نہ باشند مگر در جنگہا و شکارہا۔

مباش در پئے بیجان نمودن جاندار ۔۔۔ مگر بعرصئے پیکار یا بوقت شکار"

تعظیم بذات راکہ بظاہر نور الٰہی اند بقدر درجات ہر ایک باید نمود ۔ موثر موجد حقیقی در جمیع ادوار رد اطوار خدائے تعالیٰ را باید دانست بلکہ فکر باید کرد۔ تا در خلوت وکثرت خاطر لحہ از فکر و اندیشہ او خالی نہ باشد۔

تنگ و پوچ خفتہ شکل دیلے ادب ۔ سوئی او می نخج دوامامی طلب

والد بزرگوارم ملکہ این معنی بہم رسانیدہ ۔ در کم وقتے ازیں اوقات ازیں فکر خالی بودند۔ یہ ہے دین الٰہی اکبر شاہی

شاہزادہ سلیم کی بغاوت

اکبر جس زمانے میں برہان پور گیا تھا وہاں اُسے اپنے بڑے بیٹے سلیم کے باغی ہونے کی خبر پہونچی سلیم کا سن ۳۰ سال کا تھا عقیل و دانا ہونے کے ساتھ شراب اور افیون کے استعمال سے دماغی قوت صحیح نہیں رہی تھی۔ سلیم نے الہ آباد لیکر صوبہ اودھ اور بہار پر قبضہ کرلیا۔ زمانہ ساز اکبر نے بجائے کسی سختی کے نہایت نرمی سے ایک فہمائش تحریر کی اور آپ آگرہ میں جا داخل ہوا سلیم نے باپ کو عاجزانہ جواب لکھا اور قدمبوسی حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ جب اٹاوے تک پہونچا تو اکبر کو خبر ملی کہ سلیم کے ساتھ فوج کثیر ہے فوراً حکم دیا کہ اگر تم صفائی قلب رکھتے ہو تو آؤ ورنہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ چنانچہ سلیم الہ آباد کو لوٹ گیا۔ اکبر نے مصلحت وقت کی بنا پر تھوڑے دنوں کے بعد صوبہ بنگال اور اڑیسہ اس کے حوالے کر دئیے۔

اکبر کی شادی بیاہ

اکبر کے اخلاق نے راجگان ہند کو ایسا گرویدہ کرلیا کہ انھوں نے اپنی بیٹیاں نذر میں دیدیں۔ دختر راجہ بہارا مل کچھوا ہرائی

جے پور۔ دختر کلیان مل والیٔ بیکانیر' دختر راجہ ڈونگر پور ہندو رانیاں اکبر کے عقد میں آئیں۔ تارا بائی اور من بھاوتی رانی اور تھیں۔ راجہ بہارا مل کی لڑکی سے جہانگیر پیدا ہوئے۔ اس خاتون کو اکبر نے مریم زمانی کا خطاب دیا۔

اولاد جہانگیر ۲۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ میں پیدا ہوا۔ شاہزادہ مراد ۱۰ محرم ۹۷۸ھ میں فتحپور میں پیدا ہوا۔ ۳۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۸ھ میں جوانمرگ دنیا سے گیا۔ شہزادہ دانیال تیسرا لڑکا تھا اس کا بھی ۳۳ برس کی عمر میں ۱۰۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

اکبر کی آخری زندگی اکبر کی ابتدائی اور وسطی زندگی جس خوبی اور عمدگی سے بسر ہوئی آخری حصہ کو وہ میسر نہ ہوئی اس کے نورتن کے ارکان کا بچھڑنا' حکیم ابوالفتح گیلانی راجہ ٹوڈرمل کا مرنا۔ بیربل کا یوسف زئیوں کی جنگ میں مارا جانا' ابوالفضل کا دغا سے بہ اشارہ سلیم قتل ہونا۔ شہزادہ دانیال و مراد کی موت کا رنج دوسری طرف شاہزادہ سلیم کی باغیانہ زندگی کا قلق ان سب واقعات نے اکبر کو گھلا دیا۔ انتظام سلطنت اور تکلفات شاہی سے جی اچاٹ ہونے لگا۔ سلیم کی سوتیلی ماں سلطانہ بیگم نے باپ بیٹے کے درمیان صلح کرا دی۔

مگر اکبر کی روز بروز حالت خراب ہونے لگی' بیماری آ لگی جسم نحیف ہونے لگا غذا چھوٹ گئی اور بجز پلنگ پر پڑے رہنے کے اور کسی کام کی طاقت نہ رہی لیکن اپنے سب امرا کو طلب کیا بہت کچھ نصیحت کی اور سب سے اپنی خطا معاف کرائی اور اپنے سامنے شہزادے سلیم کو بلا کر کمر سے تلوار بندھوا کر وصیت کی کہ خاندان شاہی کی عورتوں کی خبر گیری کرنا اور میرے دوستوں کو فراموش نہ کرنا اس کے بعد توبہ کی۔

وفات ۱۰۱۴ھ ۱۳ جمادی الآخر کو ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر نے اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی راہ لی - باغ سکندری میں دفن ہوئے۔

عہد اکبری میں علمی ترقی

با برو ہمایوں کے زمانہ میں جو طریقۂ تعلیم تھا اکبر کے ابتدائی عہد میں قائم رہا۔ حکومت کی طرف سے کم مگر ذاتی طور سے درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا۔ شاہ رفیع الدین انجوی کا مدرسہ، مخدوم نظام الدین بندگی امیٹھوی کی درس گاہ۔ شیخ آدم گوپاموی کا مدرسہ، ملا مبارک ناگ پوری کا درس و تدریس اپنی جگہ اپنی اپنی جامعات (یونیورسٹیاں) تھیں۔ اکبر کے ذہنی انقلاب نے قدیم تعلیم کے خلاف ایک نئی صورت اختیار کی ۹۹۱ھ میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کے روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم، حساب، طب، فلسفہ مدرسوں میں رائج کئے[1] نصاب تعلیم کی اس تبدیلی کو ابو الفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے جسے ہم آگے دکھائیں گے۔ لیکن یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس شاہی فرمان کی رو سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہو گئے لیکن عربی و اسلامی علوم خارج نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی جا بجا اسلامی مدرسے قائم رہے جس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ قلیج خاں کے متعلق جو دربار اکبری کے امراء میں سے تھا مآثر الامراء میں ہے:-

---

[1] منتخب التواریخ ج ۲، ص ۳۰۶ (عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۷۹)

"قلیج خاں صلاح وتقویٰ بسیار داشت در تسنن متعصب بود۔ ہمیشہ بدرس علوم وافادہ طلاب اشتغال نمود گویند در صوبہ داری لاہوری کی پاس؟ بدرس فقہ وتفسیر وحدیث در مدرسہ قیام می ورزید وباقصی غایت در ترویج علوم شرعیہ می کوشید"[۵۱]

عہد اکبری کا ایک مشہور مدرسہ مدرسہ ماہم بیگم تھا جس کی عمارت خیرالمنازل کے نام سے مشہور تھی[۵۲] بدایونی نے اس مدرسہ کو مدرسہ بیگم کے نام سے یاد کیا ہے۔ نیز آگرہ و فتح پور سیکری میں خود اس نے متعدد عربی مدرسے قائم کئے۔ اکبری دور میں کشمیر و بیجاپور میں غیر معمولی تعلیمی انقلاب ہیا۔ اس وقت تک یہاں علوم متعارفہ کا اور فارسی رسم الخط کا رواج ہوا۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے۔

"اگرچہ دراں چندے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گویند بودند آیا علوم متداولہ شیوع تمام نداشت خط نستعلیق نیکو می نوشتند و بندے زبان شعرا رواشتند بعد ازاں کہ در عہد دولت حضرت آشیانی نشاکش یا کتب اکثر ساکنان سش اکتساب مراسم اہلیت ولوازم آدمیت نمودہ شائستگی جوہر کجا ساختند و فارسی گفتن وخط خوش نوشتن ونغمہ فارسی سرائیدن رواج تمام یافت"

اسی طرح بیجاپور میں عادل شاہ نے چند خاص تعلیمی انقلاب بھی برپا کئے تھے۔ دارالاتا کے لڑکوں اور استادوں کے لئے نفیس غذائیں اور لڑکوں کے سالانہ امتحان کے

---

۵۱ مآثر الامرا۔ ج ۳ ص ۱۷ ۵۲ ہندوستان کی اسلامی درسگاہیں۔

لئے انعامات دیئے جانے کے قواعد مقرر کئے تھے[۱]

مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہد اکبری میں تعلیم کا چلن عام تھا۔ سرکاری مدرسے تمام ممالک محروسہ میں جاری تھے۔ آگرہ میں عالیشان مدرسہ تھا فتح پور سیکری میں مدرسہ ابو الفضل جس کی عمارت موجود ہے۔ مولانا علاء الدین لاری کا مدرسہ مدرسہ حسن تھا۔ مفتی ابو الفتح تھا نیسری معقول و منقول کا درس شاہ رفیع الدین کے مدرسہ میں دیتے تھے۔ اجمیر میں مدرسہ خواجہ معین کے نام سے تھا جس کے مدرس اعلیٰ میرزادہ مفلس سمرقندی تھے۔ ملا الہ داد۔ منکر جانی مدرس مکان حاتم سنبھلی دار کلاں آگرہ۔ امام الدین لاہوری ملا عثمان ملا قاسم قندہاری ملا جمال ملتان۔ ان سب بزرگوں کی درسگاہیں تھیں جہاں صدہا طالبان علم کا جمگھٹا رہتا تھا[۲]

کتب خانہ اکبر کا سرکاری کتب خانہ عظیم الشان تھا عبد الرحیم خانخاناں کا حال ملا عبد الباقی نے مآثر رحیمی میں لکھا ہے فیضی کے کتب خانہ میں چار ہزار صد سو کتابیں تھیں ایسے ہی امرا کے کتب خانہ قلمرو حکومت مغلیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

مکتب خانہ اکبر نے دار الترجمہ قائم کیا جہاں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے اس کے ناظم میر جمال الدین حسین انجوی چار ہزار ماہانہ کے جاگیر دار تھے اُس نے فارسی لغت مرتب کی۔ مہیش۔ مہانند۔ ملا نفری

---

[۱] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۸۸ [۲] اکبر اعظم ص ۳۱

ابوالفضل ملا عبدالقادر، میسح سلطان تھانیسری محمد خاں گجراتی سے حضرات اس دارالترجمہ سے منسلک تھے۔

تاریخ جدید مرزا الغ بیگ		ہم میر فتح اللہ شیرازی
سنگھاس بتی	سنسکرت	ملا عبدالقادر بدایونی
کتاب الاحادیث		″
تاریخ الفی		″
رمائن		″
جامع رشیدی	تاریخ	″
بحرالاسمار		″
حیوٰۃ الحیوان	عربی	ملا مبارک ناگ پوری
اتھربن بید	سنسکرت	فیضی شیخ بہاون حاجی ابراہیم
تزک بابری	ترکی	عبدالرحیم خانخاناں
تاریخ کشمیر	سنسکرت	ملا شاہ محمد شاہ آبادی
معجم البلاد	عربی	حکیم ہمام
نجات الرشید		نظام الدین بخشی
طبقات اکبر شاہی		″
سواطع الالہام		علامہ فیضی
موارد الکلم		″

لیلاوتی	سنسکرت	علامہ فیضی
مرکز ادوار		
اکبرنامہ و آئین اکبری		علامی ابوالفضل
عیار دانش		"
کتا دل		"
تاجک	نجوم	محمد خاں گجراتی
ہری بنس		ملا شیری
جوتش		خانخاناں
ثمرۃ الفلاسفہ		عبدالستار ابن قاسم
رزم نامہ	ترجمہ مہابھارت	نقیب خاں وغیرہ

ہندی کی ترقی اکبر نے ہندوستانی تہذیب و تمدن و معاشرت اور ادب و انشاء کی توسیع و ترقی میں جس ہمدردی کا ثبوت دیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اکبر کو ہندی سے یہاں تعلق تھا کہ خود اکبر رائے اپنا تخلص رکھا اور ہندی میں موزوں کرلیا کرتے تھے فارسی شعراء اور ہندی شعرا کو یکساں نوازتے تھے بلکہ صلہ گستری اور انعام و اکرام سے مالا مال کردیا تھا۔

ابوالمظفر نورالدّین جہانگیر

ولادت اکبر کو فرزند سعادت پیوند کی ضرورت تھی۔ بیویاں اگرچہ حاملہ ہوتی تھیں لیکن اسقاط ہو جاتا تھا۔ اور اگر پیدا بھی ہوتا تو چند ہی روز میں مرجاتا تھا اس لئے وہ شیخ سلیم چشتی کی خدمت میں جو اس زمانہ میں مشہور بزرگ تھے حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ شیخ فتحپور سیکری میں مقیم تھے وہاں اُن کے فرمانے سے شاہانہ عمارتیں بنوائیں اور اُن کا نام فتح پور رکھکر دارالسلطنت قرار دیا۔ اُن کی دعا سے ۹۷۷ھ میں راجہ بھاڑا مل کچھواہہ کی دختر کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلطان سلیم رکھا۔

تعلیم و تربیت فیضی مولانا میر کلاں ہروی سلیم کی تعلیم پر مامور ہوئے قطب الدین آتکہ اور خانخاناں اتالیق مقرر ہوئے مولانا علی احمد سے بھی پڑھا۔ چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی جس کا نتیجہ تھا کہ وہ مطلع علم کا مہتاب تھا۔ جہانگیر ۹۸۵ھ میں منصب دہ ہزاری ذات سوار پر ممتاز ہوئے اور اجمیر کے صوبہ دار کر دیئے گئے

شہزادہ سلیم کی بغاوت جس زمانہ میں اکبر دکن کی تسخیر میں لگا ہوا تھا کنور مان ولد راجہ مان سنگھ نے امرائے بنگال کی شورش کی خبر پاکر شاہزادہ سے جو اس وقت اجمیر میں رانا کی سرکوبی کی خدمت

میں سپہ سالاری پر مامور تھا التماس کیا کہ اگر شاہزادہ بجائے اجمیر کے الہ آباد میں آجائے تو شورش بنگال دب جائے گی۔ شہزادہ نے یہ بات مان لی اور الہ آباد آگیا۔ اپنے ملازموں کی جاگیریں جو آگرہ کے نواح میں تھیں چھوڑ کر الہ آباد آگیا اور صوبہ الہ آباد کی محال کو جو آصف خاں جعفر کی جاگیر سے تعلق رکھتا تھا اپنی جاگیر میں شامل کر لیا اور ۳۰ لاکھ روپیہ صوبہ بہار کا جو کنور داس نے فراہم کیا تھا سرکاری فوج بھیجکر طلب کر لیا۔ اس قسم کی حرکتوں سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے، بادشاہ نے نصائح محمد شریف ولد عبدالصمد کے ہمراہ صادر کئے۔ مگر بے سود۔ اکبر جب اکبر آباد آیا تو شہزادہ تیس ہزار سوار لے کر الہ آباد سے پدر بزرگوار سے ملنے آیا۔ لہذا شہزادے کو فرمان صادر کیا کہ اس شان و شوکت کے ساتھ آنا ہماری مرضی کے خلاف ہے اور اکیلے حاضر ہو اور اگر تم کو شک و شبہ ہے تو فوراً الہ آباد واپس ہو جاؤ۔ شہزادہ نے ایک عرضی بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور الہ آباد روانہ ہو گیا شہزادہ کو صوبہ بنگال اور اڑیسہ جاگیر میں دیا اور فوراً وہاں چلے جانے کی ہدایت کی۔ شہزادہ نے وہاں جانا منظور نہیں کیا اس وجہ سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا اور سلیمہ سلطان بیگم کو شہزادہ کی دلجوئی کے لئے بھیجا۔ بیگم نے الہ آباد پہونچکر شہزادے کی دلجمعی کی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ مگر جب اکبر آباد ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ کی درخواست پر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی خود جاکر شہزادہ کو اپنے محل میں لائی اور مریم مکانی کے حکم سے اکبر بادشاہ بھی اس مکان میں گیا۔ شہزادہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سر باپ کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور ایک ہزار اشرفیاں و ۷۷۰ ہاتھی بطور نذر پیش کئے۔ بادشاہ نے شہزادہ کو گلے لگایا اور بہت زیادہ

خوش ہوا اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر شہزادے کے سر پر رکھ دی۔ یہ واقعہ اکبری جلوس کے ۲۸ ویں سال میں پیش آیا۔ چند روز کے بعد شہزادہ کو رانا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا مگر وہ پھر سرکشی کر کے الہ آباد چلا گیا۔ اس سے اکبر کو بہت صدمہ ہوا۔ جب اکبر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کا انتقال ہوا تو شہزادہ سلیم الہ آباد سے باپ کی خدمت میں آیا اور باپ کی قدمبوسی کی۔

تخت نشینی

اکبر کا انتقال ۵۰ سال کی عمر میں ہوا اور اس نے ۵۱ سال دو مہینے اور نو دن حکومت کی اور اس کا لڑکا شہزادہ سلیم ۳۷ سال کی عمر میں جمعرات کے دن ۱۲ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس موقعہ پر محمد شریف ولد عبدالصمد شیریں قلم کو امیرالامراء کا خطاب عطا کیا اور مدارالمہام کے بلند رتبہ پر سرفراز کیا۔ اور شاہی مہر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں پہنائی۔ اعتمادالدولہ کا خطاب مرزا غیاث بیگ کو اور وزیرالممالک کا خطاب مرزا خان بیگ کو جو شہزادگی کے زمانہ میں دیوان تھا عطا کیا اور ان دونوں کو دیوانی کے کام پر مشترکہ طور پر مقرر کیا۔ زمانہ بیگ کو مہابت خاں کا خطاب اور بیر خاں لودی کو لاہب خاں کا خطاب عطا کیا۔ شیخ فرید بخاری کو پنجہزاری ذات کے منصب اور میر بخشی کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالے کی صوبہ داری پر مقرر کیا۔ اپنے دودھ شریک بھائی خان اعظم مرزا اور آصف خاں جعفر کو شاہی نوازشات سے سرفراز فرمایا۔ (سیرالمتاخرین)

کابل کی سیر

دوسرے سال کے شروع میں جہانگیر کابل سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ شہر آرا کے متصل جو بابر بادشاہ کا بنایا ہوا تھا ایک دل کشا باغ "باغ جہاں آرا" بنایا اور ایک نہر اس کی کیاری میں سے جاری کی۔

نورجہاں

نورجہاں غیاث بیگ مخاطب باعتمادالدولہ کی بیٹی تھی اور وہ خواجہ محمد شریف طہرانی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں محمد لنکو حاکم ہرات کا دیوان تھا جس نے شیرشاہ سے شکست کھاکر ہمایوں کے عراق جانے کے وقت شاہ طہماسپ کے حکم کے بموجب خدمات کی تھیں۔ محمد خاں کی وفات کے بعد خواجہ محمد شریف شاہ طہماسپ کے پاس پہونچکر وزارت سے سرفراز ہوا۔ جب فوت ہوگیا تو اس کے دونوں بیٹے غیاث بیگ اور محمد طاہر بیگ ہندوستان آگئے۔ غیاث بیگ کے ساتھ دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ قندہار میں پہونچنے کے بعد دوسری لڑکی یعنی نورجہاں پیدا ہوئی اور وہاں سے روانہ ہوکر فتح پور سیکری میں اکبر بادشاہ کی ملازمت کی۔ اور اپنی قابلیت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں دیوان بیوگان ہوگیا۔ اسی زمانہ میں نورجہاں کی شادی شیرافگن خاں سے کردی۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کوکلتاش کو جو شیخ سلیم چشتی کا پوتا تھا بنگالہ کا صوبیدار مقرر کردیا۔ قطب الدین بنگالہ پہونچکر کچھ عرصہ بعد بردوان روانہ ہوا اور شیرافگن سے مطلب کہا شیرافگن ظلم وجور رعایا پر کررہا تھا۔ قطب الدین سے آکر ملا اور دھوکے سے قطب الدین خاں کے دو ٹکڑے کردیئے۔ قطب الدین خاں کے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے اس نے چند آدمیوں کو زخمی کردیا اور خود زخمی ہوکر بھاگ نکلا اور گھر کا راستہ لیا۔ یہاں تک کہ قطب الدین کے آدمیوں نے پہونچکر اس کا کام تمام کردیا۔ الغرض اس عملے نے جو بنگال میں تھا نورجہاں کو دارالسلطنت روانہ کردیا اور وہ جلوس کے چھٹے سال حرم میں داخل ہوگئی [1]

---

[1] تکملہ تزک جہانگیری از محمد ہادی۔

پہلے نورمحل اور بعدازاں نورجہاں کا خطاب پایا۔ نورجہاں بیگم عورتوں میں ممتاز
اکثر صفات میں بے نظیر اور بے مثل تھی۔ اس کی طبیعت موزوں تھی اور اس کے اشعا
زبان زد روزگار ہیں۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہی حکومت کرتی تھی۔ بادشا
برائے نام تھا۔

کانگڑہ کی فتح تخت نشینی کے تیرھویں سال کے ابتدا میں شیخ فرید مرتضیٰ خان
میر بخشی کو بہت بھاری فوج کی سرکردگی میں کانگڑہ کے قلعہ کو
کرنے پر مقرر کیا اور راجہ سورج کو بھی جو دو ہزاری منصب پر سرفراز تھا اس کے ہمرا
اس مہم پر مامور کیا۔ راجہ سورج شیخ مذکور کی مخالفت پر آمادہ ہوگیا اور اس سے لڑ
شیخ نے اس کی شکایت بادشاہ سے کی اور راجہ نے شہزادہ خرم سے اس کی شکایت
کی۔ اسی دوران شیخ مرتضیٰ کا انتقال ہوگیا۔ راجہ سورج مل کو دربار میں بلاکر شہزادہ
زیر سرکردگی دکن کی مہم پر مقرر کر دیا اور کانگڑہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد
راجہ سورج مل نے شہزادہ سے کہا کہ قلعہ کانگڑہ کی مہم میرے سپرد کی جائے۔ شہزادہ
نے بادشاہ سے اجازت لے کر ایک بڑی فوج اس کام کے لئے مقرر کر دی اور اپنے
بخشی مرزا محمد تقی کو بھی اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ پہاڑوں میں پہنچنے پر اس کا مرزا محمد تقی سے
بھی جھگڑا ہوگیا۔ شہزادہ نے محمد تقی کو بلا لیا اور اس کی جگہ بکرماجیت کو روانہ کیا
اس موقعہ کو غنیمت جانکر راجہ سورج مل نے بغاوت کر دی اور شہزادہ کی فوج سے
لڑکر سید تقی بارہ کو جو معتمدین میں سے تھا مع اس کے بھائیوں کے قتل کر دیا اور پٹیالہ
اور کلانور کے پرگنوں کو لوٹ لیا۔ اتنے میں جب بکرماجیت اس کے قریب پہنچا تو
سورج مل بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ شہزادہ نے بکرماجیت کی تجویز سے

راجہ سورج مل کے چھوٹے بھائی جگت سنگھ کو جو بنگال پر چار صدی منصب پر تعینات تھا بلا لیا۔ آنے پر اس کو ہزاری خلعت اور پانچسو سواروں کا منصب اور راجہ کا خطاب عطا کیا اور اس کے موروثی ملک کی طرف روانہ کیا۔ بعد ازاں اس کو راجہ بکرماجیت کے ہمراہ کانگڑہ کی مہم پر روانہ کیا۔ یہ بہت پرانا قلعہ ہے اور لاہور کے شمال کی جانب پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اس میں ۲۳ برج اور ساٹھ دروازے ہیں۔ اس کا اندرونی حصہ ایک کوس اور ۱۵ جریب ہے بلندی دو کوس دو جریب ہے اور چوڑائی ایک سو چار گز ہے۔ اس کے اندر دو حوض تالاب ہیں۔ اکبر بادشاہ کے وقت تک کوئی بادشاہ اس کو فتح نہ کر سکا۔ الغرض راجہ بکرماجیت نے اس کا محاصرہ کر لیا اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ چار ماہ کے بعد جب بہت زیادہ تنگی ہوئی تو راجہ تلوک چند نے پناہ مانگی اور قلعہ کی کنجیاں حوالہ کر دیں۔ شاہی جلوس کے پندرہویں سال مطابق یکم محرم ۱۰۳۱ھ سنیچر کے دن قلعہ فتح ہو گیا۔

شاہجہاں کی بغاوت

شاہزادہ خرم ملقب بہ شاہجہاں سنہ ۲ جلوس جہانگیر بادشاہ میں منصب ہشت ہزاری ذات اور چار ہزار سوار پر سرفراز ہوا۔ اس کے بعد جب سنہ ۶ جلوس میں شاہزادہ کا عقد مرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں پسر اعتماد الدولہ کی بیٹی سے ہوا اور ممتاز محل کا لقب ہوا تو منصب دہ ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد منصب پانزدہ ہزاری ذات اور ۸ ہزار سوار عطا ہوا اور جب مہم ولایت کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو حضور میں لایا منصب بست ہزاری ذات اور دس ہزار سوار اور خرم شاہ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر جب مہم دکن پر متعین ہوا تو شاہ جہاں خطاب اور منصب سی ہزاری اور بیس ہزار سوار

پاکر ہمیشہ مورد عنایات پدر رہا۔ نورجہاں بیگم بادشاہ کی خاطر سے اور اپنے بھائی آصف خاں کی دلجوئی کے لئے جس کا داماد شاہجہاں تھا مدارج کی زیادتی میں کوشش کرتی رہی۔ اس کے بعد نورجہاں کی لڑکی کی جو شیر افگن کے نطفہ سے تھی جہانگیر بادشاہ کے بھتیجے اور شاہزادہ دانیال کے بیٹے سلطان شہریار کے ساتھ شادی ہوگئی اور نورجہاں اُس کی طرفداری کرنے لگی۔ دکن کی مہم کو سر کرنے کے بعد جب شہزادہ شاہجہاں واپس ہوا اور ماندون پہونچا تو اُس نے دھولپور کو اپنی جاگیر میں لینے کی خواہش ظاہر کی اور وہاں پر اپنا کارکن تعینات کر دیا۔ اتفاق سے شاہجہاں کی درخواست پہنچنے سے قبل نورجہاں نے اس پرگنے کو سلطان شہریار کی تنخواہ میں جاگیر کے طور پر عنایت کر کے سلطان شہریار کے کارکن شریف الملک نامی کو اس پرگنہ پر مقرر فرمایا دونوں کے کارکن وہاں پہونچے اور لڑ پڑے۔ شریف الملک تیر لگنے کی وجہ سے کانا ہوگیا۔ اس واقعہ سے محل میں ہنگامہ برپا ہوگیا اور بڑے فساد کی صورت اختیار کر لی۔ شہزادہ نے ایک عرضی جس میں بہت زیادہ انکساری اور عاجزی کا اظہار کیا تھا اپنے دیوان افضل خاں کے ہاتھ روانہ کی تاکہ یہ فتنہ اور فساد ختم ہوجائے۔ بدخواہوں نے نورجہاں بیگم کو طرح طرح کی باتیں کر کے آصف خاں سے رنجیدہ کر دیا اور اس پر یہ تہمت لگائی کہ شاہجہاں کی حمایت کرتا ہے اور اس پر آمادہ کیا کہ مہابت خاں کو جو آصف خاں کا دشمن ہے اور شاہجہاں سے بھی خوش نہیں ہے کابل سے بلا کر ان دونوں کو ذلیل کرایا جائے۔ مہابت خاں کو شاہی فرمان جاری ہوئے مگر ہر دفعہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیا آخر میں اُس نے صاف لکھ دیا کہ میرا حاضر خدمت ہونا ناممکن ہے۔ اگر درحقیقت شاہجہاں کو ذلیل ہی کرانا منظور رہے تو آصف خاں کو صوبہ بنگال پر تعینات کر دیا جائے تاکہ حضور میں

پہونچکر شاہی حکم کی تعمیل کریں۔ بادشاہ نے آصف خاں کے لڑکے امان اللہ کو تین ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر سرفراز کرکے مہابت کو حکم دیا کہ اس کو کابل میں چھوڑ کر حاضر ہو۔ مہابت خاں حاضر ہوگیا اور شہزادہ شاہجہاں کی جاگیر کے دو آبے وغیرہ کے اضلاع نکال کر سلطان شہریار کی تنخواہ میں بطور جاگیر کے مقرر کردیئے۔ شاہجہاں اس خبر کے ملتے ہی مانڈو سے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو وہ لاہور سے اکبرآباد چل دیا اور عاقبت نا اندیش لوگوں کی فتنہ پردازی اور نورجہاں کے ورغلانے سے اپنے اطاعت شعار اور فرمانبردار لڑکے سے لڑنے کو آمادہ ہوگیا اس عرصہ میں وہ امراء جو شاہجہاں سے خط و کتابت کرتے تھے گرفتار کر لئے گئے اور ان کے منصب اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ اس مہم کا بندوبست مہابت کے ہاتھ میں تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد فوجیں شاہجہاں کے مقابلے کے لئے مقرر ہوئیں۔ شاہجہاں اکبرآباد پہنچکر بادشاہ کے بہت جلد پہنچنے کی خبر پاکر کوٹہ میوات روانہ ہوگیا اور وہاں سے خانخاناں کے لڑکے اور راجہ بکرماجیت داراب وغیرہ کے علاوہ اپنے دوسرے امرا کو شاہی فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ کرکے خود بھی مقابلہ کو تیار ہوگیا۔ دونوں فوجوں کی گھمسان لڑائی ہوئی۔ شہزادہ کی فوج کو ناکامی ہوئی اور بکرماجیت اس میں کام آیا۔ شاہجہاں مجبوراً واپس ہوا اور مانڈو کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ اس فتح کی خبر سنکر اجمیر چل دیا اور سلطان پرویز مہابت خاں راجہ نرسنگھ دیو بندیلہ راجہ گنج سنگھ راٹھور۔ راجہ جے سنگھ اور دوسرے امرا کو جو چالیس ہزار سوار اور فوج پر مشتمل تھے شاہجہاں کے مقابلہ پر روانہ کیا اور اس مہم کا بندوبست مہابت خاں کے ہاتھ میں تھا جب شاہی فوج مانڈو پہنچی

توشاہجہاں نے رستم خاں کو اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ میں روانہ کیا مگر رستم خاں مہابت خاں سے مل گیا۔ انتظام درہم برہم ہوگیا اور شہزادہ دریائے نربدا کو عبور کر کے آسیر پہونچا اسوقت معلوم ہوا کہ خانخاناں مہابت خاں سے خط و کتابت رکھتا ہے اور بھاگنا چاہتا ہے چنانچہ شہزادہ نے اس کو مع اس کے لڑکے داراب خاں کے قید کر دیا اور سامان وغیرہ چھوڑ کر خود برہان پور روانہ ہوا۔ شاہجہاں مجبوراً برہانپور سے روانہ ہو کر گولکنڈہ اور بندرگاہ مچھلی پٹن کے راستہ سے اڑیسہ اور بنگال کی طرف چلدیا۔ جب بادشاہ کو شہزادہ کے بنگال جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے سلطان پرویز اور مہابت خاں کو پٹنہ کی طرف روانہ کیا بادشاہ خود خانخاناں کو اکبر آباد میں مقرر کر کے کشمیر روانہ ہوا۔ شاہجہاں نے اڑیسہ اور ان اطراف میں پہنچنے کے بعد معمولی سی جنگ میں بردوان کا قلعہ فتح کر لیا اور اس کے بعد اکبرنگر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اچھی طرح لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابراہیم خاں صوبہ دار اور دیوان حامد اور دیگر امرار مارے گئے۔ شاہجہاں اس قلعہ کو بھی فتح کر کے ڈھاکہ چلا گیا۔ یہاں پر بہت سا سامان اور نقد ۳۰ لاکھ روپیہ اس کے ہاتھ لگا۔ ابراہیم خاں کا بھتیجا احمد بیگ جو ڈھاکہ میں تھا مجبور ہو کر شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خانخاناں کا لڑکا داراب خاں ابھی مقید تھا شاہجہاں نے اس سے قسم کھلوائی اور قید سے آزاد کر کے اس کو بنگال کا صوبہ دار کر دیا اور خود پٹنہ پہونچا۔ وہاں سے عبداللہ خاں اور دریا خاں کو الہ آباد روانہ کیا۔ عبداللہ خاں وہاں پر قابض ہو گیا۔ بنگال کے زمیندار شاہجہاں کو ایک کشتی میں لائے تھے مگر پٹنہ پہونچکر غائب ہو گئے۔ اس واسطے شاہجہاں نے ایک مٹی کا قلعہ جنگل میں بنایا۔ شہزادہ پرویز اور مہابت خاں لشکر کے ساتھ پہنچ

درکئی دفعہ جنگ ہوئی۔ راجہ بھیم سنگھ جو شاہجہاں کی فوج کا سردار تھا کام آگیا شہزادے کی فوج پسپا ہوگئی۔ اسلحہ خانہ کے دارو غہ اور عبداللہ کے علاوہ کوئی شخص شہزادہ کے ساتھ نہ رہا۔ شہزادہ نے مرنے پہ کمر باندھ کر گھوڑا اُٹھایا۔ جب یہ زخمی ہوا تو عبداللہ خاں شہزادے کو گھوڑے کی باگ پکڑ کر نکال لایا۔ اور پٹنہ کی طرف لے گیا۔ جب شاہی فوج پٹنہ کے قریب پہونچی شاہجہاں اکبر نگر آگیا۔ جب ۱۹ جلوس بادشاہ تھا تو مراد بخش پیدا ہوا یہ اس کو اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ کر بنارس روانہ ہوا۔ داراب خاں کے لڑکے کو قتل کر دیا اور بنگالہ سے دکن چلا گیا۔ بادشاہ نے شاہزادہ پرویز اور داراب خاں کو دکن بھیجا۔ داراب خاں جو بادشاہی لشکر سے مل گیا تھا اُس نے اس کو قتل کر دیا اور خانخاناں مقید ہوگیا شاہجہاں اجمیر چلا گیا اور وہاں توقف کر کے ٹھٹھہ کی طرف آکر ایران کا ارادہ کیا۔ چونکہ ٹھٹھہ میں شریف الملک کا نام شہزادہ شہریار کا نوکر مقیم تھا وہ اس کی خبر سُن کر قلعہ میں بند ہوگیا شہزادے نے قلعہ گھیر کر چند روز لڑائی لڑی۔ اسی اثنا میں شہزادہ پرویز مر گیا۔ مہابت خاں حضور میں چلا گیا۔ فقط خانجہاں لودھی دکن میں قیام رکھتا تھا۔ پھر دکن گیا۔ مگر راستہ میں ناسک ٹرنبک میں قیام کیا اور خان جہاں لودھی کے دکن سے خارج کرنے کا ارادہ کیا۔

مہابت خاں کی گستاخی اور آصف خاں کے قید ہونیکا ذکر

مہابت خاں جو نور جہاں اور آصف خاں کے التماس کے بموجب مورد عتاب ہوگیا اور فدائی خاں حضور سے مامور ہوا کہ مہابت خاں کو شاہ پرویز سے جُدا کر کے بنگالہ کی طرف روانہ کر دے۔ مہابت خاں اگر راضی نہ ہو تو تنہا حضور میں حاضر ہو اور گجرات سے واپس آکر شہزادہ پرویز کی اتالیقی کے فرائض

انجام دے - اور جو کچھ روپیہ اور سامان اس کے ذمہ ہے اس کا مطالبہ کرے - مہابت خاں رخصت ہو کر بادشاہ کے حضور میں روانہ ہوا - ادھر خان جہاں لودھی گجرات سے شاہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچ گیا - بادشاہ دریائے سندھ کے کنارے کابل کے سیر و شکار میں مشغول تھا - مہابت خاں وہاں پہونچا اور شاہی فوج کے قریب تیار کیا - بادشاہ نے عمرو نقشبندی کو جو مہابت خاں کا داماد تھا، کوڑے لگوائے اور ننگے سر ہاتھ باندھ کر ذلیل کروایا اور سب کچھ چھین لیا - مہابت خاں کے سالے محمد محسن کو گرفتار کر لیا اور اس سے بھی کافی رقم وصول کی - مہابت خاں یہ خبریں سنکر اپنی عزت بچانے کی غرض سے پانچہزار سوار جمع کر کے آیا - بادشاہ نے اس کو معتوب کر کے پیغام بھیجا کہ جب تک شاہی مطالبات نہ پورے کرے تو سلام کی اجازت نہ ملے گی - اور آصف خاں بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر دریا کے اس پار خود اہل و عیال اور فوج وغیرہ لے کر کشتیوں کے پل سے گذر گیا - وہاں خیمہ وغیرہ گاڑے - بادشاہ کے خیمہ کے گرد سوائے نوکروں کے کوئی نہیں رہا - مہابت خاں ۴ ہزار سوار لیکر وہاں پہنچا اور پل میں آگ لگا دی تاکہ لوگ آ جا نہ سکیں اور خود دولت خانہ کے دروازہ پر پہنچکر گھوڑے سے پیادہ پا ہو گیا اور غسل خانہ میں مع سواروں کے پہنچ گیا اور تختہ کو توڑ کر اندر چلا گیا - بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو پالکی میں بیٹھا - مہابت خاں نے پالکی گھیر لی - بادشاہ نے دو مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لگایا مگر حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حوصلہ آزمائی کا وقت نہیں ہے - مہابت خاں نے عرض کیا کہ خود بدولت گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور غلام رکاب والا میں رہے - جب سلطان تھوڑے فاصلہ پر نکل گیا تو مہابت خاں نے عرض کیا کہ ایسی شورش میں ہاتھی پر سوار ہونا صلاح دولت ہے مجبوراً ہاتھی پر سوار ہو گیا -

یہاں تک کہ وہ خیمہ میں داخل ہوا۔ نورجہاں بیگم دریا کے اُس پار چلی گئی تھی اور لڑائی کی تیاری کر رہی تھی۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جنگ کرنا مصلحت نہیں ہے۔ مگر دوسرے روز آصف خاں اور ابوالحسن نے فوجیں آراستہ کیں اور جنگ کا ارادہ کیا۔ پل کو مہابت خاں نے جلوا دیا تھا۔ آصف خاں کا بیٹا چند لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر گیا۔ آصف خاں دریا کے درمیان پہونچا تھا کہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ آصف خاں بھی دریا کے بیچ سے بھاگ آیا۔ بیگم دریا سے پار ہو کر خیمہ میں اُتری۔ آصف خاں مع اپنے بیٹے اور دو سو آدمیوں کے قلعہ اٹک بنارس میں پہونچا اور قلعہ بند ہو گیا۔ تین دن بعد نورجہاں بیگم بادشاہ کے حضور میں پہونچی۔ بادشاہ مہابت خاں کے ساتھ کابل چلا گیا۔

مہابت خاں جوں ہی اٹک بنارس پہونچا قلعہ کے اندر جا کر آصف خاں وغیرہ کو قید کر دیا۔ راجپوت باغی ہو گئے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کو حکم بھیجا کہ شاہجہاں جو ٹھٹھہ کی طرف چلا گیا ہے اس کا تعاقب کرے۔ اس اثنار میں شاہجہاں ٹھٹھہ سے کوچ کر کے دکن کی طرف لوٹا۔ مہابت خاں بغیر حکم شاہی کے ہندوستان کو چلا اس سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے تو بادشاہ نے عبدالرحیم خانخاناں کو اس پر مقرر کیا۔ خانخاناں اجمیر پہنچا اور مہابت خاں جو اجمیر پہنچا تھا جنگ کی تاب نہ لا سکا اور ملک رانا کے پہاڑوں میں جا چھپا خانخاناں سنہ جلوس شاہی کو فوت ہو گیا۔ مہابت خاں شاہجہاں سے ملا اور جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی خانجہاں لودی کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا جہاں شاہجہاں سے ایک مدت تک لڑائی رہی

بیگمات شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوانداس کی لڑکی سے ہوئی شاہ بیگم خطاب تھا۔ راجہ اودے سنگھ کی بیٹی جودہ بائی عرف جگت گوسائیں اور بنت خواجہ حسن (صاحب جمال) سے شادی ہوئی۔ راجہ کیشوداس راہود۔ راجہ

رائے سنگھ رتل بھیم والی جیسلمیر کی صاحبزادیاں جہانگیر سے منسلک ہوئیں۔ آخر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا نورجہاں حرم میں داخل ہوئی۔

اولاد بادشاہ بیگم سے خسرو اور سلطان النساء اور صاحب جمال سے پرویز کوسی بیگم سے بہار بیگم اور سلطان نثار بیگم ہوئیں جودھ بائی سے شہزادہ خرم تولد ہوئے۔ دو خواصوں سے جہاندار شاہ اور شہریار تھے۔

وفات جمعہ ۱۰۳۶ھ بعارضہ دمہ جہانگیر نے وفات پائی اور لاہور میں دریائے راوی کے کنارے دفن ہوئے۔

نظام سلطنت تخت حکمرانی پر بیٹھ کر پہلا حکم جو صادر کیا وہ زنجیر عدالت کا آویزاں کرنا تھا جو کہ عدل جہانگیری مشہور ہے۔ باپ کے عہد کا جو نظام حکمرانی تھا اس کو برقرار رکھا دین الٰہی کی خرافات ختم کی گئیں۔

جہانگیر کے دور میں تعلیمی ترقیاں

جہانگیر نے عربی مدرسوں پر نئے سرے سے توجہ کی اس کے عہد حکومت میں بہت سے ویران مدرسے آباد ہو گئے۔ اس نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ قانون نافذ کیا کہ جو تاجر کسی غیر دیار میں فوت ہو جائے اور اس کے وارثوں کا پتہ نہ چل سکے یا شہر ہی کا کوئی ایسا دولتمند وفات پائے جس کے ورثاء موجود نہ ہوں تو اس کے مال و متاع کو شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے بجائے ان سے مدرسے اور دوسری مفید عمارتیں تعمیر کر دی جائیں۔ خوافی خاں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے:۔

"حکم شد کہ ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مال دار فوت شود و وارث او حاضر

نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند در صورت مفقود الاثر بودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر و احداث مساجد و پل ، مدرسہ و سرائے نمایند۔

ہندوستان میں اس زمان سے بکثرت مدارس قائم ہوئے. چنانچہ مصنف تاریخ جام جہاں کا بیان ہے کہ جہانگیر نے پرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے ماں بن گئے تھے نئے سرے سے آباد کئے اور اکبر آباد' آگرہ کو اکبر کے زمانہ سے جو تعلیمی اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ اس دور میں باقی رہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالب علمی کا زمانہ جہانگیر کے دورِ حکومت میں گذرا ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں اپنے تحصیل علم کی مفصل حالت بیان کی ہے۔ ان کی تحریر سے اس عہد میں دہلی کے ایک اور مدرسے کا پتہ چلتا ہے جس میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے داخل ہوئے تھے۔ اس مدرسہ کو انھوں نے "مدرسہ دہلی" کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابوالمظفر شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحبقران ثانی

ولادت شاہزادہ خرم (شاہجہاں) ۳۰ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۰ھ بروز جمعہ بمقام لاہور پیدا ہوا۔ اکبر نے خوشیاں منائیں۔ پوتے کو محلسرا میں خدیجۃ الزمانی رقیہ بیگم کی سپردگی میں دیا۔

شاہزادہ عالی نژاد بلند اقبال محمد خرم کلاں بود نظر بر عنایات و توجہات جد بزرگوار و پدر نامدار کہ نسبت بخسرو در حق آں ثمرہ جاہ و جلال زیادہ بعدول می بزند (منتخب اللباب ج ۱۔ ص ۲۲۷)

تعلیم و تربیت اکبر نے اپنی نگرانی میں تعلیم کا انتظام کیا۔ جب چار برس چار مہینے اور چار روز کا ہوا تو پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (برادر ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ ان باکمال استادوں کی زیر نگرانی خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ خطاطی میں بھی مہارت تامہ تھی۔

در جمیع فنون و فضائل و دقائق نکتہ فہمی را
باعلیٰ درجات کمال رسانیدہ [1]

۱۔ جہانگیر کے مرنے کے بعد آصف خاں نے بنارسی داس کو شاہجہاں کے پاس بھیجا اور باپ کے مرنے سے آگاہ کر دیا اور نورجہاں کو نظر بند کر کے نگرانی کی کہ اس کے پاس کوئی شخص آمد و رفت نہ رکھنے پائے۔

---

[1] عمل صالح ج ۱ ص ۳۱

شہریار کی نافرمانی

نورجہاں اپنے داماد شہریار کو بادشاہ بنوانا چاہتی تھی ادہر شہریار نے اپنی بیوی کے کہتے پر شاہی خزانوں پر دست اندازی کر کے تمام کارخانوں پر قبضہ کر لیا (خزانہ ہاتھی خانہ اسلحہ خانہ وغیرہ جو لاہور میں تھے) شہریار نے بالیغند پسر سلطان دانیال کو سردار بنا کر لشکر کو دریائے راوی کے پار اُتار دیا۔ طرفین میں مقابلہ ہوا اور پہلے ہی حملہ میں ہار گیا شہریار اپنے دو ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے پلٹ کر قلعہ میں آیا۔ رات کے وقت ارادت خاں نے قلعہ میں پہونچکر اس کو اپنے قابو میں کر لیا۔ صبح ہوتے ہی بڑے بڑے امرا نے داور بخش کو بناوٹی طور پر تخت پر بٹھا دیا اور شہریار کی مشکیں کس کر خدمت میں حاضر کیا جس کو دو روز بعد اندھا کر دیا۔ کچھ دن بعد شاہزادہ دانیال کے بیٹے طہمرث اور ہوشنگ بھی گرفتار کر لئے گئے۔

ادہر شاہجہاں جو نظام الملک (دکن) کے سرحدی مقام خیبر میں تھا۔ بنارسی کی زبانی خبر سنتے ہی گجرات کے راستہ دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا اور جاں نثار خاں کو فرمان کے جواب میں واپس کر دیا۔ احمد آباد پہونچکر شاہجہاں نے باہر خاں کو گجرات کی صوبیداری عنایت کی اور مرزا عیسیٰ خاں کو ٹھٹھہ کی گورنری عطا کی۔

شہریار اور دیگر باغیوں کے متعلق فرمان

خدمت پرست خاں کو یمف خاں کے پاس لاہور بھیجا اور فرمان بھیجا کہ اگر خسرو کے بیٹے داور بخش اور اس کے بھائی شہریار اور دانیال کو ہلاک کر دیں تو یہ امر ملک کی اصلاح کے لئے بہتر ہوگا۔ اس حکم کے بعد شاہجہاں کا نام خطبہ

میں بڑھا گیا۔ داور بخش کو قید کر دیا اور بدھ کی شب ۱۰۳۷ھ میں داور بخش اور اس کے بھائی گرشاسپ شہریار اور طہمورث و ہوشنگ پسران دانیال کو ہلاک کر دیا۔

تخت نشینی

اس وقت شاہجہاں کے سوار ملک رانا کی حدود میں تھے اُس نے سپہ سالار مہابت خاں کی معیت میں اجمیر کے راستے ہو کر اکبر آباد کے باہر باغ نور میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلے روز ہاتھی پر سوار ہو کر اس حویلی میں پہونچا جہاں شہزادگی کے زمانہ میں رہتا تھا۔ ۸ رجمادی الثانی ۱۰۳۷ھ پیر کے روز ۳۷ سال دو ماہ کی عمر میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ رسم قلعہ میں ادا ہوئی۔ اور نورجہاں بیگم کے بھائی آصف خاں کے نام فرمان جاری کیا کہ فوراً مع شاہزادوں کے لاہور سے حاضر ہو۔

فرمانبرداروں پر عنایات

آصف خاں کو منصب ہشت ہزاری ذات اور دو دو تین تین گھوڑے والے سوار عنایت فرمائے اور بندرگاہ لاہری کو عنایت فرمایا۔ مہابت خاں کو خانخاناں سپہ سالار کا خطاب عطا کیا۔ ہفت ہزاری منصب ملا۔ اور سات ہزار سوار دیئے گئے۔ اجمیر کا صوبیدار بنایا۔ خانجہاں لودی کو باوجود سرکشی کے ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبہ داری پر بحال رکھا۔

پہلا حکم

رسم سجدہ تعظیمی کی ممانعت کی۔ مہابت خاں طرفی کی عرض پر سجدے کے بجائے زمین بوسی کی رسم قرار پائی۔ ملاقات کے وقت سلام کرتے اور چلتے وقت فاتحہ اور دعا کا حکم دیا۔ سلام یعنی ہیئت رکوع اس کی جگہ قرار پایا۔

مشاغل ذاتی

صبح صادق سے ایک گھنٹہ پیشتر ضروریات سے فارغ ہوتا اور وضو کر کے نفل اور فرض ادا کرتا۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی ہمیشہ

باوضو رہتا تھا۔

مشاغل ملکی امام قلی خاں نے پہلے ہی سال کابل پر لشکر کشی کردی۔ مقابلہ میں مہابت خاں کو معمور کیا ۱۰۳۸ھ میں نذر محمد خاں نے قلعہ کابل کا دو تین ماہ تک محاصرہ کئے رکھا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ مہابت خاں یہ خبر سنکر سرحد میں رُک گیا۔

آصف خاں آصف خاں کو مختلف خلعتیں دیکر وکیل السلطنت کا عہدہ سپرد کیا۔ اس کے بڑے بیٹے شائستہ خاں کو بھی خلعت وغیرہ عنایت کئے۔

۱۰۳۷ھ میں دریا خاں کو معافی دی گئی۔ مرزا رستم صفوی کو بیس ہزار روپیہ پنشن سالانہ عطا کی۔ مہابت خاں کو دکن اور خاندیش کا صوبیدار مقرر کیا۔ اس کے بیٹے خان زمان کو دکن کے انتظام پر مقرر کیا اور خان جہاں لودی کو مالوہ کی صوبیداری عطا کی۔

قاتل ابوالفضل کا حال اسی سال ججھار سنگھ پسر نر سنگھ دیو بندیلہ شیخ ابوالفضل کا قاتل (انتقام کے خطرہ کے) وہم میں پڑکر بھاگ گیا۔ مہابت خاں کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ ججھار سنگھ جو لڑنے کی طاقت نہ رکھتا تھا مہابت خاں کے ذریعہ اپنی خطا کی معافی کا خواستگار ہوا جو منظور کی گئی اس نے ایک ہزار اشرفی۔ پندرہ لاکھ روپیہ مع چالیس ہاتھیوں کے بطور جرمانہ ادا کئے۔

نظام الملک نے بالاکوٹ کے علاقے ممالک محروسہ میں شامل کر دیئے۔

سال دوم مطابق سنہ ۱۰۳۸ھ

بادشاہ کو ایک بار سونے چاندی میں اور چھ بار اجناس غلّہ سے تولا گیا اور فقرا کو تقسیم کیا گیا۔

جھجا سنگھ نے دوبارہ شرف آداب بجا آوری حاصل کیا۔

مہابت خاں دہلی کا صوبیدار ہوا۔

عید نوروز پر ممتاز محل کا سالانہ دس لاکھ روپیہ مقرر ہوا۔

ارادت خاں کو دکن کی صوبہ داری عطا ہوئی۔

افضل خاں شیرازی کو وزارت سونپ دی گئی۔

خانجہاں کی پھر بغاوت

خان جہاں لودی جو اپنی ناشائستہ سابقہ حرکت کی بنا پر خائف رہتا تھا اور خدمت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بادشاہ نے اسلام خاں کو اس کے پاس بھیجا اور حالات دریافت کئے۔ اس نے امان کا پروانہ بادشاہ کے قلم کا لکھا ہوا مانگا تاکہ خوف وہراس دور ہو جاوے۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ دیدیا۔ مگر پھر بھی وہ بدگمان رہا۔ ایک رات بغیر اطلاع اکبرآباد سے نکل بھاگا۔ خواجہ ابوالحسن خان زماں اور دوسرے امرا کو اس کا تعاقب کرنے پر مامور کیا۔ اُن میں سے چند نے بڑی عجلت سے اس کا پیچھا کر کے دھولپور کے آس پاس اس کو گھیر لیا اور جنگ ہوئی۔ خدمت پرست خاں مارا گیا۔ اور دوسری جانب حسین و عظمت پسران خانجہاں اس کا داماد اور اس کے کافی بھروسے کے آدمی مارے گئے۔ خان جہاں اپنے بچے کھچے چند ساتھی اور دو بیٹوں کے ساتھ گھنے جنگل میں گھس گیا۔ وہاں سے برار ہوتا ہوا نظام الملک کی ولایت میں چلا گیا

جوائس کے ساتھ رواداری برت رہا تھا۔ بہلول اور سکندر افغان بھاگ کر خانجہاں سے آملے۔ بادشاہ نے نظام الملک کے خلاف لشکر روانہ کیا

تیسرے سال کے حالات مطابق ۱۰۳۹ھ

شعبان ۱۰۳۹ھ جو جشن نوروز کا دن تھا نواب ممتاز محل کا جیب خرچ بارہ لاکھ مقرر ہوا۔

نظام الملک و خانجہاں کی سرکوبی کے لئے روانگی

بادشاہ نے خان جہاں لودی اور نظام الملک کی گوشمالی کے لئے کوچ کیا۔ وہاں پہونچکر فوج کے ۳ حصے کر دیئے۔ اوّل ارادت خاں صوبہ دکن۔ دوم راجہ گج سنگھ۔ سوم آصف خاں شائستہ خاں کا بڑا بیٹا ارادت خاں کو اعظم ثانی کا خطاب عطا کیا اور سب کو حکم دیا کہ ارادت خاں کی رائے کے خلاف نہ کریں۔ ۲۰ رجب کو شہر برہان پور میں سب جمع ہوئے اور دریار روہیلہ بھاگ کر خان جہاں لودی سے جا ملا۔ شائستہ خاں کی جگہ عبد اللہ خاں بہادر کو روانہ کیا۔ اسی دوران میں اعظم خاں کی خان جہاں سے جھڑپ ہو گئی۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کی تلاش میں اعظم خاں کا بیٹا ملتفت خاں دو کوس کے فاصلہ پر رہ گیا خانجہاں بہلول اور مقرب خاں نے اس کو آن لیا اور لڑائی ہوئی جس میں کافی مغل اور راجپوت کام آئے۔ اس دوران جادو رائے مع اپنے خاندان کے نظام الملک کے پاس چلا گیا۔ نظام الملک نے اس کو قید کرنا چاہا مگر اس نے بچنے کی کوشش کی اور دو بیٹوں اور ایک پوتے کے ساتھ مارا گیا باقی رشتہ داروں نے درگاہ شاہجہاں میں پناہ لی اور اعظم خاں کی سفارش پر منصب حاصل کئے اور ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ

مدد معاش کے طور پر اُن کو عنایت ہوا۔

کمال الدین روہیلہ کی بغاوت کمال الدین خانجہاں کے لکھنے پر آمادہ بغاوت ہوا اور سعید خاں کے ہاتھوں مارا گیا جشن وزن قمری منایا گیا۔

اعظم خاں کی کامیاب جنگ جب مقرب خاں اور بہلول نے چلنا پور پاتھری کی طرف رُخ کیا تو اعظم خاں نے ان کے بھاگنے کی اطلاع پاکر اُن کا تعاقب کیا۔ خانجہاں بھاگاؤں میں اُن کا منتظر تھا۔ بادشاہی لشکر آن پہونچا۔ خانجہاں لڑا۔ بہادر خاں زخمی ہوا۔ ہر داس جھالا مارا گیا۔ اس وقت اعظم خاں آن پہونچا۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کا بھتیجا گولی سے مارا گیا۔ پہاڑ سنگھ مارا گیا۔ خانجہاں پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ شاہی امرا اس کو ڈھونڈ کر آگئے۔ خان اعظم نے پہلے دولت آباد کا رُخ کیا مگر بوجہ قحط کے دہارور کی طرف گیا بہلول اور مقرب خاں کی جڑیں اکھاڑے۔ اسی دوران میں ساہوجی بھونسلہ جو کہ ہندو فوج کا سالار تھا شاہی لشکر سے آملا اور سید مظفر اور میر جملہ کو بھی منصب فائز کیا۔ قلعہ منصور گڑھ باقر خاں صوبیدار اڑیسہ کی کوشش سے فتح ہوگیا۔

چوتھے سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۴۰ھ

خانجہاں کا انجام خانجہاں کو نظام الملک کی دوستی پر اعتماد نہ رہا۔ اس نے مالوہ کا رُخ کیا۔ اور عبداللہ خان بہادر نے جو بالاگھاٹ میں تھا اُس کا پیچھا کیا۔ ادھر شاہی فوج سید مظفر خاں بارھہ عبداللہ خاں سے آملی وہاں پہنچکر پتہ چلا کہ عین شہر سے پچاس ہاتھی سرکاری آدمی چھین کر لے گئے ہیں اور

عبدالباری پسر صفدر خاں شہر کی حفاظت کر رہا ہے۔ غرض خانجہاں بوندیلوں کے ملک میں گھس گیا اور کالپی سے سر اُٹھایا۔

بکرماجیت پسر جھجا سنگھ اُن کے تعاقب میں نکلا اور دریا روہیلہ کے پاس جو خانجہاں کے پچھلے دستہ پر تھا جا پہونچا۔ لڑائی ہوئی اور دریا کا کام تمام ہوا اور خانجہاں بھاگ نکلا۔ اس صلہ میں بکرماجیت کو جگراج کا خطاب ملا۔ اس سال میں اعظم خاں کی کوشش سے قلعہ دھارور فتح ہوا اور نظام الملک کی نانی ملک بدن کے چچا سمتن اور سارا کنبہ چھاؤنی اور قلعہ قبضہ میں آیا جس کا نام فتح آباد رکھا۔ خانجہاں دریا کے مارے جانے پر فرار ہو رہا تھا تو شاہی فوج نے اس کا پیچھا کیا۔ ادھر سے سید مظفر بارھہ خانجہاں لودی کے پاس جا پہونچا اور مقابلہ کیا۔ بہت سے آدمی مرے۔ بادشاہی فوج کی جانب سے عالم خاں کے داماد اور رائسیال کے پوتے درگا نے جان دی اور صفدر خاں روہیلہ خانجہاں کے دونوں بیٹوں سمیت مع رفیقوں کے مارا گیا۔ خانجہاں پھر بھاگ گیا۔ اس کا گذر کالنجر کی طرف ہوا۔ وہاں کے حاکم نیاز خاں نے اس کا مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا حسن خاں گرفتار ہو گیا۔ یہاں سے بھی خانجہاں بھاگ نکلا اور ایک تالاب پر پڑاؤ کیا جب سید مظفر آ پہونچا اور اپنے بیٹے عزیز خاں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا اور رائے مل ہلاک ہو گیا۔ اتنے میں عبداللہ خاں فیروز جنگ بھی آ پہونچا اور ان تینوں کے سر بادشاہ کے حضور میں بھیجے۔

دکن میں قحط اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے دکن گجرات وغیرہ میں قحط پڑ گیا۔ بادشاہ نے ستر لاکھ روپیہ بانٹا۔ اور جاگیرات کا محصول ۸۰ کروڑ معاف کر دیا۔

سفیر ایران کی آمد ۱۷ر شعبان کو محمد علی بیگ سفیر ایران برہان پور میں شرف حضور سے مشرف ہوا اور تین لاکھ کے تحفے پیش کئے اور طرف سے ۵۰ ہزار کے تحفے پیش کئے۔ بادشاہ نے سفیر کو ۳ لاکھ ۱۶ ہزار نقد اور ایک لاکھ کی فیس ادا کی۔

نظام الملک کا انجام اعظم خاں نے نظام الملکی اور جادل خانی فوجوں کا پیچھا کیا اور قلعہ سرہند کی فتح کے لئے بہت کوششیں کیں۔ اس کی درخواست پر نظام الملک کے ترک غلام مقرب خاں کو جو اس کے لشکر کا کمانڈر تھا نامناسب سلوک سے برگشتہ تھا شاہجہاں کی اطاعت کا ارادہ کیا اور وہاں پہونچکر الطاف شاہی کا مستحق ہوا۔ اس سال ملک عنبر کا بیٹا فتح خاں سپہ سالار نظام الملک رہا۔ اس نے نظام الملک کو قید کیا اور درگاہ شاہی میں اطلاع دی۔ شاہجہاں کو یہ بات ناگوار گذری اور حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دے۔ فتح خاں نے اس حکم کا پتہ چلا کر نظام الملک کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور مشہور کر دیا کہ اپنی موت مر گیا ہے اور اس کی جگہ اس کے دس سال کے لڑکے حسین نامی کو تخت پر بٹھایا۔

دیگر فتح نصیر خاں کی سعی سے قلعہ قندھار جو تلنگانہ کے مشہور قلعوں میں سے ہے فتح ہو گیا۔

ممتاز محل کی وفات اسی سال نواب ممتاز محل کا انتقال ہو گیا اور باغ زین آباد (برہان پور میں) بطور امانت دفن کردی گئی۔ چند دن بعد اس کی نعش آگرہ میں لائی گئی اور دریائے جمنا کے کنارے سپرد خاک کر دیا اور اس پر بہت بلند مقبرہ تاج محل تعمیر کرایا۔ اس صدمہ میں بادشاہ نے دو سال تک تمام

وضعا ساز نغمہ سننے اور بیش قیمت لباس پہننے سے پرہیز رکھا۔ اس سے چودہ بچے
ئے۔ آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں۔

نچویں سال کے حالات مطابق ۱۰۴۱ھ

اسی سال جشن وزن شمسی بھی ترتیب دیا گیا۔

گہ بیجا پور پر حملہ

اسی سال یمین الدولہ آصف خاں محمد عادل شاہ والی بیجا پور کو راہ راست پر لانے کے لئے آصف خاں کی ہمراہی فوج عظیم بھیجی۔ آصف خاں نے پہلے قلعہ بالکی کا محاصرہ کیا۔ سید خانجہاں کمند ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا اور ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے نیچے بارود وغیرہ تھی جس میں لگ گئی اور تخت اوپر اڑا اور ایک کھلیان پر آگرا۔ سید مذکور اگرچہ زخمی ہوا مگر بچ گیا۔ کے بعد جب قلعہ بیجا پور میں پہنچا تو عادل شاہیوں نے قلعہ میں پناہ لی۔ اور بوجہ غلہ وغیرہ صلح کی درخواست کی۔ مصطفےٰ خاں آصف خاں کے پاس آیا اور یہ طے ہوا عادل شاہ ۴۰ لاکھ روپیہ جواہرات مرصع آلات بھیجکر اطاعت قبول کر لے۔ اس کے بعد نامہ لکھا جس پر عادل شاہ کی مہر لگانے کے لئے شاہی سپاہیوں میں سے ایک کے ہمراہ ہ کے اندر گئے۔ تو اہل قلعہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آصف خاں نے محاصرہ ترک کر دیا پور شہر اور قصبات کو لٹوا دیا یمین الدولہ بہت ساز و سامان لوٹ کر خاندیس واپس گیا۔ بادشاہ برہان پور سے آگرہ لوٹ آیا ملتفت خاں کو برہان پور کا صوبیدار بنایا ابت خاں دکن میں مقرر ہوا اور آصف خاں کو بموجب حکم دربار میں حاضر ہونا پڑا اند ں نے شرف حضوری حاصل کیا۔

متفرق احوال سال رواں

نذر محمد خاں والی بلخ کا ایلچی حاجی وقاص دربار میں

پہونچا۔ اور گھوڑے اونٹ اور بلخ کا دوسرا سامان نذر کیا۔

ممتاز محل کی وفات کے ایک سال بعد سالانہ عرس منعقد کیا اور بہت خیرات کی

بندرگاہ ہگلی پرتگیزوں سے قاسم خاں صوبیدار نے لڑائی کے بعد واپس لی

اور اس قوم کے چار ہزار مرد و عورت اسیر ہوئے۔

چھٹے سال کے حالات سنہ ۱۰۴۱ھ

قلعہ گھاٹاکھیڑی صوبہ مالوہ کے مضافات میں فتح ہوا۔

شاہزادہ داراشکوہ کی شادی نادرہ بانو بیگم سے ہوئی۔ یہ جہاں آرا بیگم کی بیٹی

سلطان مراد کی لڑکی اور سلطان پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ۲۲ روز بعد شہزادہ شجاع

کی شادی مرزا رستم صفوی کی لڑکی سے ہوئی۔

اسی سال میں ۷۶ بُت خانے بنارس میں منہدم ہوئے۔

تربیت خاں کو ہندوستان کے تحفے لیکر بلخ کی سفارت پر بھیجا۔

فتح خاں پسر ملک عنبر حبشی سپہ سالار دکن طالب امان ہوا۔

نظام الملک قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔

فتح خاں کو دو لاکھ روپیہ سالانہ اور خلعت سے سرفراز فرمایا۔

شہزادہ اورنگ زیب نے مست ہاتھی کے ساتھ جنگ کی۔

شہزادہ شجاع کو مع لشکر کے دکن روانہ کیا۔

یمین الدولہ آصف خاں کے بہنوئی صادق خاں نے دنیا سے کوچ کیا

ساتواں سال سنہ ۱۰۴۳ھ

۳ر شعبان ۱۰۴۳ھ کو دارالسلطنت آگرہ سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور ۱۰ر شوال

لاہور کے دولت خانہ شاہی میں قیام ہوا۔

۱۰ شوال کو میاں میرؒ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ تسبیح اور سفید عمامہ نذر کیا۔

۱۴ شوال کو لاہور سے کشمیر روانہ ہوئے۔

۱۰ ربیع الثانی کو کشمیر سے لاہور واپس ہوئے۔

آٹھویں سال کے حالات سنہ ۱۰۴۴ھ

۵ جمادی الثانیہ ۱۰۴۴ھ کو دارالسلطنت لاہور میں پہونچے۔

بالاگھاٹ کی صوبیداری خان زماں پسر خانخاناں کے سپرد ہوئی جس کے علاقے یہ ہیں: دولت آباد۔ احمد نگر۔ پٹن۔ م۔ جالناپور۔ چنیر۔ سنگمیر اور فتح آباد مع مضافات اور متصل علاقوں کے۔ کچھ حصہ برار کا اور پورا تلنگانہ۔

پایان گھاٹ کی صوبیداری خان دوراں کے سپرد کی۔

اللہ وردی خان قراول بیگی صوبہ مالوہ کا صوبیدار ہوا۔

۷ جمادی الثانی کو شاہ شجاع نے دکن سے آکر باپ کی قدمبوسی کا شرف پایا۔ اور نسخہ قرآن قلمی ملک شاہ خانم کا لکھا ہوا پیش کیا۔

۷ شعبان کو آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

۲۲ ماہ رمضان کو دارا شکوہ کے گھر فرزند پیدا ہوا اور سلیمان شکوہ نام رکھا۔

۲ شوال کو آگرہ میں نزول اجلال فرمایا۔ جشن نوروز میں تخت طاؤس پر تشریف فرما ہوئے۔

نجابت خان نے ولایت سری نگر کشمیر کے سرحدی قلعہ شیرگڈھ کو فتح کیا۔ نیز قلعہ کالپی اور سانتور پر قبضہ کیا اور جب ہردوار سے گذر رہا تھا تو سنا کہ ایک گروہ نے اس

ملک میں داخلہ کا راستہ روک دیا ہے فوراً اُس پر حملہ کر دیا۔ اور اُن میں سے بہت سوں کو قید کر لیا۔ سرگروہ نے اپنا نمائندہ بھیجا اور دس لاکھ روپیہ نذرانہ شاہی اور ایک لاکھ نجابت کے لئے دینا منظور کیا مگر اس شرط پر کہ رقم کے حصول تک وہاں ہی قیام رکھا جائے اس میں یہ چال تھی کہ قیام کی مدت طویل ہو جانے سے لشکر کا رسد گھٹ جائے گا اور برسات ہونے سے حمل و نقل میں دقت پیدا ہو جائے گی اور شاہی لشکر ٹھیر نہ سکے گا ایسا ہی ہوا۔ بہت فوج کٹی اور کچھ بھوکے مرے۔ جب یہ واقعہ بادشاہ نے سُنا تو نجابت خاں کو تنزل کر دیا۔

عبدالرحیم خانخاناں کے پوتے مرزا خاں کو اُس کی جگہ سپہ سالار کر دیا۔

اس سال جھجار سنگھ بندیلہ اور اس کے بیٹے بکرماجیت نے دوبارہ بغاوت کر دی شہزادہ اورنگ زیب کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔

۷ اربیع الاوّل کو بادشاہ دولت آباد روانہ ہوا اور ۵ رجمادی الاولیٰ کو بادشاہ موضع باری سے دکن کی طرف روانہ ہوا۔

نویں سال کے حالات سنہ ۱۰۴۵ھ

۲۵ ماہ جمادی الاولیٰ شاہی لشکر نے جھجار سنگھ قاتل شیخ ابوالفضل کے باپ بکرماجیت کے دادا نرسنگھ دیو کے بُت خانے منہدم کر دیئے۔

"قلعہ چنیر سنگمیر ناسک اور ترنگ فتح ہوئے۔ ملک گولکنڈہ میں خطبہ و سکّہ بادشاہ شاہجہاں کے نام کا جاری ہوا۔

دکن کی حکومت شہزادہ اورنگ زیب کے سپرد کی گئی۔

قلعہ اودسہ اور اودے گڈھ فتح ہوئے۔

دسواں سال ۱۰۴۶ھ

بادشاہ اجمیر گیا اور تالاب اناساگر کے کنارے محل شاہی میں قیام فرمایا۔
رسوم زیارت ادا کیں۔
مسجد روضہ کے پیچھے تعمیر کرائی۔
اس کے بعد آگرہ واپس آیا۔
حسینی ایران کی سفارت پر روانہ ہوا۔
شہزادہ اورنگ زیب کی شادی شاہنواز کی لڑکی سے ہوئی۔
قلعہ بھوجپور اس سال میں فتح ہوا اور تیسنا کے قلعہ بھی فتح ہوئے۔

گیارھواں سال سنہ ۱۰۴۷ھ

ولایت قندھار کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔
۱۷ ربیع الثانی کو اکبرآباد (آگرہ) سے دارالحکومت لاہور کی طرف کوچ کیا۔

بارھویں سال کے حالات سنہ ۱۰۴۸ھ

علی مردان کو صوبہ کشمیر کی صوبیداری عنایت ہوئی۔
شائستہ خاں کو پٹنہ کا صوبیدار مقرر کیا۔
افضل خاں کا ۱۲ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا۔
شاہزادہ شجاع کی شادی اعظم خاں کی لڑکی سے ہوئی۔
کابل کی طرف کوچ فرمایا۔ ۲۵ ربیع الثانی کو کابل سے لاہور واپس ہوا۔

تیرھویں سال کے حالات سنہ ۱۰۴۹ھ

علی مردان خاں کشمیر اور لاہور کا صوبیدار ہو گیا۔

ممتاز محل (زوجہ شاہجہاں) نے انہی دنوں پردہ کیا۔
اسلام خاں عہدہ وزارت پر فائز ہوا۔
یکم شعبان کو شاہ شجاع کے ہاں اکبرنگر (بنگال) میں لڑکا پیدا ہوا۔ نام سلطان
زین الدین رکھا گیا۔

چودھویں سال کے واقعات سنہ ۱۰۵۰ھ

بادشاہ نے سیر کے لئے کشمیر کی طرف اور وہاں سے لاہور کی طرف رُخ کیا۔
ممتاز محل کی بیٹی ثریا بانو بیگم نے انتقال کیا۔
قلعہ تاراگڑھ فتح ہوا۔
علی مردان خاں کو کابل کی صوبیداری پر مقرر کیا۔
کشمیر کا صوبہ شاہ قلی خاں کے سپرد ہوا۔

پندرھویں سال کے سوانح مطابق سنہ ۱۰۵۱ھ

یمین الدولہ آصف خاں خانخاناں سپہ سالار اعظم نے استسقا کی بیماری میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے شہر لاہور کے بالکل سامنے واقع ہے۔
کشمیر میں قحط پڑ گیا۔
شہزادہ مراد بخش کی شادی شاہنواز صفدری کی نیک بخت لڑکی سے ہوئی۔

سولھویں سال کے واقعات سنہ ۱۰۵۲ھ

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو روپوں میں تلوایا۔
شالامار باغ اور نہر اس سال تکمیل کو پہنچی۔

اسی سال ممتاز محل کا مقبرہ تاج محل پایہ تکمیل کو پہونچا جو تقریباً بارہ سال سے مکرمت خاں اور میر عبدالکریم کے زیر اہتمام تعمیر ہو رہا تھا۔ اس پر ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اور پرگنہ حویلی اکبرآباد اور نگرچند کے مضافات میں سے ۳۰ گاؤں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ تھی مقبرہ کے لئے وقف کر دئے۔

سترھویں سال کے احوال سنہ ۱۰۵۳ھ

شہزادہ اورنگ زیب کا لڑکا جس کا نام معظم خاں رکھا پیدا ہوا۔ ان ہی دنوں شاہزادہ مرادبخش کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینت النسار بیگم رکھا۔

آگرہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اسواسطے بادشاہ نے فتح پور سیکری کے محل میں قیام کیا۔

شہزادہ داراشکوہ بیمار ہو گیا اور اس کو صحت ہوئی۔

شیخ عبدالصمد سفیر شریف مکہ معظمہ کو طلائی پاندان، عطردان پیالہ اور طلائی سرپوش مع چار ہزار روپیہ نقد عنایت کیا۔

بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی حکیم داؤد جو ایران سے آیا تھا اس کو حکیم مسیح الزماں کے ساتھ شریک کر کے علاج کے لئے مقرر کیا اور بہت خیرات وغیرہ کی۔

اورنگ زیب نے گوشہ نشینی اختیار کی اور خان دوراں بہادر نصرت جنگ کو مالوہ سے دکن بھیجا۔

راجہ گج سنگھ راٹھور کا بیٹا امر سنگھ بارگاہ میں حاضر ہوا اور شام کو جبکہ صلابت خاں نوکران شاہی میں سے کسی سے بات کر رہا تھا تو اچانک امر سنگھ نے

کٹار اُس کے سینہ میں ماری جس سے اُس کا کام تمام ہوگیا۔خلیل اللہ خاں اور ارجن ولد راجہ بٹھل داس گور اور سید سال سالا بارھہ وغیرہ دوڑے اور اس کو مار ڈالا۔

اٹھارھویں سال کے احوال سنہ ۱۰۵۴ھ

اسی سال شاہی علم آگرہ سے لاہور اور وہاں سے کشمیر کی طرف بلند ہوئے۔

دارا شکوہ کے محل میں سلطان پرویز کی لڑکی کے شکم سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سپہر شکوہ رکھا گیا۔

راجہ جے سنگھ دکن کی حفاظت پر مامور ہوا۔

بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور اسی کی درخواست پر بادشاہ نے اورنگ زیب کو منا کر گوشہ نشینی سے نکالا۔

اُنیسواں سال ۱۰۵۵ھ

اس سال قلعہ گھمرو فتح ہوا

جاں نثار خاں پسر زبردست خاں کو شاہ صفی کی تعزیت اور شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی کی مبارکباد کے لئے ایران بھیجا۔

۲ ماہ بعد کشمیر سے لاہور واپس ہوا۔

۲۹ رمضان کو نورجہاں بیگم کا انتقال ہوگیا۔ لاہور میں اپنے بھائی آصف خاں کی قبر کے پاس دفن ہوئی۔

شاہزادہ شجاع کے یہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام زین العابدین تجویز ہوا۔

چونکہ بادشاہ کو قندھار اور سمرقند کے فتح کرنے کی بہت آرزو تھی اس واسطے کابل کی طرف کوچ کیا۔

بیسویں سال کے واقعات مطابق سنہ ۱۰۵۶ھ

اس سال بادشاہ لاہور واپس آیا۔

شہزادہ مراد بخش کی خطائیں معاف فرماکر سابق منصب عطا کئے۔

شہزادہ اورنگ زیب کو بدخشاں اور بلخ کی فتح پر مامور کیا۔

سعید خاں کو شہزادہ اورنگ زیب کی جگہ گجرات میں تعینات کیا۔

ستی خانم نے انتقال کیا۔ یہ طالب آملی کی بہن تھی یہ تقرب اور دیرینہ خدمت گاری کے اصول خوب جانتی تھی اور علم قرأت سے بھی واقف تھی ملکہ جہاں بیگم نے اس سے پڑھا تھا۔

اورنگ زیب یکم جمادی الاولیٰ کو بلخ پہونچا اور وہاں پر اس کو لڑنے کے بعد کامیابی ہوئی۔

اکیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۷ھ

مراد بخش صوبہ کشمیر کے انتظام کے لئے روانہ ہوا۔

اسلام خاں ناظم چار صوبہ دکن نے ۱۴ شوال ۱۰۵۷ھ کو انتقال کیا۔ اور اورنگ آباد میں مدفون ہوا۔

اورنگ زیب ہندوستان واپس آیا اور بلخ نذر محمد خاں کے پوتے قاسم ولد خسرو کے سپرد کیا۔

بادشاہ کابل سے لاہور آگئے اور اس کے بعد آگرہ واپس ہوئے۔

شہزادہ شجاع کابل سے آگرہ آیا اور صوبہ بنگال کی جاگیر اس کو عطا ہوئی

شہزادہ اورنگ زیب کو ملتان جانے کا حکم ہوا۔

قلعہ شاہجہان آباد مکمل ہوا۔ اس لئے بادشاہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور ۲۴ ربیع الاوّل ۱۰۵۸ھ کو بادشاہ دریائے جمنا کے کنارے والے دروازہ سے جو شاہ نشین محل کی طرف جاتا ہے داخل ہوا۔

ایک قندیل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر سید احمد سعید کے ہمراہ بھیجا اور مال تجارت گجرات سے بھی بھیجا جو شریف مکہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مستحقین میں تقسیم کیا گیا۔

بائیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۵۷ھ

صوبہ گجرات شاہزادہ دارا شکوہ کو مرحمت ہوا

باقی بیگ گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔

اڑلیسہ کا صوبہ جان بیگ بردی کو دیدیا گیا۔

شیخ ابو الفضل کے شاگرد شیخ عبد المجید لاہوری نے اس سال کے تاریخی واقعات مدون کئے۔

اس سال بادشاہ لاہور گئے۔

سرگروہ اعیان سلطنت اعظم خاں نے ۷۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

شاہ عباس ثانی حاکم ایران نے قلعہ قندھار کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے کابل کا رخ کیا۔ جو ایرانیوں نے فتح کرلیا۔

تیئسواں سال مطابق ۱۰۵۹ھ

شاہزادہ اورنگ زیب نے سعد اللہ خاں وزیر کے ہمراہ قندھار پہونچکر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور لڑائیاں ہونے کے بعد شاہزادہ اورنگ زیب واپس ہوجاتا ہے۔

چوبیسواں سال مطابق سنہ ۱۰۶۰ھ

اس سال بیگم اکبرآبادی محل کی بنوائی ہوئی مسجد کی تکمیل ہوئی۔

رمضان کے روزے افطار کئے (نہ رکھے) اور ساٹھ ہزار روپیہ فدیہ دیا۔

عبدالرحمٰن جو ولایت غور کا حکمراں تھا سبحان قلی خاں (سردار قلمان) نے اس کو قید کردیا اور بارگاہِ شاہجہانی میں پہونچایا۔ یہاں پر اس نے ملازمت اختیار کرلی۔

پچیسواں سال سنہ ۱۰۶۱ھ

سلطان روم کا سفیر محی الدین جو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھا۔ آیا۔

سعید خاں بہادر شاہی خانہ زاد غلام کا انتقال ہوگیا۔ اس کی جگہ لہراسپ کو مقرر کیا اور کابل کی صوبیداری پر سرفراز کیا۔

لاہور سے کابل کی طرف قندہار واپس لینے کے خیال سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب کو حکم ملا کر ملتان سے قندہار روانہ ہو۔

چھبیسواں سال سنہ ۱۰۶۲ھ

شاہزادہ اورنگ زیب نے قندہار پہونچکر آٹھ دن تک قلع فتح کرنے کے لئے اپنی امکانی کوشش کی۔

شاہ عباس نے بھی لشکر جمع کیا اور کوچ کیا۔ شاہزادہ اورنگ زیب نے یہ خبر پاکر واپسی کا نقارہ بجادیا۔

ستائیسواں سال سنہ ۱۰۶۳ھ

راج سنگھ ولد راتا جگت سنگھ شاہزادہ داراشکوہ سے وعدہ کے مطابق بہت سی فوج لیکر قندہار پہونچا اور قلعہ کے فتح کرنے میں بہت کوشش کی دولت نماں افغان

ہندوستانی فوج سے مل گیا۔ شاہ ایران نے بھی اپنی فوجیں بھیجیں مگر ہندوستانی فوج کو کامیابی نہیں ہوئی۔

شاہزادہ اورنگ زیب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام محمد اعظم رکھا۔

اس سال ایک مسجد سنگ مرمر کی مکمل ہوئی۔

سلطان روم کا سفیر دربار میں آیا۔

اٹھائیسواں سال سنہ ۱۰۶۴ھ

اس سال فیض آباد اور اجمیر کی طرف بادشاہ گیا۔

شاہزادہ داراشکوہ کو خاص خلعت بخشا۔

انتیسواں سال سنہ ۱۰۶۵ھ

سید محمد سعید اردستانی جس کا خطاب میر جملہ تھا اور عبداللہ شاہ قطب والی گولکنڈہ (دکن) کا مدار المہام تھا چغل خوروں نے قطب شاہ مذکور کا دل اس کی طرف سے منحرف کرادیا۔ مجبور ہو کر شاہزادہ اورنگ زیب کے وسیلہ سے آستانہ شاہجہاں کو اپنا ٹھکانا بنایا اُس نے ایک حکمنامہ قاضی عارف کشمیری کے ہمراہ صادر کیا کہ میر جملہ کو آنے سے نہ روکے۔

تیسواں سال سنہ ۱۰۶۶ھ

۱۲ جمادی الثانی کو سید اللہ خاں وزیر درد قولنج کی بیماری میں بعمر ۷۰ سال قضا کر گیا۔ اُس کے بیٹے لطف اللہ خاں کو سات سو ذات ایک سو سوار کا منصب عطا فرمایا۔

قاضی عارف کے پہنچنے سے پہلے قطب شاہ میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو قید

کرچکا تھا۔ اور اس کا مال و اسباب ضبط کرلیا تھا۔ اس لئے دوسرا فرمان محمد امین کی رہائی کے لئے جاری کیا۔ اور اورنگ زیب کو حکم دیا کہ اگر قطب شاہ اطاعت قبول نہ کرے تو اس کو سزا دینے کے لئے خود جائے اور شائستہ خاں صوبیدار مالوہ اور دوسرے دکن پر تعینات امیروں کو لکھا کہ سب شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور نگ زیب نے اپنے بڑے لڑکے سلطان محمد کو اس جانب روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا۔ قطب شاہ محمد امین اور متعلقین کو سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ اس کا مال واپس نہیں کیا تھا اس لئے سلطان محمد نے حیدر آباد کا رخ کیا۔ قطب شاہ خوف سے قلعہ میں بند ہوگیا اور محمد ناصر کو جواہرات کا صندوقچہ دیکر بھیجدیا۔ اس نے کچھ گستاخی سلطان محمد کے حق میں کی۔ جس کی بنا پر اس کو قید کرلیا اور حیدر آباد میں داخل ہو گئے۔ بہت سا سامان لوٹ کا جمع کیا ادھر سے شہزادہ اورنگ زیب قلعہ گولکنڈہ کی طرف روانہ ہوا اور قلعہ سے ایک میل فاصلہ پر پہونچ گیا۔ دشمن کی فوج بھی آپہونچی اور لڑائی ہوئی جس میں بہت سے دکنی مارے گئے۔ قطب شاہ نے گذشتہ سالوں اور سال رواں کی رقوم نذرانہ ادا کیں اور سلطان محمد سے اپنی بیٹی کے رشتہ کی بات چیت شروع کی اور اسی سال عقد نکاح ہوگیا۔

اسی سال جامع مسجد دہلی جس کی بنیاد ۱۰۶۰ھ میں رکھی گئی تھی پایہ تکمیل کو پہونچی اس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔

معظم خاں کا بیٹا میر محمد امین جو بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے برہانپور میں رکا ہوا تھا آستانہ سلطنت پہونچا اور خلعت اور خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔

عادل شاہ والی بیجاپور کا ۶ محرم کو انتقال ہوگیا اور غلام نے اپنے متبنیٰ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب اور دیگر امراء کو حکم ہوا کہ ان مقامات پر قبضہ کرلیں۔

دہلی میں طاعون پھیلنے کی وجہ سے بادشاہ نے ۲۰ ربیع الاوّل کو گنگا کے کنارہ پر گڈھ مکتیشر میں سیر و شکار کھیلنے کی طرف توجہ فرمائی۔ اور ۲۵ ماہ مذکور کو دہلی واپس آیا رستم خاں بہادر جنگ کو صوبہ کابل کے انتظامات پر لگایا۔

اکتیسواں سال سنہ ۱۰۶۷ھ

اس سال بادشاہی لشکر شہر فیض آباد (کشمیر) کی طرف روانہ ہوا اور اس کے بسانے اور تعمیر کا کام حسن بیگ خاں کے اہتمام سے پانچ لاکھ روپیہ سے انجام پایا۔ اور سید مظفر بارھہ اس کی نگرانی کے لئے مقرر ہوا جو پہلے سری نگر کے زمیندار کے متعلق تھا اور کچھ عرصہ سے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا تھا۔ زمیندار نے ڈر کر نذرانہ ادا کر کے اپنی عزت بچائی جموں کا راجہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ ایک مہینہ وہاں رہ کر دہلی واپس ۳ رجب کو آئے۔

علی مردان خاں معتمد سلطنت کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بڑے بیٹے ابراہیم خاں، اس کے بھائیوں اور رفیقوں کو درجہ کے موافق منصب عطا کیا۔

اس زمانہ میں قلعہ بیدر کی فتح حبشیوں کی تنبیہ اور قلعہ کلیان کی تسخیر عمل میں آئی ولایات بیدر مع اس کے مضافاتی علاقوں کے اور قلعہ رام گڑھ اورنگ زیب کو بطور انعام مرحمت فرمایا۔ اور تنخواہ سالانہ تین کروڑ روپیہ ہو گئی۔

بیدر کا نام مظفر آباد رکھا۔ جب عادل شاہ اور دوسرے سرکشوں کو یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کچھ چارہ نہیں تو یہ طے کیا کہ قلعہ بریندہ مع تمام متعلقات اور ملک دکن کے قلعے اور دیگر متعلقہ مقامات قبضہ میں دیدیں۔

اس سال بادشاہ کو پیشاب رک جانے کی بیماری لاحق ہوئی۔

تمام ممالک محروسہ میں اس سال زکوٰۃ معاف کردی۔

شہزادہ دارا شکوہ کا منصب زیادہ ہوا اور تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا۔
۱۲ ذی الحجہ کو اورنگ زیب کے یہاں شاہزادہ محمد اکبر پیدا ہوا۔
معظم خاں کو شاہزادہ اورنگ زیب سے تعلق رکھتے پر وزارت سے معزول کیا۔
رائے رایان کو امور وزارت پر مامور کر دیا۔
شاہزادہ داراشکوہ نے بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے کاروبار سلطنت کیا اور
تشریف لے جانے کی بادشاہ کو تحریک کی۔
۸ محرم ۱۰۶۸ھ بذریعہ کشتی (براہ جمنا) آگرہ روانہ ہوا۔ ۸ صفر کو گھاٹ سامی کی
رت میں پہنچکر نوروز یہاں قیام کیا۔ یہاں پہونچکر بیماری میں تخفیف ہوگئی۔ دو مہینے
ن میں بغیر دوا کے کھل کر پیشاب آنے لگا۔
۹ ربیع الاول کو شہزادہ داراشکوہ کے مکان میں تشریف لائے۔
دل رس بانو بیگم جو شاہزادہ اورنگ زیب کے نکاح میں تھی انتقال کرگئی۔
داراشکوہ کو صوبہ بہار مرحمت ہوا ہر منصب اور روپیہ کے انعام مرحمت ہوئے۔
جعفر خاں وزارت عظمیٰ کی خدمت سے سرفراز ہوا
ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سفر آخرت اختیار کیا۔
شہزادہ شجاع بنگال سے ایک بھاری لشکر کے ساتھ اکبرآباد پر چڑھائی کے ارادہ سے
انہ ہوا۔ اس لئے سلیمان شکوہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کے ساتھ لشکر روانہ کیا تاکہ اس
سزا دی جائے۔
مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کو منصب بڑھا کر اور انعام وغیرہ دیکر مالوہ کی صوبیداری
لگایا او شہزادہ اورنگ زیب کی مخالفت سے روک دیا۔

یکم ربیع الثانی کو بادشاہ قلعہ آگرہ میں اپنے محل میں تشریف لے آئے
گجرات میں شاہزادہ مراد بخش نے بادشاہ کی بیماری کا حال سُن کر سکّہ اور خطبہ اپنے نام کا جاری کر دیا۔ اور شاہی دیوان سیّد علی نقی کو قتل کر دیا۔
شجاع کے بجائے قاسم خاں کو احمد آباد کا گورنر بنا کر روانہ کیا۔

شاہجہاں - (نواب ممتاز محل کے بطن سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں)

- دارا شکوہ — پیدائش ۱۰۲۴ھ
  - سلیمان شکوہ
  - سپہر شکوہ
  - جانی بیگم
  - نامعلوم
- شجاع — پیدائش ۱۰۲۵ھ
  - زین الدین
  - بلند اختر
  - زین العابدین
  - دلپسند بانو
  - گلرخ بانو
  - خردمند بانو
  - خیر النساء
- اورنگ زیب — پیدائش ۱۵ ذیقعدہ اتوار ۱۰۲۷ھ
- مراد بخش — ۱۰۳۳ھ
  - ایزد بخش۔ دولت داد بانو
  - آسائش بانو
  - ہمراز بانو
- جہاں آرا بیگم — صفر ۱۰۲۲ھ
- روشن آرا بیگم — ۱۰۲۶ھ
- گوہر آرا بیگم — ۱۰۴۰ھ
- پرہیز بانو بیگم — یہ مرزا مظفر حسین صفوی کی بیٹی قندھاری محل کے شکم سے تھی ۱۰۲۰ھ

شاہجہاں کے دور کی تعلیمی ترقیاں

شاہجہاں کے عہد میں لاہور، احمد آباد، دہلی اور جون پور علم و تعلیم کے ایسے
مرکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات اور بدخشاں سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لئے ہندوستان
آتے تھے اس عہد میں باکمالوں کی مسند درس کو شہرت عام حاصل تھی ان کے مدرسے علم و
فن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایشیا میں مشہور تھے۔ لاہور میں مُلّا محمد یوسف اور مُلّا جمال لاہوری
کو شہرت حاصل تھی۔ مُلّا محمد فاضل بدخشانی نوعمری میں تحصیل علم کے لئے کابل آئے اور
ملا صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے توران پہونچے اور مُلّا مرزاجان شیرازی
کے درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد علم کی مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور یہاں
عقلی علوم کی تحصیل مُلّا محمد یوسف سے کی جنھیں عبد الحمید مصنف بادشاہ نامہ نے "سرآمدہ
اساتذہ زماں" کے لقب سے یاد کیا ہے اور نقلی و شرعی علوم و تفسیر و اصول کی تعلیم مُلّا جمال
لاہوری سے جنھیں عربیت میں "یگانہ روزگار" کہا گیا ہے حاصل کی اسی طرح ملا عبد اللطیف
سلطان پوری مُلّا جمال لاہوری کے شاگرد تھے اور عقلی و نقلی دونوں علوم میں دستگاہ
رکھتے تھے اور خصوصاً پڑھانے کا طرز نہایت پسندیدہ اور دلنشین تھا۔ اس زمانہ
میں لاہور کے ایک دوسرے مشہور اُستاد ملا عبد السلام دیوی تھے انہیں معقول و
منقول و ادب سب میں دست رس حاصل تھا۔ تقریباً ساٹھ سال درس تدریس کی
خدمت میں مصروف رہے۔ شاہجہاں نے اُن کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ملا میرک
عنفوانِ شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور ملا عبد السّلام کے شاگردوں کے
زمرے میں شامل ہو گئے۔ ملا خواجہ بہاری بھی عنفوان شباب میں اپنے والد ملا سعد

پٹنوی سے علوم کی تحصیل کرنے کے بعد مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور تحصیل علوم سے
فارغ ہو کر دربار سلطانی سے وابستہ ہوئے ۔

سیالکوٹ میں مُلا کمال کشمیری کی مسند درس قائم تھی معقولات کے مشہور
ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ان ہی کے دامن فیض کے تربیت یافتہ تھے۔ شاہجہاں نے
کی مدد معاش کا معقول انتظام کیا اور انھوں نے اپنی مشہور تصنیفات اُس کے
سے معنون کیں ۔

مُلا عبدالحکیم کے بعد اُن کے صاحبزادے اپنے والد کی مسندِ درس پر بیٹھے
مُلا محمد فاضل جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے لاہور سے عقلی ونقلی علوم کی تحصیل کے
دارالسلطنت دلی پہونچے ۔ ابتداءً عہدۂ قضا پر مامور رہے پھر دلی میں درس وتد
کی خدمت انجام دیتے رہے ۔ شاہجہانی دربار سے اُن کا بھی معقول وظیفہ جاری
تھا بنسر (پنجاب) میں ایک مدرسہ شیخ چلّی کے نام سے مشہور تھا ۔ اُ
دارا شکوہ نے ۱۰۶۵ھ میں تعمیر کرایا تھا سکھوں کے زمانہ میں اس عمارت میں گردوا
گیا اور اس کے قریب جو شیخ چلی کی درس گاہ تھی اُسے گردوارہ بنا دیا گیا۔

مُلا عبداللہ کی مسند درس اسی زمانہ میں شہر بہار میں بچھی ہوئی تھی ۔ اُن
صاحبزادے ملا محی الدین معروف بہ مُلا موہن بہاری نے اس مدرسہ میں ۹ سال کی
میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی او
مدرسہ میں درس وتدریس کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے رہے ۔ پھر شاہجہاں کی ملازم
کرلی ۔ شاہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی ۔ پھر وطن میں قیا
اختیار کیا اور ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰۸۰ھ میں وفات پائی ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مسند درس شاہ جہاں کے ہی عہد میں قائم ہوئی
احمد آباد گجرات میں میر محمد ہاشم درس و تدریس میں مشغول تھے۔ خصوصاً علم طب میں شہرت
حاصل کی۔ شاہ جہاں نے اُن کا وظیفہ جاری کیا۔ پھر شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی
تعلیم کے لئے دلّی بلائے گئے۔

شاہ جہاں نے "مسجد اکبر آبادی" کے نام سے ایک مسجد ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کرائی
اور اُس سے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں طالب علموں کے وظیفے بھی مقرر کئے
گئے۔ سرسید مرحوم نے اس شکستہ حال مسجد کا کتبہ نقل کیا ہے جس میں یہ عبارت بھی ہے

"اگر بہ مرمت ایں اماکن احتیاج افتد آنچہ از حاصل ایں موقوف بعد الترمیم
باقی ماند بہ خدمت مسجد و حمام طالب علم رسانند والا تمام را طماعہ
سطور بہ دہند۔[1]

شاہ جہانی عہد میں ملا عبدالوہاب بن برہان الدین نبیرہ خواجہ یعقوب چرخی
جو بڑے صاحب فضل و کمال تھے زبدۃ الفقہا جن کی تصنیف ہے انھوں نے قلعہ
ولاور مضافات ملتان میں مدرسہ قائم کیا اور خود درس دیتے تھے۔[2]

نومسلموں کی تعلیم کا انتظام

اکبری دور میں ہندو مسلموں کی باہمی شادی کا زیادہ رواج ہو گیا تھا۔ مسلمان
لڑکیاں ہندوؤں کے عقد میں چلی گئی تھیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے ایسے نکاح صحیح

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان [2] خزینۃ العلماء قلمی ص ۱۲۔

نہیں سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے شاہ جہاں نے اُن کے شوہروں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں یا تبدیل مذہب کرلیں۔ ایسے بہت سے شوہروں نے تبدیل مذہب کو ترجیح دی۔ اس طرح نومسلموں کی خاصی تعداد اکٹھی ہوگئی۔ اس تحریک کا بانی جوجکھو نام کا ایک زمیندار تھا۔ وہ خود بھی مسلمان ہوگیا تھا۔ شاہ جہاں نے ایسے نومسلموں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا۔ اور اُن کے لئے معلم مقرر کردیئے تھے[1]

نیز فوج میں مختلف ملکوں کے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے۔ ان سے ملک کے گوشہ گوشہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیلی[1]

---

[1] عہد اسلامی کا ہندوستان

شاہنشاہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر

حضرت اورنگ زیب صاحبقران اعظم شہاب الدین شاہجہاں کے تیسرے لڑکے تھے جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ دوہد (مالوہ) میں ممتاز محل دختر آصف جاہ مشہور ملکہ نورجہاں کی بھتیجی کے بطن سے تولد ہوئے۔

جہانگیر نے شاہجہاں کی بے عنوانی پر بطور یرغمال دارا شکوہ اور اس کے چار برس کے بچے کو اپنے پاس رکھا۔ زیر نگرانی نورجہاں ان دونوں کی تربیت ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر خلد بریں کو سدھارے۔ شاہجہاں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ یہ دونوں پانچ سال بعد اپنے ماموں آصف جاہ کے ہمراہ لاہور سے آگرہ باپ کے پاس آ گئے۔

تعلیم بقول مولانا فضل امام خیرآبادی ملا ابوالواعظ ہرگامی سے ابتدائی تعلیم کے منازل طے کئے[1] علم و ادب مولوی سید محمد قنوجی سے حاصل کیا[2]۔ مولانا عبداللطیف سلطان پوری، ملا محی الدین بہاری۔ ملاجیون[3] شیخ عبدالقوی۔ دانشمند خاں[4] اور علامہ سعد اللہ خاں کی شاگردی کی۔ بعد تحصیل علم ہر قسم کے عیش و آرام کو ترک کر کے کتب خانہ میں وقت صرف ہوتا تھا۔ کتب بینی سے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل ہو گئی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے۔

قبلہ عالم کے کمالات کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علوم دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے۔ جہاں پناہ کو حضرت امام غزالی

---

[1] آمدنامہ میگزین ہوشاریکل سوسائٹی ص ۵۴ [2] مآثر عالمگیری ص ۱۲۵ [3] تذکرہ علمائے ہند [4] مآثر الامراء ج ۲ ص ۳۲

کی تصنیفات شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات اور شیخ شمس الدین وقطب الدین محی الدین شیرازی کے رسائل سے خاص شوق تھا اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں[۱]۔

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھے ۴۵ سال کی عمر میں کلام پاک ایک سال میں حفظ کرلیا۔ فن خطاطی سید علی خاں حسینی جواہر رقم اور عبدالباقی حداد سے سیکھا۔

مراۃ العالم میں ہے۔

در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ

عہد شاہزادگی عہد شاہزادگی میں یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ایک کام کی خود نگرانی رکھتے تھے۔ شہر کی خبروں سے باخبر۔ باہر کے آنے جانے والوں پر جاسوس لگائے رہتے تھے۔ بازار کی ہر جنس کا نرخنامہ روزانہ اپنے پاس منگاتے مختلف اضلاع کے لوگوں کے مذاق دریافت کرتے افسران فوج کی بڑی عزت کرتے تھے اپنے عادات واطوار اور تیز قیافہ ظاہری کے باعث خواہ مخواہ ایک بڑے اونچے درجے کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ عقیل، دور اندیش۔ جری مستقل مزاج اور سب سے زیادہ یہ کہ بڑے محنتی اور بے حد جفاکش تھے۔

بہادری چودہ سال کی عمر تھی شاہجہاں قلعہ آگرہ کے جھروکے سے مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ شہزادے گھوڑوں پر مصروف نظارہ تھے اورنگ زیب محویت کے عالم میں ہاتھیوں کے پاس پہونچ گئے۔ ان پر ایک ہاتھی

---

[۱] آثر عالمگیری ص ۳۸۸

حملہ آور ہوا۔ شاہزادے نے پیچھے ہٹنے کی بجائے نیزے سے ہاتھی کی پیشانی کو زخمی کیا۔ بادشاہ معہ تماشائیوں کے بے قرار ہوگئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی مگر وہ ہٹنے کی بجائے اور خشمناک ہوکر شاہزادے پر گرا، وہ گھوڑے سے نیچے آرہے مگر مردانہ وار اُٹھ کر تلوار سے مقابلہ کیا۔ شاہزادہ شجاع بھائی کے بچانے کے لئے بڑھا مگر اُس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ بھی نیچے آرہا۔ اس اثناء میں ہاتھی اپنے مدمقابل کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس طرح اُن کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرطِ محبت سے سینے سے لپٹا لیا۔ اُن دونوں کو اشرفیوں سے تولا اور غربا میں تقسیم کی گئیں۔

قدردانی علماء عالمگیر علماء و فضلاء کے قدردان تھے۔ ملا عبداللہ سیالکوٹی کے علم و فضل کا شہرہ سُنکر بادشاہ نے اُن کو دوران اقامت اجمیر خود خط لکھکر خدمت صدارت تفویض کرنے کے لئے بُلایا۔ اُنھوں نے لکھا اب فراق کا وقت ہے نہ کہ تحصیل شہرت کا۔ بہرحال حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اجمیر پہونچے۔ بادشاہ چند روز اُن کے ساتھ صحبت گزیں رہے حضرت خواجہ کی زیارت سے مستفیض ہوچکنے کے بعد وطن جانے کی رخصت حاصل کی اور راہ میں اصلی وطن رخصت ہوگئے۔ بادشاہ نے اُن کے چاروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔ ایک دفعہ عالمگیر میاں عبداللطیف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سو مواضع آپ کی خانقاہ کے مصارف کے لئے مقرر کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے فرمایا۔ ؎

شاہ ما را دہ دلا منت نہد   رازق ما رزق بے منت دہد

عالمگیر نے عرض کیا آپ کا فرمانا بجا ہے مگر اہل اللہ کی خدمت خیر و برکت کے ازدیاد کے لئے کی جاتی ہے۔ میاں صاحب نے کہا نیت بخیر ہے تو جو کچھ رعایا سے غلہ لیتے ہو اُس

سے نصف کم لو۔ محنت کش مزدوروں سے اس سے بھی کم وصول کرو اور متوکل لوگوں کو وظیفے دو۔ مظلوموں کی دادرسی کرو۔ کسی کا حق تلف نہ ہونے دو پھر دیکھو کہ دولت اور نعمت میں کیسی ترقی ہوتی ہے۔

بزرگانِ دین سے عقیدت

عالمگیر علماء اور صوفیا سے بڑی حسن عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳ محرم ۱۰۵۰ھ کو ایک پہر رات گئے باغ حیات بخش کی راہ میں جہاں شیخ سیف الدین سرہندی کا مسکن تھا ان کے مکان پر اورنگ زیب پہنچے اور ایک گھڑی ان سے سلوک و معرفت کی باتیں کیں اور شیخ کے اقربا کی معاونت کی۔ اور ان کو دربار سے منسلک کیا اور مکان لوٹ آئے۔

مزارات پر حاضری

ہمایوں اور شیخ نظام الدین اولیاؒ و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزارات پر حاضری دی ہر سہ مقامات کے خدام کو انعام و اکرام سے نوازا۔ دلّی سے آگرہ ۱۷ رجب ۱۰۸۱ھ کو گئے۔ تاج محل میں حاضر ہو کر ماں باپ کے مزارات کی زیارت کی اور ۴۵ ہزار روپیہ خادموں کو عطا کیا آگرہ سے دلّی رخصت ہوئے شکار کھیلتے ہوئے یکم شعبان ۱۰۸۲ھ کو خضر آباد پہونچے اور ۴ مارچ کو خواجہ بختیار کاکی اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار پر حاضر ہوئے طواف کر کے خدام کو ڈیڑھ ہزار روپیہ انعام دیا پھر دولت سرا میں داخل ہوئے۔

جنگ میں شرکت

اس کے بعد بندیلیوں کی جنگ میں شرکت کر کے خوب داد شجاعت لی پھر پنجاب میں صوبہ دار بنا قندہار اور بدخشاں میں جوہر مردانگی دکھائے۔

اورنگ زیب بدخشاں میں ازبکوں سے لڑ رہے تھے۔ پتھروں کی بارش

ہو رہی تھی۔ تلواریں چمک رہی تھیں۔ عین اس کشت وخون میں نماز کا وقت آگیا۔ میدان جنگ میں نیت باندھ کر خدا کی عبادت میں لگ گئے۔ ازبکوں کے سردار عبدالعزیز خاں نے پچیس چھبیس سال کے جوان کی یہ شان اسلامیت دیکھی تو وہ مبہوت ہوگیا۔ اسی وقت اپنے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیا اور کہا کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ اس کے بعد سیاسی زندگی کچھ دن کے لئے ترک کردی تھی بعد میں دکن کے صوبہ دار بن گئے۔

سوانحات سنہ ۱۶۵۷ء میں شاہجہاں بعمر ۶۷ سال سخت علیل ہوا۔ لوگوں کو زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس وقت بسبب ولیعہدی کے داراشکوہ اس کے پاس تھا اور شجاع بنگالہ کا، داور بخش گجرات کا اور اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار تھا۔ باوجود یکہ داراشکوہ نے خبر علالت بادشاہ کو چھپانا چاہا مگر سب کے پاس پہونچ گئی۔ شجاع بنگالہ سے چل پڑا۔ مگر بنارس کے پاس داراشکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ سے شکست کھا کر واپس گیا اورنگ زیب نے بھی نقل وحرکت شروع کی داور بخش کو بھی ساتھ لیا۔ ادھر سے داراشکوہ کے لشکر نے اجین میں جا کر روکا۔ مگر سردار فوج راجہ جسونت سنگھ کے شکست کھانے سے شاہزادوں کا لشکر آگے بڑھ گیا حتیٰ کہ آگرہ ایک منزل کے تفاوت سے رہ گیا۔ اسی جگہ داراشکوہ ایک لاکھ سوار جرار اپنے ساتھ لے کر خود میدان جنگ میں آیا اور مقابلہ کیا۔ ادھر راجپوت جانیں توڑ کر لڑ رہے تھے اور ادھر اورنگ زیب اپنے سپاہیوں کی جرأت کو "اللہ معکم" کے نعرے مار مار کر بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے راجہ جسونت سنگھ نے مراد پر حملہ کیا۔ مراد نے اس کا بھالا تلوار پر روک کر ایک ہی تیر سے مار ڈالا۔ راجہ روپ سنگھ اورنگ زیب کے ہاتھی کے ہودہ کا رسہ کاٹنے میں قتل ہوا۔

ہاتھی کے زخمی ہونے کے باعث داراشکوہ کو نیچے اُترنا پڑا۔ راجپوت ایک جانب کھیت ہو ہی رہے تھے داراشکوہ کے نظر سے غائب ہوتے ہی سب کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی کا نتیجہ برعکس نکلا۔ یہ رنگ دیکھ کر داراشکوہ فرار ہو گیا اور شرم سے باپ کے سامنے نہ گیا۔ بیگم اور لڑکوں کو لے کر سیدھا لاہور روانہ ہو گیا اور پھرتا پھرا۔ اورنگ زیب نے آگرہ پر تسلط کیا۔ باپ معزول ہو کر نظر بند ہوئے۔ خود ۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ ۱۰۶۹ھ میں رسم تخت نشینی ادا کی۔ خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا جشن نوروزی ماہ رمضان میں مقرر کیا اور "جشن نشاط افروز" نام رکھا۔ محصول راہداری اور تمام اجناس کا ہمیشہ کے لئے معاف کیا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ خیرات کے لئے ۶ لاکھ ۳۰ ہزار کے تحفے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ارسال کئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار کی لاگت سے قلعہ میں سنگِ مرمر کی مسجد تعمیر کرائی۔ قلمرو میں غربا کے لئے لنگر خانے کھلوائے گئے۔ ۷۱ھ داراشکوہ شکست خوردہ اپنے خادم اجودھن کے حاکم ملک جیون خاں کے پاس پہونچا اس نمک حرام نے دھوکے سے گرفتار کیا اور دہلی لایا گیا بجرم ارتداد قتل کیا گیا۔ اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ گرفتار کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد مراد بخش بھی تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد آٹھ سال نظر بند رہ کر ۱۶۶۶ء میں شاہجہاں نے دنیا کو خیر باد کہا۔ ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۱ھ سے دکن کی طول طویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے عالمگیر کو بقیہ عمر کے چھبیس سالوں میں مطلق فرصت نہ ملی۔ بیجا پور کو ۱۶۸۶ء میں گولکنڈہ کو ۱۶۸۷ء میں فتح کر کے عادل و قطب شاہیہ سلطنتوں کو زیر نگیں لے آئے۔ لیکن مرہٹہ طاقت زیر سرکردگی سیواجی جس کا پیشہ رہزنی تھا۔ ابوالحسن "تاناشاہ" کی اعانت سے روز بروز برسرِ عروج ہونے لگی۔

عالمگیر کا اکبر سے زیادہ تمام ہندوستان پر کامل تسلط ہو گیا۔ سلطنت نہایت عروج پر تھی۔ مشرق میں تمام بنگال مع گرد و نواح کے داخل علداری تھا اور مغرب میں پنجاب اور افغانستان کے علاوہ کشمیر کے اس پار چھوٹا تبت تک شامل ہند تھا۔

اصلاحاتِ ملکی

محکمہ احتساب بسرکردگی ملا عوض وجیہ اور شنجامیاں گوپاموی محتسب اچین وغیرہ قائم کیا گیا۔ مسکرات کا استعمال موقوف ہوا اور اس کی آمدنی ناجائز قرار دی گئی۔ شرعی وکیل ممالک محروسہ میں شامل کئے گئے۔ پرچہ نویسی کا باضابطہ اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ رقص و سرود خلاف شرع رسوم وغیرہ قطعاً بند کر دی گئیں۔ راستہ و سڑکیں محفوظ کی گئیں کہ رہزن مسافروں کو پریشان نہ کر سکیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ محتاجوں کو مقرر کیا گیا۔ ہجڑا بنانے کی رسم قطعاً بند کی گئی۔ شیوناتھ کے مندر کاشی میں جو براہم کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ منہدم کئے گئے۔ اس کے بعد عالمگیر نے اپنے میر منشی رائے چندربھان کی سفارش سے بعد حکم دینے انہدام مندر بنارس کے یہ فرمان جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ آئندہ کے لئے ممانعت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر بجائے اس کے مسجد تعمیر نہ ہو۔

بنارس کے مندر کے پجاریوں کے متعلق فرمان اورنگ زیب

فرمان:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منشور لامع النور اورنگ شاہ بہادر غازی۔

محمد اورنگ زیب شاہ بہادر غازی ابن صاحبقران ثانی

لائق العنایۃ والرحمۃ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بودہ بداند کہ چوں

بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمت والانہمت و تمامی ست حق
طویت ما بر رفاہیت جمہور انام و انتظام احوال طبقات خواص و عوام
مصروفیت و از روئے شرع شریف و ملت منیف مقرر چنین است
کہ دیدہا و برہمن بر انداخت نشود و بتکدہ ہا تازہ بنا نیابد و دریں ایام
معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع اعلیٰ رسید کہ بعض مردم
از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنہ قصبہ بنارس و برخے امکنہ دیگر کہ
نواحی آں واقعیست و جماعۂ برہمناں سدنۂ آں محال کہ سدانت
بت خانہ ہائے قدیم کہ آنجا بایشاں تعلق دارد مزاحم و متعرض می شوند
و می خواہند کہ ایناں را از سدانت آں کہ از مدت مدید بایشاں
متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقہ حال ایں
گروہ می گیرد لہٰذا حکم والا صادر شود کہ بعد از ورود ایں منشور
لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بے حساب تعرض و تشویش
باحوال برہمناں و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نرساند تا آنہا بدستور
ایام پیش بجا و مقام خود بودہ بجمعیت خاطر بدعا بقائے دولت
خداداد ابد مدت ازل بنیاد قیام نمایند۔ دریں باب تاکید دانند
بتاریخ ۱۵ ماہ شہر جمادی الثانیہ سنہ ۱۰۶۹ھ۔

مفاد منشور

ابوالحسن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ
التفات کے امیدوار کو جاننا چاہیئے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکارم

جبلی کے اقتضا سے یا دولت و اقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق آسودہ رہے اور رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ شریعت غرا کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے بتکدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جا سکتی لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جا سکتے ان ایام عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے گوش زد ہوتی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقے کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور لامع النور کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور اُن کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد ابد مدت و ازل بنیاد کے حق میں مشغول دعا رہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

معافی | تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا زائد محصول سائر معاف کیا گیا۔

وسعت سلطنت کراچی بندر سے لے کر آسام کی مشرقی حدود۔ کوہ ہمالیہ سے لے کر بحر ہند کی سطح تک سلطنت کی وسعت پہنچ گئی تھی (عالمگیر کے عہد میں صوبجات ہند کا رقبہ برطانیہ کے رقبہ کے مساوی تھا۔

محاصل ۱۶۹۵ء میں کل مالگذاری اسی کروڑ روپیہ تھی۔

صنعت و حرفت صنعت و حرفت و تجارت کو بھی فروغ تھا صرف ایک پارچہ بافی کو اس قدر ترقی تھی کہ تمام ہندوستان کے لئے کافی ہونے کے بعد ممالک غیر کو بھی جاتا تھا۔

ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر سکتے تھے اسی تجارت و مال کی درآمد و برآمد کا یہ نتیجہ تھا کہ صرف ایک شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی۔ اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کی آمدنی تھی۔ سورت کے ایک تاجر عبدالغفور نامی جس کا سرمایہ تجارتی ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔

معافی محصول عالمگیر نے محصول راہداری کا تمام غلوں سے تا حصل کل اجناس کو افادہ عام کے واسطے دوامی معاف کر دیا تھا۔

پیمائش اکبر کے عہد میں جو آراضیات پیمائش ہونے سے بچ رہی تھیں اس کی پیمائش کرائی۔ خلافی خاں لکھتا ہے کہ ۱۰۶۶ھ سے بیس برس کے زمانہ میں ممالک دکن کی پیمائش ختم ہوئی اور اس کی جمعبندی اکبری اصول پر مقرر کی گئی

ٹیکس خانہ جنگیوں سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ محاصل برباد ہو گئے تھے سلطنت کے کاروبار چلانے کے لئے دقت تھی۔ اورنگ زیب نے

جہاں تک ہو سکا کوشش کی مگر آخر مجبور ہو کر ہندو مسلمان دونوں پر ٹیکس جاری کر کے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا۔ یہ عام ٹیکس جو آجکل کے ٹیکسوں کے مقابلے میں آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے، صرف مالی مشکلات میں پھنس کر بادشاہ نے عائد کئے تھے۔

مذہبی رواداری

عہد عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان ہملٹن اپنے سفرنامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے۔

"ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں۔ تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ ستی ہوں۔"

بے تعصبی

ہندو اور عیسائی ہندوستان میں امن و آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حتیٰ کہ شراب خواری وغیرہ صرف مسلمانوں کے لئے ممنوع تھی اوروں کے لئے منع نہ تھی۔ عیسائیوں کے معبد دارالخلافہ میں تھے اور بے روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں چاہے جو کریں کوئی پرسش نہ کی جاتی تھی ان کے تیوہارات اور رسوم میں مطلق دخل اندازی نہ کی جاتی تھی۔ برنیر فرانسیسی سیاح اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے

"اورنگ زیب خاندان تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ تھا بڑا

معاملہ فہم اور تدبر ملکی میں نہایت ہوشیار تھا دلجوئی میں اُس نے کسی طرح کوتاہی نہ کی اور نہ اکبر جیسی قابل اعتراض دلجوئی"۔

صرف اوقات

عالمگیر اعظم اپنی حکومت کی مصروفیتوں میں اپنے باپ دادا سے سبقت لے گیا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کراری عالمگیر کے پیرانہ سالی عہد کا ذکر لکھتا ہے۔

"وہ صاف سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اُس کی پگڑی میں زمرد کا ایک بڑا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا تھا اور اُنھیں بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اُس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیتوں سے نہایت شاداں و فرحاں ہے"۔

صبح

عالمگیر صبح صادق سے پہلے بیدار رہتے۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو، غسل کر کے نوافل ادا کرتے۔ دیوان خاص کی مسجد میں حاضر ہو کر قبلہ رو بیٹھکر منتظر صلوٰۃ فجر رہتے۔ موذن کی اذان پر سنتِ موکدہ ادا کرتے، محلات کے خواجہ سرا مسجد میں جمع ہو جاتے اور سب مل کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خلوت گاہ

اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بعد ازاں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ بعد نماز چاشت مسجد سے خلوت گاہ میں آتے۔

تا چاشت گاہ بایں دو مشغول می باشند و بعد از فراغ قرین بخت و سعادت و کامیاب فیض عبادت ازاں معبد ہمایوں برآمدہ

بخلوت گاہ عزوجاہ کہ نشیمن خاص آں حدیو آگاہ است شرف قدوم می بخشند"

طریقت سے لگاؤ عالمگیر نے سلوک وطریقت کی بھی تعلیم پائی حضرت محمد معصوم کے رشد وہدایت سے مستفید ہوتے تھے۔[۱]

مآثر عالمگیری میں ہے کہ :۔

حضرت خلد مکان ...... ہمیشہ باوضو رہتے تھے اور کلمہ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے .... ایام بیض کے روزوں کے بے حد پابند تھے اور ہفتہ میں دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے۔

زکوٰۃ کے ادا کرنے میں خاص اہتمام فرماتے ماہ صیام میں دو پہر رات گذرنے پر بیدار اور علماء و اولیاء کے ساتھ ذکر و عبادات میں مشغول رہتے تھے۔ عشرۂ آخر میں معتکف رہتے خانہ کعبہ ہر سال رقم وافر ارسال فرماتے۔

عدل امرار خاص و مقربان معتبر حاضر حضور معلی ہو کر مجرا بجا لاتے ہیں۔ بادشاہ عدل پرور جلوہ گستر ہوتا۔ عدالت کے داروغے مظلوموں اور دادخواہوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتے۔ مقدمات کا انفصال بروئے شریعت امیر و غریب آقا و غلام سب کے لئے مساوی تھا۔ ڈاکٹر لین پول اپنی تصنیف اورنگ زیب

---

[۱] خزینۃ الاصفیا ص ۴۷۰۔

میں لکھتا ہے کہ :-

مغل اعظم اورنگ زیب اعظم ہے - جچے تلے انصاف سے عموماً فیصلے تجویز کرتا ہے ۔ اس کے حضور میں سفارش اور امارت کی کوئی پیش نہیں جاتی اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اسی مستعدی سے سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیروں کی -

" ارباب تظلم و استغاثہ کہ جمع دلائل سکنت و اضطرار و شمائل احتیاج و افتقار از جبیرہ احوال بیان نمودار باشد از خزانہ احسان بیکراں دامن و امید بہ نقد مقصود آزمودہ فیض اندوز فضل و مکرمت می گردند"

دربار عالمگیری میں روک ٹوک نہ تھی ہر کوئی اپنا حال بادشاہ کے حضور میں عرض کر سکتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سنتا تھا ۔ صدہا افسانے عدل عالمگیری کے مشہور ہیں - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرزا کام بخش کے کوکہ پر قتل کا الزام عائد ہوا ۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں اس کی تحقیق کی جائے اور دوران تفتیش میں اسے حراست میں رکھا جائے - مرزا کام بخش (جو عالمگیر کا چہیتا بیٹا تھا) کو پتہ چلا تو اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا ۔ عالمگیر کو بھی اس کا علم ہوا - اس نے مرزا کام بخش کو دربار میں طلب کیا ۔ کام بخش اپنے کوکے کو بھی ساتھ لایا اور اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کو ایک منٹ کے لئے بھی جدا نہیں کر سکتا ۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ دونوں کو حراست میں لے لیا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا - ڈاکٹر لین پول لکھتا ہے کہ

" اس کی پچاس سالہ حکومت کے طول طویل عرصے میں اس سے ایک بھی ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہوا - یہاں تک کہ ہندوؤں کے خلاف

انصاف روپذیر نہ ہوا۔"

جھروکہ درشن درشن ایک دیرینہ رسم تھی۔ عالمگیر نے ۱۰۷۱ھ تک اس پر عمل کیا۔ اس کے بعد حکماً بند کر دیا کہ عوام ہندو خوش اعتقادی کے جوش میں درشن کو مثل پوجا سمجھنے لگے تھے۔

" درزمان بادشاہان سلف بغایت آں سال جھروکہ درشن مقرر بود کہ بادشاہ باوجود عارضہ بدنی برائے جمنائے اکبرآباد شاہجہان آباد ساختہ بودند سر از جھروکہ بدمی آوردند سوائے امرائے مجرئی آں وقت چندے یک آدم از زن و مردے ہمہ قوم پائے جھروکہ فراہم آمدہ بادشاہ بجامی آوردند و بسیارے از قوم ہنود بودند۔ بدرشن و مشہور یعنی تاصورت بادشاہ را در پائے جھروکہ درشن نمی دیدند۔ بہ ہیچ چیز از ماکولات در دہن نمی انداختند۔ حضرت دین پرور آں را نیز از جملہ ممنوعات و مانع شرع دانستہ در پائے جھروکہ نشستن وخوت نمودہ حکم منع فراہم آمدن آں انبوہ را فرمودند۔

معائنہ فوج بادشاہ فوج کا معائنہ کرتا اور جماعت کی بھی دیکھ بھال کرتا جو نماز جمعہ کے جلوس میں اس کے ہمرکاب ہوتی تھی۔ عالمگیر کے لشکر میں دس لاکھ فوج رہتی تھی۔

جنگ پیلاں داروغہ فیل خانہ تو گرفتار ہاتھی حضوری میں معائنہ کے لئے لاتا اور ہاتھیوں کی تواعد دکھلاتا اور بعض اوقات بادشاہ کے اشارے پر ہاتھیوں کی کشتی کرائی جاتی۔

وبعضے اوقات باشارہ معلی فیلان کوہ تمثال فلک شکوہ سیاہ مستے
بارادہ جنگجوئی وعربدہ خونی الجثہ باشند۔ ازیک زنجیر تا پنج زنجیر
بقدر خواہش طبع اقدس دراں میدان وسیع جنگ اندازند۔

دیوان عام معائنہ فوج وغیرہ کے بعد بادشاہ دیوان عام میں آتا اور تخت پر جلوہ افروز ہوتا امرا اور وزرار اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے صف بستہ کھڑے ہوجاتے۔ موکب شاہی ارد گرد اور علم بردار بائیں جانب ایستادہ ہوتے۔ بخشی بادشاہ کے حضور میں افسران فوج اور دیگر عہدہ داران لشکر کو درجہ بدرجہ پیش کرتا۔ سلطنت کے بڑے منصب داروں کی تقریب بھی بخشی کے ذریعہ ہوتی اس کے بعد درخواستیں پیش ہوتیں خود معاملے کی تفتیش کرکے حکم نافذ کرتا۔ میر آتش توپخانہ متعلقہ امورات فوج وزیر اعظم کے ذریعہ حضوری میں پیش کرتا۔ اُس کے بعد صدر کل ممالک محروسہ ایک مکمل اور مجمل رپورٹ دربار شاہی میں پڑھتا۔ رعایا کی بہبودی کا لحاظ زیادہ رکھا جاتا۔ جاگیریں عطا ہوتیں۔ علمار اور فضلار کے حقوق کی پاسداری کی جاتی تمام امور عامہ اور ترقی تنزل کے مجملہ مراتب طے ہوتے۔ دو گھنٹہ کے اندر اندر یہ کام اختتام پذیر ہوتے۔

دیوان خاص بادشاہ گیارہ بجے کے قریب دیوان خاص میں تشریف لاتا یہاں سلطنت کے خاص امور دینی و دنیاوی سرانجام پاتے۔ امرا، وزرار خدام وحشم ایک ایک کرکے باریابی کا شرف حاصل کرتے وزیر اعظم صوبوں کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا۔ عالمگیر ان سب پر احکام جاری کرتا۔ بعض معاملات میں وزرار کو ہدایت دیتا۔ اور وہ اس کے بموجب فرمان

تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے وہ پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد انھیں صاف کراتا اور پھر اپنے ہاتھ سے مہر ثبت کرتا - اکثر فرامین خود لکھتا "فیاض القوانین" میں بیشتر فرمان خود عالمگیر کے لکھے ہوئے ہیں -

مراحم خسروانہ عموماً بادشاہ دربار خاص میں امراء جو عتاب شاہی میں مبتلا ہوکر آتے اُن پر نوازشات کرتا - سیواجی بادشاہی گوشمالی سے مجبور ہوکر بذریعہ راجہ جے سنگھ اپنی سفارش لے کر حاضر ہوا اور تمام پچھلی خطائیں معاف کرانی چاہیں اور اپنے بیٹے سنبھاجی کو بھی قدمبوسی کے لئے لایا - بادشاہ نے حسب ذیل اُس پر مراحم کئے - مگر وہ اپنے زعم باطل میں اپنے کو کچھ چیز سمجھتا تھا - حیلے سے چلتا بنا - راجہ پیڈ نایک راجہ شوراپور نے اپنے قصور کی معافی چاہی حسب فرمان ذیل عفو تقصیرات کیا -

فرمان

اورنگ زیب بادشاہ غازی - بنام پیڈ نایک راجہ شوراپور -
زبدۃ الاماثل والاقران لائق العنایت والاحسان پیڈ نایک -
بعنایت بادشاہانہ مفتخر ومباہی بودہ بداند کہ دریں والا از
پیشگاہ خلافت وجہانبانی از راہ فضل وکرم تقصیرات من
زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ - نصرت آباد

مدستور شہر فرمان حضرت بان زبدۃ الاقران

بحال حکم شود کہ اُمیدوار عنایت بادشاہانہ بودہ ام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر برکاب ظفر انتساب بہ فرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ وعطائے منصب سربلندی یابد۔ چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس ذالاقلمی گشت۔

حرم سرا دو پہر کے وقت حرم سرا میں داخل ہوتا کچھ عرصے آرام کرنے کے بعد طعام تناول کرتا پھر ایک گھنٹہ کے لئے استراحت گزیں ہوتا۔

نماز ظہر بیدار ہو کر غسل کرتا پھر وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظار میں جا بیٹھتا عین وقت پر علمار فضلا صلحاً۔ فقرار امرار کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا۔

کسب معاش بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی سے ایک حبہ نہ لیتا۔ نماز کے بعد ٹوپیاں سیا کرتے اور کلام اللہ لکھا کرتے اُن کی فروخت اور ہدیہ سے جو رقم آتی تھی۔ نج کے اخراجات میں وہی صرف ہوتی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے۔

غسل خانہ اپنے ذاتی کام سے فارغ ہو کر غسل خانے میں جلوہ افروز ہوتا۔ یہ مقام حرم سرا اور دیوان خاص کے درمیان واقع تھا یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پُرپیچ معاملات طے ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو چکنے کے بعد مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفصال فوج کا بندوبست اور مہمات کے نقشے بھی اُسی وقت تیار ہوتے تھے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹہ پیشتر وہ دیوان خاص میں جا کر تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے دخل وخرچ پر بحث ومباحث

ہوتا - اسی وقت باہر سے آئے ہوئے صوبہ دار اور عمال بھی پیش ہوتے منصب داروں کا عزل و تقرر بھی رو پذیر ہوتا۔

نماز مغرب اذان پر معہ تمام خدام و حشم کے مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خواب گاہ عشار کی نماز کے بعد عالمگیر خواب گاہ میں آتے اور کتب سیر و تاریخ حدیث و فقہ کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد کھانا کھاتے اور عبادت و نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ جب آدھی رات گذر جاتی تو استراحت پذیر ہوتے۔

"در شبان روزے آسائش خواب آں بادشاہ مالک اقاب زیادہ از یک پاس شب نیست۔

بدھ کا روز فقط دربار عدل کے لئے وقت تھا۔ اس دن مفتی اور فضلار نہایت شان و شوکت سے حاضر دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ خود مقدمات سنتا اور اپنے قلم سے اُن کے فیصلے لکھتا تھا۔ جمعرات کو نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ جمعہ کو دن بھر عام تعطیل رہتی تھی۔ اس دن دن بھر عبادت کرتے۔

تالیف فتاویٰ عالمگیری عالمگیر کو علوم شرعیہ سے خاص لگاوٹ تھی اور یہ ضرورت محسوس کرکے کہ اہل اسلام مستند مسائل حنفیہ پر عمل پیرا ہوں۔ نیز شرعی مقدمات میں بھی مفتی بہ مسائل پر فیصلہ کیا جائے مگر اختلافات قضات و مفتیان یا روایات کی وجہ سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جو تمامی مسائل پر حاوی ہو اور اس کے مطالعہ سے ہر شخص بلا وسعت نظر و استحضار کافی دستگاہ وانی

استنباط مسائل کر سکے۔ اپنے متوسلین دربار کے علماء فضلا کے اجتماع سے ایک مستقل محکمہ تالیف فتاویٰ بسرکردگی مُلا نظام قائم کیا گیا اور شاہی کتب خانہ جس میں بے شمار کتابیں تھیں اسی ضرورت کے لئے وقف کر دیا۔ اور تقریباً دو لاکھ روپیہ نقد صرف کر کے کتاب تیار ہوئی جو "فتاویٰ عالمگیر شاہی" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی بادقار جماعت علماء میں مُلا وجیہہ الدین سہروردی چشتی گوپاموی بھی تھے۔

"در ترتیب تالیف فتاویٰ ربع از فتاویٰ عالمگیر شاہی معمور شدہ دہ کس دیگر از فضلاء ہمدوراشاعت او مقرر شدند او دراں کار مساعی جمیلہ بکار بردہ۔

ان دس علماء میں ملا شیخ احمد بن عبدالمنصور خطیب فاروقی گوپاموی بھی تھے۔

منشور عالمگیری کہ بتاریخ روز دوشنبہ یازدہم شہر ذیقعدہ سلسلہ جلوس میمنت مانوس مطابق ۸۰۰ الہ اردی ماہ الٰہی برسالہ سیادت و نقابت پناہ شرافت دستگاہ سزاوار عنایت شاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خاں در نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ محمد رفیع قلمی می گردد کہ حکم جہاں مطاع صادر شد کہ یک روپیہ وسہ پاؤ بلاؤ قصور ہر دو جنس معاش یومیہ از خزانہ رکاب سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بمعاونت مشیخت و فضائل پناہ ملا شیخ وجیہہ الدین گوپاموی در وجہ مدد معاش شیخ احمد ولد شیخ عبدالمنصور خطیب مرحمت فرمودیم واگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار نہ گیرند واقع سلسلہ جلوس بمنصب پروانگی

بکہر فضیلت و معانی مرتبت شیخ نظام تصدیق قلمی شد مطابق تصدیق یادداشت مرقوم گشت۔

مسودہ فتاوی پر بادشاہ خود بھی نظر ثانی و تصیح کرتا تھا اور حسب ضرورت علما سے مباحث کر کے تشفی بخش مسئلہ اندراج فتاوی کراتا تھا۔

مؤلفین فتاوی ملا محمد جمیل جونپوری قاضی محمد حسین جونپوری ملا حامد جونپوری اُن کے معاون شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے۔ شیخ رضی الدین بھاگل پوری۔ سید علی اکبر سید اللہ خان، جلال الدین محمد۔ سید نظام الدین ٹھٹھوی محمد شفیع ملا وجیہہ الرب۔ محمد فائق۔ محمد اکرم۔ محمد غوث۔ سید معدن۔ غلام محمد۔ عنایت اللہ۔ یہ تمام حضرات فضلائے عصر سے تھے۔

عالمگیر نے مولانا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا ترجمہ فارسی میں کرایا

موزوں طبع عالمگیر کو ہر قسم کے لہو ولعب سے یہاں تک کہ شعر و سخن سے بھی بالکل رغبت نہ تھی۔ چنانچہ دیوان حافظ کا درس مکتبوں سے موقوف کرادیا تھا۔ مگر دیوان حافظ اور گلستاں اپنے سرہانے رکھتے تھے۔ بعض مصاحبوں نے اس کا سبب پوچھا جواب دیا کہ لوگوں کی طبعیتیں خام ہیں حافظ کے اصل معنی پر خیال نہیں کرتے ناحق شراب گلنار اور معشوق گل رخسار کے نام سُن کر مست ہوجاتے ہیں اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ شعرا کا بازار سرد تھا مگر دربار میں اکثر امیر موزوں طبع تھے۔ بعض مرتبہ قصیدے پیش کرتے۔ سُن لیتے۔ داد حسب موقع دیتے۔ مگر فرمائش یہ ہوتی کہ آئندہ بے فائدہ وقت ضائع نہ کرو۔ بایں ہمہ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔

غم عالم فراوانست و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

سلطنت مغلیہ کا قدیم سے دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو سب شعرائے پایہ تخت اس کا سکہ کہہ کر لاتے۔ جس کا پسند ہوتا اسے ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا۔ عالمگیر کے لیے بھی سکہ کہکر لائے۔ عالمگیر نے فرمایا ہم نے بھی سکہ کہا ہے۔ تم سب دیکھو اور اپنی رائے ظاہر کرو۔

سکہ زد در جہاں چو بدر منیر   شاہ اورنگ زیب عالمگیر

سب کو متفق الالفاظ اقرار کرنا پڑا کہ حقیقت میں اس سے بہتر دوسرا سکہ نہیں ہو سکتا

سیرت عالمگیر کی ابتدائی زندگی سے ہی طبیعت میں پارسائی اور اتقا تھا۔ خوفِ خدا رکھتے تھے۔ اولاد اور افسرانِ ملک کو خوفِ الٰہی سے ڈراتے رہتے تھے اور ہر قسم کے لہو لعب سے قدرتی تنفر تھا۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے جس کامیابی کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخ ہند میں بے نظیر ہے۔ شہسواری' تیراندازی۔ نیزہ بازی۔ نشانہ بازی' شکار وغیرہ غرض کہ تمام فنون حرب میں غایت درجہ کے چست و چالاک اور ہوشیار تھے۔ فقیر کا دوست ریاکاروں کا دشمن۔ علمار کا قدردان۔ غربا و مساکین کے لئے بر سر عدالت نقدی اپنے پاس رکھتے اور دیتے تھے۔ نرمی اور عفو کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر اُن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کو معاف کر دیا اور روزینہ مقرر کیا سزائے موت کا شاذ ہی حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رعایا اور ملک کا محافظ اور سلطنت کا امین سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں عالمگیر کی مستعدی اور بیدار مغزی کا واقعہ لکھتا ہے

ایک امیر نے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر مصروف رہتے ہیں اس سے اندیشہ ہے مبادا صحت جسمانی بلکہ قوائے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ بادشاہ نے ناصح کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسرے امرا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے مجھے بادشاہت اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے دی ہے کہ میں رعایا کی آرام و آسائش کا کافی لحاظ رکھوں۔ اپنی راحت سے زیادہ اُن کی راحت کا خیال کروں نہ کہ فضول صلاح کاروں کی رائے پر کاربند ہوں۔ عوام کے ساتھ منصفانہ برتاؤ تھا۔ مگر ملکی مخالفوں کے حق میں بہت ہی سخت تھا۔

دارالخلافہ

دارالخلافت دہلی بقول ڈاکٹر ہنٹر اپنی عظمت و شان میں روئے زمین کے دارالخلافتوں سے عہد عالمگیر میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہو گئی تھی۔

وفات

عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار رہا بعمر ۹۰ سال ۱۳ دن بروز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدینؒ اور شاہ زری زر بخش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ستائیس روز سلطنت کی۔ تاریخ وفات "دخل الجنۃ" ہے۔

علماء و شعراء عہد عالمگیری

مفسرین

شیخ غلام نقشبندی لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ ملا شیخ احمد جیون امیٹھوی متوفی ۱۱۳۰ھ مولانا نورالدین متوفی ۱۱۵۵ھ اصغر قنوجی متوفی ۱۱۴۰ھ۔

محدثین | شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی سنہ ۱۰۷۳ھ۔ حاجی صبغت اللہ نبیرۂ شیخ اللہ دیہ الرضوی خیرآبادی متوفی سنہ ۱۱۵۰ھ۔

فقہا | افضل المعال ملا وجیہ الدین مفتی شیخ عیسٰی محدث شہابی گوپاموی، اتالیق شاہزادہ داراشکوہ و صدر صوبہ اودھ و الٰہ آباد و منصب دار سہ ہزاری و مؤلف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیر شاہی ۵ رجمادی الثانی سنہ ۱۰۸۳ھ کو وفات ہوئی۔ ملا شیخ نظام برہان پوری۔ ملا لطیف سلطان پوری — ملا عبدالغفور برہان پوری۔

قاضی | قاضی عبدالوہاب متوفی سنہ ۱۰۸۷ھ قاضی شیخ الاسلام قاضی صدرالدین ہرگامی۔ قاضی محمد حسین جون پوری۔ قاضی شہاب الدین گوپاموی متوفی سنہ ۱۱۳۰ھ۔

مفتی | قاضی احمد بہاری مفتی عسکر شاہی۔ مفتی عبداللہ شہابی گوپاموی متوفی سنہ ۱۰۷۵ھ مفتی علم اللہ گوپاموی متوفی سنہ ۱۱۰۳ھ۔

حکما | قاضی محب اللہ بہاری، ملا محمود فاروقی جونپوری متوفی سنہ ۱۰۶۲ھ

علماء | ملا عبدالرشید ملا زاہد کابلی محمد اسلم ہروی، شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی ملا عبداللہ رومی مترجم فتاوی عالمگیری، ملا عبداللہ سیالکوٹی شیخ عبدالباقی جونپوری شیخ قطب برہان پوری اتالیق شاہزادہ محمد اعظم۔ محمد اکرم لاہوری اتالیق شاہزادہ محمد کام بخش قاری حافظ ابراہیم۔

مورخین | عبدالمجید۔ عاقل خاں رازی۔ محمد ساقی مستعد خاں مرزا محمد کاظم متوفی سنہ ۱۱۰۰ نعمت خاں عالی متوفی سنہ ۱۱۲۲ھ بختاور خاں متوفی سنہ ۱۰۹۵ھ۔

شعراء: آشنا - ناظم ہروی - بیدل - ماہر اکبر آبادی - افسری - اعجاز اکبر آبادی
سعید مفتی ابو سعید گوپاموی متوفی ۱۱۶۲ھ ضمیر طاہر - خالص - ملا شفیعا
یزدی - اشرف مازندرانی - رازی خوفی - ملا طغرائے مشہدی پنڈت چندر بھان
برہمن اکبر آبادی متوفی ۱۱۳۰ھ مرزا محمد رفیع قزوینی -

عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر ہند و پاکستان میں یہاں کے شاہان سلف سے بڑھ کر تھیں مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفا کی بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لئے منجانب حکومت اور امراء مدرسے قائم ہوگئے۔ یہ مدارس علماء کے مدرسوں کے علاوہ تھے۔ طالب علموں کے لئے وظیفے جاری کئے۔ ذاتی مدرسے جن علماء کے تھے اُن کو، اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا۔ جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ مفتی عبید اللہ گوپاموی جو شیخ عیسیٰ سندھی کے مدرسے کے صدر مدرس اور ملا وجیہہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری کے بھائی تھے فرمان ذیل کے ذریعہ زمین داری عطا کی۔ غرضکہ ہر صوبہ اور شہر و قصبہ میں تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی۔ عالمگیر نامہ میں ہے:۔

> وازاں جا توجہ خاطر دانش مآثر بہ ترویج مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجہ قصوی دارد در جمیع بلاد و قصبات ایں کشور وسیع و فضلاء و مدرساں را بہ وظائف لائقہ از روزیانہ و املاک وقف ساختہ بہ شغل تدریس و تعلیم محصلان علوم گماشتہ اند برائے طلبۂ علم در ہر معمولی

و ماصیہ و جوہ معیشت در خور رتبہ و حالت و استعداد مقرر داشتہ و ہر سال بدین وجہ نیز از خزائن احسان پادشاہانہ مبلغہا معتد بہ صرف می شود از فیض و مکرمت و افضال شہنشاہ ابر کیف دریا نوال طالبان علم و کمال سمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال و مرفہ الحال بکسب و تحصیل علوم اشتغال می ورزند۔

عالمگیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت کے متعلق تھا دوسرے وہ مدرسے جو ارباب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لئے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالبعلموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کئے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سیاہہ حاصل کر کے خزانہ میں داخل کر لیا کرے اور غیر سرکاری مدرسوں کو وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا۔ چنانچہ مرأت احمدی میں شاہی مدرسوں کے متعلق ہے:-

چوں حکم مقدس اعلیٰ در جمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نماید و طلبۂ علم از میزان کشاف خواں باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بمہر مدرساں وجہ علوفہ از تحویل خزانچی خزانہ آں صوبہ می دادہ باشند دریں ولایت سہ نفر مدرس در احمد آباد و پٹن و سورت و چہل و پنج نفر طلبۂ علم اضافہ و در صوبہ احمد آباد مقرر شد

اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو جو بادشاہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا
بابت مع قع پر مدرسہ سیف خاں کو ۱۵۸۰ روپے بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح
سہ ہدایت بخش بمسجد تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیری تجدید نا اصلاح کے لئے اس
ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے منظور کئے۔ اسی طرح موضع سوندرہ پرگنہ ساتولی اور
مع سلیمہ پرگنہ کٹرا کے مدرسوں کے لئے یومیہ مقرر کیا تھا۔

عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلبہ یک جا
م حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر
ن مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ہندو طلبہ اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے
ل شاستر کے علاوہ طب اور نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے مدارس
لگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے اور اُن کا اہم مرکز بنارس تھا۔ خافی خاں لکھتا ہے۔

> دراین کہ محرر سوانح در بندر سورت بود با نہانام زنار دار طبیب پیشہ نقل
> می نمود کہ چوں در قوم ما ضابطہ است کہ برائے تحصیل علم نجوم و طبابت
> و شاستر برہمنان بے سرمایہ از دور و نزدیک بنارس رفتہ یکے
> از برہمنان آنجا را اُستاد خود قرار می دہند و نزد او درس می
> خوانند و صبح و شام از طرف اُستاد خود کنار آب گنگ رفتہ موافق
> و ایلے کہ مقرر است مردی را کہ بجائے غسل می آیند دستور آئین مقرری
> خدمت می نمایند و ہر چہ از ان بہم رسد بلا تصرف و ضیافت نزد استاد
> خود می برند و خرچ خوراکی و پوشاک شاگرداں بر ذمہ اُستاد است کہ
> بقدر کفالت ضروری چیزے گیرند۔"

دلی کا سرچشمۂ علم و عرفان جس کے فیض و برکات سے سارے ہندوستان کی علمی تشنہ کامی دور ہوئی وہ عالمگیر ہی کے عہد میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی ابن شیخ وجیہہ الدین شہید نے جو ۱۰۵۴ء میں پیدا ہوئے اپنے بھائی شیخ ابوالرضا اور علامہ میر زاہد ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ فتاوی عالمگیری کی ترتیب میں شریک رہے عہد اورنگ زیب میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا خود درس دیتے تھے۔ ۱۱۳۱ھ[1]

میر محمد زاہد ابن اسلم ہروی جنھوں نے مرزا فاضل سے تلمذ کیا۔ مرزا فاضل نے یوسف سے اور انھوں نے مرزا شیخ جان انجرہ سے۔ انھوں نے اپنے والد اسعد سے علامہ تفتازانی اور علامہ ملا شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

حدیث حاجی محمد فضل سے جو اس سلسلہ میں شیخ عبدالاحد کے تلامذہ سے تھے انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے جن کو اپنے دادا شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے تلمذ تھا۔

ملا زاہد ابن اسلم ہروی کا درس آگرہ میں

ملا زاہد علم از پدر بزرگوار و دیگر علماء روزگار اخذ کرد اما بہ قوت ادراک خداداد قدم از استادان بیش گذاشت درایت فوقیت در مستعدان زمان برافراشت۔[2]

درس شاہ غلام نقشبند لکھنوی

میر محمد شفیع و شیخ پیر محمد لکھنوی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی سلسلہ اکثر فضلائے عصر بہ آنجناب منتہی می شود۔[3] شاہ عالم

---

[1] انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ تذکرہ علماء از مولوی اکرام اللہ [2] مآثر الکرام ص ۲۰۹ [3] مآثر الکرام ص ۲۱۴

بہادرشاہ ایشاں را کلفت ملاقات کرد۔ ۱۱۲۶ھ وفات

شیخ احمد معروف بہ ملاجیون امیٹھوی

و فاتحہ فراغ از ملا لطف اللہ کوروی گرفت آخر کشش طالع او را بہ خلد مکاں رسانید و سلطان بہ خدمت او تلمذ کرد۔ و ایام زندگانی بشغل درس و تحریر تصانیف صرف ساخت۔ وفات ۱۱۳۰ھ

سید قطب الدین۔

در عین شباب بتجرید و عدم تاہل امادہ۔ بعلوم نقلی و عقلی شناسا و بافادت طلبہ توجہ فرما باکثرے ملاقات رضیہ آراستہ بسیما تواضع و حسن خلق بیش از بیش پیوستہ..... در عہد خلد مکان بدیوانی برہان پور سرفراز یافتہ۔ مآثر الامراء (اول) ص۲

حبیب کٹو کشمیری شاگرد ملا ابوالفتح کلو

و تمام عمر در تدریس گزرانید۔ خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص۳۰۰ ۱۱۰۵ھ

سید مبارک بلگرامی۔

شاگرد شیخ نورالحق فرزند و تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی بود عمر عزیزش در افادہ علوم دینی خاصتہ فن حدیث و درس طلبہ صرف نمود[1]

وفات ۱۱۱۵ھ

شیخ محمد افضل الہ آبادی

در اوائل حال بجیپور آمدہ از ملا نورالدین تحصیل علوم متعارفہ را بانجام رسانید تا شش ماہ بدرس و تدریس علوم اشتغال داشت۔ وفات ۱۱۲۴ھ[2]

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۹۱ [2] ایضاً ص۱۸۱

شاہ عالم بہادر شاہ

شاہزادہ معظم بہادر شاہ بطن ممتاز محل سے تھے

تعلیم و تربیت اورنگ زیب نے اپنی اولاد کو تعلیم اپنی نگرانی میں دوائی بہادر شاہ نے ایام طفلی میں کلام اللہ حفظ کیا[1] - عربی کی تعلیم

معقول حاصل کی۔ حدیث اور فقہ میں استعداد بہم پہونچائی۔ حدیث سے خاص ذوق تھی اور فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے تھے[2]

غرضکہ عربی زبان میں عرب عربا اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان کے ہم پلہ تھے - فن خوش نویسی میں یکتائے زمانہ تھے۔ مختلف خطوط میں کمال حاصل تھا۔ مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ خلاصۃ التواریخ میں ہے۔

راتوں کو اکثر نوافل درود وظائف تلاوت قرآن اور حدیث و تفسیر فقہ اور سلوک کی کتابیں مطالعہ کیا کرتے تھے[3]

شعر و شاعری سے بھی شوق تھا۔

وقائع اورنگ زیب نے اپنے لڑکوں کو خود آداب حکمرانی سکھائے جنگوں میں بھیجا اور آخر عمر میں بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ رقعات عالمگیری گواہ عالمگیر نے اپنے بیٹوں کو ملک کے صوبے دیدیئے تھے۔ محمد اعظم شاہ مالوہ کی صو

---

[1] مآثر عالمگیری۔ [2] بزم تیموریہ ص ۲۹۵ - [3] خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے مرتبہ ما ظفر حسن مراد آبادی

پر مقرر کئے گئے۔ یہ بادشاہ سے رخصت لے کر بیس کوس پہونچے تھے کہ اورنگ زیب کے وصال کی خبر لگی۔ وہ راتوں رات لشکر میں آئے۔ امرا نے مراسم تہنیت و تعزیت ادا کئے کفن دفن سے فراغت حاصل کی۔ دہم ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ کو جلوس کی تاریخ مقرر کی شاہزادہ بیدار بخت جو احمد آباد میں تھا اُس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ادھر کام بخش باپ سے رخصت ہو کر قلعہ پر بیندہ کہ چالیس پچاس کوس کی مسافت پر تھا۔ پہونچا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر ہوئی تو اُس نے قلعہ بیجاپور پر تصرف کیا۔ احسن خاں کی کارگذاری کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ کام بخش نے اُن کو پنجہزاری کا منصب عطا کیا۔ حکیم محمد محسن کو قلمدان وزارت عطا کیا۔ اور تقرب خاں کا خطاب دیا۔ اور جشن جلوس کیا۔ خطبہ میں اپنا لقب دین پناہ پڑھوایا پھر ہزار کی فوج لے کر قلعہ واکنکھیرہ کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ گلبرگہ پر قبضہ کر کے واکنکھیرہ کو تسخیر کر لیا اور آگے بڑھنے کی تدبیر کر رہا تھا۔ باقی حال کام بخش کا اپنے محل پر بیان ہوگا۔

اعظم شاہ نے تخت پر جلوس کیا اور سکہ کو اس شعر سے رونق دی۔

سکہ زد در جہاں بدولت وجاہ ؛ بادشاہ ممالک اعظم شاہ

وسط ذی الحجہ میں اسد خاں و ذوالفقار کو اعظم شاہ ہمراہ لے کر شاہ عالم کے مقابلہ کے قصد سے چلا۔ محمد امین خاں اور چین قلیج خاں مخاطب بہ خان دوراں خاں نے اعظم شاہ سے ترک رفاقت کی اور اورنگ آباد آکر اکثر پرگنات پر قابض و متصرف ہوئے۔

اورنگ زیب نے شاہ عالم کے پاس منعم خاں کو بھیجا۔ اُس نے لاہور میں اپنی جاگیرات کی دیوانی اس کو دی۔ جب عالمگیر کی علالت کی خبر ہوئی منعم خاں نے اسباب جنگ خفیہ طور سے فراہم کر لیا۔ پشاور میں ۲۷ ذی الحجہ کو بادشاہ کے مرنے کی خبر شاہ عالم کو معلوم ہوئی اُس نے روانگی کا ارادہ کیا۔ لاہور پہونچا تو منعم خاں چالیس

لاکھ روپیہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ بادشاہ نے وزارت کی مبارک باد دی سلخ محرم یا غرہ صفر کو نواح لاہور میں مقام کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ کا حکم دیا۔ امراء نے نذریں گذاریں اس کا بیٹا محمد معز الدین جلوہ دار ملتان آگیا اور اس کو بست و پنجہزار سوار کا منصب عنایت ہوا اور محمد اعظم کو ہیجدہ ہزاری پانزدہ سوار کا منصب عطا کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اکبر آباد میں بنگالہ سے آئے وہ اسی روز روانہ ہو کر سرہند پہنچا وزیر خاں صاحب مدار نے ۲۰ لاکھ روپیہ نذر کیا۔ آخر صفر میں حوالی شاہ جہان آباد میں قیام پذیر ہوا۔ شاہزادہ محمد عظیم الشان بیس ہزار سوار لیکر محمد بیدار بخت سے پہلے اکبر آباد آگیا اور اکبر آباد پر قبضہ کیا۔ بہادر شاہ آگرہ کی طرف متوجہ ہوا آگرہ پہنچا تو قلعدار باقی خاں نے قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے نذر کیں۔ نو کروڑ روپیہ ہاتھ لگا۔ چار کروڑ امرار و اعیان دولت کو عطا کئے اور فوج بندی کا انتظام شروع کر دیا

محمد اعظم شاہ ۸۰ ہزار سوار ہمراہ لے کر بھائی سے دو دو ہاتھ کرنے روانہ ہوا۔ گوالیار پہونچکر اس کو اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد اعظم بڑے لشکر کے ساتھ اکبر آباد میں موجود ہیں۔ اپنی سگی بہن زیب النساء بیگم اور فاضل سامان کو قلعہ گوالیار میں چھوڑا۔ بیدار بخت کو فوج کا ہراول کیا۔ پچیس ہزار سوار لے کر اکبر آباد کا رخ کیا۔ شاہ عالم نے بھائی کو مصالحت کا خط لکھا۔ مگر محمد اعظم نے استدعا کو ٹھکرا دیا۔ جب چنبل کے قریب پہونچا بہادر شاہ کو خبر لگی اس نے خانہ زاد خاں وصف شکن خاں داروغہ توپخانہ اور اغر خاں قراول کو بھیجا کہ دشمن کی فوج دریا سے نہ اتر سکے۔ محمد اعظم شاہ نے سموگڈھ کا رخ کیا۔ شاہ عالم نے سرائے جاجو کے نزدیک پیش خیمہ کھڑا کرایا اور خود شکار کو چلدیا۔ عظیم الشان مقدمۃ الجیش شاہ عالم کی فوج کا تھا۔ بیدار بخت نے

سبقت کر کے پیش خانہ بہادر شاہی پر حملہ کیا اور آگ لگادی۔ آخر معرکہ کارزار گرم ہوا کہ آندھی آئی جو محمد اعظم شاہ کی فوج کے سامنے تھی آخر ش بیدار بخت مارا گیا والاجاہ بھی کام آیا۔ اعظم شاہ نے بڑی داد شجاعت دی پر قسمت میں ہار تھی۔ اعظم شاہ کا سر رستم علی خان بہادر شاہ کے پاس لایا اور شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں تلے ڈالدیا بیٹوں اور امرار نے مبارک باد دی۔ شاہ عالم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

آصف الدولہ اسد خاں اور ذوالفقار خاں امرائے اعظم شاہی ہاتھ باندھ کر حاضر ہوئے خود بہادر شاہ اور شاہزادہ معز الدین نے کھولے پدر اور پسر کی تسلی کی منصب ہزاری ہفت ہزار سوار عطا کیا۔ منعم خاں جلالت الملک وزیر اعظم بنائے گئے۔ شہزادہ عالی تبار ابن محمد اعظم شاہ کو بیٹا بنایا۔ خیمہ استادہ کرا کر دو رکعت نماز شکر ادا کی۔ تمام بھائی اور برادرزادوں کی لاشوں کو غسل و کفن کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون کیا۔ دوسرے روز خان خاناں کی عیادت کو شاہ عالم گیا۔ ظفر جنگ خطاب دیا اور ایک کروڑ روپیہ انعام دیا معز الدین کو جہاندار شاہ اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان اور حجستہ اختر کو جہان شاہ خطاب عطا کئے۔

قاضی خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ سکہ میں شاہ عالم بادشاہ اور نام بلدہ لکھا جائے اور خطبہ میں شاہ عالم کے ساتھ لفظ سید کا اضافہ کیا جائے کیونکہ ان کی ماں سیدانی تھی۔

سنہ ۱۱۱۹ھ میں راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے اودے پور اور جودھ پور گیا اور

سلہ تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۲۲

پامال ہو کر حاضر حضوری ہوئے۔ اجیت سنگھ و درگا داس کے قصور معاف ہوئے اور خلعت سے نوازے گئے۔ جلوس کے سال دوم میں محمد کام بخش کو نامہ محبت لکھا۔ وہ سودادی مزاج تھا حیدرآباد میں اس سے اس کے ساتھی بیزار تھے ایلچی کو قید کیا اس کے ساتھیوں کو قتل کرایا۔ جواب میں کلمات خصومت لکھے۔ اس پر شاہ عالم حیدرآباد مع لشکر کے پہونچا۔ محمد کام بخش معمولی فوج لے کر مقابل ہوا معرکہ جنگ میں زخمی ہوا بھائی مزاج پرسی کرنے گیا۔ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس میں ہی جاں بحق ہوا۔ کام بخش عالم اور خوش تحریر منشی تھا ظاہری کمالات اعلیٰ درجہ کے رکھتا تھا۔ مزاج میں وہم و وسوسہ تھا۔ شاہ عالم نے اپنے قلمرو کا انتظام کرنا شروع کیا۔ ارادت خاں لکھتا ہے شاہ سخی رحم دل عالی دماغ خوش اخلاق، جوہر شناس تھا خود بہادر تھا، بہادر دشمن کی قدر کرتا تھا۔ اس کا دربار شاہ جہاں کے دربار سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ سترہ شہزادے جن میں بیٹے پوتے برادر زادے اس کے تخت کے ارد گرد بیٹھتے تھے۔ چاندی کے کٹھرے میں ہفت ہزاری سے سہ ہزاری تک امرا کھڑے رہتے تھے۔ عیدین اور جشنوں میں بادشاہ امرا کو خود عطر پان دیتا تھا۔

سیرت عالم تو تھا ہی دربار میں شاہانہ انداز رکھتا۔ گھر میں سادہ لباس پہنتا۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا، قضا نہ کرتا۔ سفر کے اندر اکثر تعطیلوں اور جمعوں میں وہ خود نماز دربار کے خیمہ میں پڑھاتا اور قرآن کی سورتیں ایسے خوش الحانی سے پڑھتا کہ اہل عرب اس پر فریفتہ ہو جاتے اور آخر شب کی عبادت کبھی ترک نہ کرتا۔ بعض دفعہ ساری رات نمازیں پڑھتا اور دعائیں مانگتا اول شب میں اس کے پاس فضلا و علما جمع ہوتے خود حدیثیں بیان کرتا۔ فقہ سے خوب واقفیت تھی

فرق اسلامیہ کے عقائد سے آگاہ تھا مگر متعصب دین داروں نے اس کو بدعقیٰ قرار دے رکھا تھا[۱]۔ شیعہ مورخین اس کو شیعہ لکھتے ہیں۔ اس کے عہد میں سکھوں کا زور بندھا۔ اُن کے ظلم و ستم لوٹ مار ہندو مسلمانوں پر برابر تھے۔ آخر ش شاہی لشکر نے مقابلہ کر کے اُن کو اُن کے اصلی علاقہ میں پہونچا دیا۔ راجپوتوں نے سر اُٹھایا۔ نقصان اُٹھا کر بادشاہ کے قدموں پر آگرے۔ قصور معاف ہوئے۔ انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ آخر عمر میں خفیف الحرکات ہو گئے تھے۔ ۵ سال ۲ ماہ حکومت کر کے بعمر ۷۰ سال ۱۹ محرم ۱۱۲۴ھ کو اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ نعش شاہ جہان آباد لا کر قطب صاحب میں دفن کی گئی۔

بہادر شاہ

بہادر شاہ اوّل کے عہد ۱۱۲۳ھ میں دارالسلطنت دلی میں ایک نیا مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے جو سلطنت آصفیہ کے بانی آصف جاہ اوّل کے والد بزرگوار تھے' اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا۔ اس مدرسہ کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی۔ امیر موصوف اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

اس مدرسہ میں صدر مدرس شیخ جلیہ تھے جن کے پاس ملا نور محمد مبارزی درس حاصل کرنے آئے قطبیہ تک پڑھا کر رخصت ہو گئے جب ملا فخر الدین دکن سے ۱۱۶۱ھ میں اس مدرسہ سے منسلک ہو گئے تو علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے ۱۱۹۹ھ میں مدفون ہوئے۔

مولانا فخر الدین سے پھر مولانا نور محمد نے درس کی تکمیل کی۔ ملا سید احمد میر بدیع الدین شاہ عبدالرحمن لکھوی ارشد تلامذہ سے تھے۔ شاہ صاحب کے بعد مولانا سید احمد صدر

---

[۱] تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص ۴۰

مدرس اس مدرسہ کے ہوئے۔ غرضکہ یہ مدرسہ مدتوں تک جاری رہا۔

دلی پر انگریزی عملداری ہو جانے کے بعد انگریزوں نے بھی اس کو تعلیم گاہ کے طور پر استعمال کیا۔ پھر نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں وزیر اودھ نے جو یہاں کے تعلیم یافتہ تھے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی گراں قدر رقم انگریزی کمپنی کے حوالے کی۔ چنانچہ کمپنی کی طرف سے غازی الدین خاں کے مقبرہ پر حسب ذیل عبارت کندہ کی گئی۔

کتبہ مقبرہ غازی الدین خاں

نہ ہر لوح نقشے بہ ماند و لیک جزائے عمل ماند و نیک نام

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم و مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولود وطن خویش بہ صاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۵ء[۱]

ملا نظام الدین سہالوی

اُستاد جہان و تحریر زمان بود۔۔۔۔۔ و ہم در لکھنؤ رحل اقامت افگندو تمام عمر بہ تدریس و تصنیف اشتغال ورزید و اعتبار و اشتہار عظیم یافت امروز علماء اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشۂ تفاخر می شکنید و کسے کہ سلسلۂ تلمذ بادمی رساند

۱؎ ہندوستان کی قدیم درسگاہیں ص۲۲۵

بین الفضلا علم امتیاز می افراز دیلہ ۱۱۲۱ھ

شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں عربی کی تعلیم سے فارغ ہوگئے تلمذ باپ سے تھا۔ علوم معقول شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کئے ۱۲ سال کی عمر میں باپ کے سامنے درس دینے لگے ۱۱۴۳ھ میں حج کو گئے۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنی شیخ وفد اللہ مکی شیخ تاج الدین ملضی مکی سے سند حدیث حاصل کی اور وطن لوٹے اور سلسلہ درس شروع کردیا۔

تفسیر وحدیث پر زیادہ توجہ تھی۔ تصانیف کا سلسلہ جاری تھا۔ علوم دینیہ میں امام اور مجتہد مطلق تھے۔ ۱۱۷۶ھ میں دار آخرت کا سفر اختیار کیا۔

تلامذہ شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالغنی۔ شاہ عبدالقادر۔ شاہ عبدالعزیز۔ شیخ محمد عاشق دہلوی۔ شیخ محمد امین کشمیری۔ سید مرتضیٰ بلگرامی۔ شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری۔ شیخ محمد ابوسعید بریلوی۔ شیخ رفیع الدین مراد آبادی۔ شیخ محمد بن ابوالفتح بلگرامی۔ شیخ محمد معین سندھی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے والد سے تفسیر حدیث فقہ عقائد صرف و نحو علم کلام اصول معقول کا اکتساب کیا۔ ابتدائی طب بھائی سے پڑھی بڑی کتب میرزاہد سے تحصیل کیں۔

جہاندار شاہ بن بہادر شاہ

شاہ عالم کی وفات کے ایک ہفتہ کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ملک و مال کے باب میں پیغام چلنے لگے۔ ذوالفقار خاں جہاندار شاہ کا خیر خواہ تھا۔ اول یہ قرار پایا کہ دکن جہان شاہ کو اور رفیع الشان کو ملتان ٹھٹھہ کشمیر دیا جائے اور باقی صوبے عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان تقسیم ہوں مگر ملک و خزانہ کی تقسیم نہ ہو سکی۔ اور آپس میں بھائیوں میں نزاع شروع ہو گئی پہلے عظیم الشان سے تینوں بھائی نبرد آزما ہوئے وہ تاب مقابلہ نہ لا کر دریا میں کود پڑا۔ تینوں بھائی نقارہ بجاتے ہوئے لوٹے۔ ایک سو دس اراب خزانہ کے ہاتھ لگے[1] جو مال ہاتھ لگا تینوں میں اس کی تقسیم پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ معزالدین اور جہاں شاہ میں بات کی بات میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ رفیع الشان تماشہ دیکھ رہا تھا جہان شاہ کام آیا تو رفیع الشان سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ معزالدین اس کو ٹھکانہ لگا کر جہاں دار شاہ کے لقب سے ہندوستان کا تاجدار بنا

جہاں دار شاہ

۱۷۱۲ء سے ۱۷۱۳ء تک اس کی حکمرانی رہی۔ لال کنور کے عاشق زار تھے ذوالفقار خاں حکومت چلاتا رہا اور اُن کو عیش کی راہ پر لگائے ہوئے تھا کہ فرخ سیر اُٹھ کھڑا ہوا۔

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم ص۸۸

فرخ سیر

نام و نسب خاندانی حالات اورنگ زیب کے صاحبزادے محمد معظم کے فرزند محمد عظیم الشان جو ۲۰ جمادی الاول ۱۰۸۳ھ کو جیبہ راجہ روپ سنگھ راٹھور کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۱۰۰ھ میں جیہ راجہ کیسر سنگھ کے ساتھ نکاح ہوا۔ اورنگ زیب نے صوبہ بنگال بہار اور اڑیسہ کا صوبہ دار کر دیا تھا عظیم آباد اُس کے نام پر آباد کیا گیا معظم شاہ کی وفات کے وقت موجود تھا جہاندار شاہ کے مقابلہ میں محرم ۱۱۲۳ھ کو میدان جنگ میں کام آیا اس کی فرخ سیر یادگار سے تھا۔

تعلیم و تربیت عظیم الشان نے فرخ سیر کو کلام مجید حفظ کرایا۔ اُس نے علوم رسمیہ فضلائے عصر سے حاصل کئے شعر گوئی سے شوق تھا۔ مرآت آفتاب نما میں اُس کے اشعار درج ہیں۔

سوانحات بہادر شاہ کے انتقال کے بعد شاہزادہ فرخ سیر بنگال میں تھا اُس نے یہ خبر پاتے ہی اپنے والد عظیم الشان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا اُن کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور خطبے میں نام پڑھنے کا حکم دیا مگر جب عظیم الشان کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں اپنا نام پڑھے جانے کا حکم دیا۔

فرخ سیر معز الدین جہاندار شاہ کی عیش پرستی اور ذوالفقار خاں کے طریقہ کار سے آگاہ تھا کہ اُس نے لال کنور اور معز الدین کے معاشقہ کو شہ دے رکھی ہے۔

اس وقت فرخ سیر بنگال میں اکبر آباد معروف بہ راج محل میں مقیم تھا کہ جہاندار شاہ

کی جانب سے صوبیدار جعفر خاں کو فرخ سیر کی گرفتاری کے احکام پہونچے مگر جعفر نے حقوق عظیم الشان کا پاس رکھتے ہوئے فرخ سیر سے کہا کہیں بھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔"

چنانچہ فرخ سیر مع اہل و عیال عظیم آباد پہونچا اور سید حسین علی خاں صوبہ دار سے امداد چاہی۔ اُس نے کہا کہ :-

حکم بادشاہ تمہارے متعلق تو کچھ اور ہی ہے لیکن تمہارے والد کے احسانات کے باعث نہیں چاہتا کہ تم کو میرے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہونچے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی طرف چلے جاؤ تاکہ کوئی عذر کر کے غیض و غضب سلطانی سے بچ جاؤں[1]۔

مگر فرخ سیر نے حسن علی کو راضی کر لیا اُس کی ماں نے بھی حسن علی کو معاونت کا پیغام بھیجا فرخ سیر کی صغیر السن لڑکی ملکہ زمانی باہر آئی اور اُس نے بھی اپنے باپ کی مدد کے لئے کہا

اگر دست گیری پدر من نمودہ انچہ شایان سیادت و شجاعت بعمل آرید۔

حسن علی معاونت کے لئے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی عبداللہ خاں کو الہ آباد لکھ دیا کہ ہم دونوں کو پوری پوری مدد فرخ سیر کو دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہ فرخ سیر کو لیکر مع لشکر کے آگرہ روانہ ہوئے۔

جہاندار شاہ کو فرخ سیر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء کو شاہجہان آباد سے ذوالفقار خاں کو کلتاش خاں۔ جانی خاں اور

---

[1] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۳۸۷

محمد امین خاں (نظام الملک کا برادر عم زاد) سردار ایرانی و تورانی کو ہمراہ لیکر تقریباً ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ جانب آگرہ روانہ ہوا اس سے قبل جہاندار شاہ نے اپنے لڑکے شہزادہ اعز الدین کو احسن خاں کے ساتھ پچاس ہزار سپاہ دے کر روانہ کیا۔ ذوالفقار خاں عزیز الدین خاں کا مخالف تھا کیونکہ وہ کوکلتاش خاں کا داماد تھا۔ چنانچہ ذوالفقار خاں نے نظام الملک کو آگرہ بھیجا تاکہ اس کا تحفظ کیا جائے۔ شہزادہ اعز الدین کجوایہ میں پہونچا۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں اورنگ زیب کو شجاع کے خلاف کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اعز الدین کو شکست نصیب ہوئی اور آگرہ واپس آگیا۔ جہاندار سے اور فرخ سیر سے مقابلہ ہوا گھمسان جنگ ہوئی حسن علی اور عبداللہ نے جان کی بازی لگادی بلکہ حسن علی زخمی ہوگیا اور میدان جنگ میں بیہوش ہو کے گرگیا۔ مگر فرخ سیر کی فوج نے شاہی فوج کے منہ پھیر دیئے جہاندار شاہ نے راہ فرار اختیار کی اور ذوالفقار خاں بھی میدان چھوڑ گئے۔

سیر المتاخرین میں جہاندار شاہ کی شکست کے اسباب یہ لکھے ہیں:۔

"اگرچہ نسبت باقتدار معز الدین را اُمید فتح وظفر فرخ سیر نبود لیکن عمدہ ارکان دولت معز الدین کہ عبارت از کوکلتاش خاں و ذوالفقار خاں باشد باہم نہایت منافق و معاند بودند بسبب نفاق اینہا..... کارہائے بادشاہی بسیار ضائع و تدبیرات ہمہ در ہمی و برہمی داشت ازیں جہت نقش ہیچ یہ درست نمی نشست[۵۹]"

فرخ سیر نے جشن فتح منایا۔ سید عبداللہ کو قطب الملک کا خطاب دیا اور وزارت

---

[۵۹] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۳۹۱

کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سید حسن علی خاں کو امیرالامراء کے منصب پر فائز کیا۔ اور بخشی اول کی خدمت پر رکھے گئے قاضی عبداللہ کو میر جملہ کا خطاب دیا گیا۔ نظام الملک کو دکن کی صوبہ داری عنایت کی۔ ذوالفقار خاں قتل کیا گیا۔ اسد خاں قید کئے گئے

بغاوت راجہ اجیت سنگھ نے بغاوت پر کمر باندھی۔ مساجد کی بے حرمتی کی اس حسن علی اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے چنانچہ راجہ کو مقابلہ ترک اٹھانا پڑی حسن علی کے کہنے پر اپنی دختر کو فرخ سیر کے حبالہ عقد میں دیا۔ یہ شادی بڑے تزک و احتشام سے انجام پذیر ہوئی حسن علی کا انتظام تھا۔ اس تقریب کی روداد علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے مثنوی طغریٰ کے نام سے لکھی۔ عبداللہ خاں۔ وزارت کو سنبھالتے ہی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے۔ طباطبائی لکھتا ہے۔

قطب الملک ہم بنا بر میل بسیار بہ نسواں و شوق و عیش و طرب رام طلب گشتہ زمام اختیار خود راجہ رتن چندکہ دیوان او و بقال طلمش بود سردہ و مطلق العنانش کردہ بود و او طاقت تمشیت مہام وزارت نداشت روز بروز عداوت ہا فزودہ ہم سلطنت خاندان چار صد سالہ تموریہ برباد رفت و ہم بدنامی عظیم عاید روزگار سادات بارہہ گردید عالمے ازیں نفاق و شقاق متاصل و نظام مملکت ہندوستان مختل گردید[۵۱]

فرخ سیر کا قتل فرخ سیر نے سات سال حکمرانی کی حسن علی اور عبداللہ کھنچ گئی ایک کا ایک دشمن تھا۔ فرخ سیر ان دونوں

---

[۵۱] سیرالمتاخرین ص ۳۹۶

ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر ان دونوں کا ہاتھ اس پر پڑا فرخ سیر کو گرفتار کرلیا اور اندرون قلعہ ترمولیہ کے بالائی حصہ میں قیدی بنا کر رکھا اور پھر قتل کردیا۔

کنیزان حبشیہ و ترکیہ گرجیہ راکہ بر سر دروازہ بمدافعہ استادہ بودند درنمودہ بعد جستجو و تفحص از زینہا کہ بہ زجر و توبیخ بسیار نشان دادند فرخ سیر را بہ بیحرمتی تمام برآوردند۔ والدہ و زوجہ و صبیہا و دیگر بیگمات اطراف او را گرفتہ منت و الحاح می نمود...... درمیان انبوہ زنان بہ نہایت مذلت و خواری کشاں کشاں آوردہ بالائے ترپولیہ اندرون قلعہ کہ جائے بس تنگ و تاریک بود محصور گردید۔

فرخ سیر کے قتل سے تمام شہر میں کہرام مچا حتیٰ کہ فقرا سیدوں کے ہاتھ سے بھیک تک لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ شہر کے لوگ فرخ سیر کے جنازے کے ساتھ ہو گئے تمام شہران ظالم ہر دو بھائیوں کا دشمن بن گیا۔ سادات نے شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کو ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو تخت نشین کیا۔ سیر المتاخرین ص۴۱۲

اعتماد الدولہ محمد امین خاں کو بخشی سوم اور نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری دی گئی اور مراد آباد کی فوجداری سیف الدین علی خاں (برادر حسین علی) کے نام کی گئی راجہ اجیت سنگھ کے نام صوبہ داری احمد آباد بحال کی گئی۔ رفیع الدرجات جلوس سے تیسرے مہینے انتقال کر گیا پھر شنبہ ۲۱ رجب ۱۱۳۱ھ کو اس کے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اتفاق سے شہزادہ نیکو سیر ولد محمد اکبر خلف اورنگ زیب جو قلعہ اورنگ آباد میں نظر بند تھا اس نے آزادی حاصل کر کے تخت نشینی کا اعلان کر دیا سادات رفیع الدولہ کو ساتھ لے کر اکبر آباد روانہ ہوئے راہ میں اس کا انتقال ہو گیا

سادات نے شہزادہ روشن اختر (محمد شاہ بادشاہ) کو تخت نشین کیا اور آگرے لے گئے۔ نیکو سیر کی گرفتاری کے بعد قلعہ و محل سے چند بیش بہا چیزیں حاصل کیں اور قدیم زمانہ کی اشرفیاں بھی ملیں تقسیم دولت پر دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا تو رتن چند نے مصالحت کرائی۔ عبداللہ کو تقریباً ۲۸ لاکھ روپیہ حاصل ہوا اس ذخیرہ میں نورجہاں کی شال ہیروں کی ٹکی ہوئی ملی۔ جہانگیر کی مرصع تلوار ممتاز محل کے مزار کی موتیوں کی چادر بھی اس کے ہاتھ لگی۔

یہ دونوں بھائیوں کا کردار تھا۔ خافی خان (صفحہ ۸۲۱) خوش حال چند لکھتا ہے کہ:۔

عبداللہ خاں نے رفیع الدرجات کی بیگم عنایت بانو کو پیغام محبت بھیجا اور گھونگھر والے بالوں کی تعریف کی۔ بانو نے اپنے بال تراش کر صدرالنسا منتظم حرم کے ذریعے بھجوا دیئے۔ ص ۱۵ھ

مولوی غلام فرید لاہوری از علما و فضلائے لاہور جامع کمالات عالم و عامل پرہیزگار بود تمام عمر خویش در درس طلبائے علم گذرانید۔ [له] ۱۲۱۶

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری۔

فاضل کبیر ہزارہا کس از وجود ولے خود وے فوائد علمی حاصل کردند بمراتب فضیلت رسیدند علمائے وقت و فضلائے عہد بحلقہ غلامی و شاگردے وے آمدند۔ ۱۲۵۰

[له] خزینۃ الاصفیا، ج ۲ ص ۳۸۵

درس کلیم اللہ | حضرت کلیم اللہ جہان آبادی اول در دہلی بہ تحصیل علوم ظاہری پرداخت ودستار فضیلت بست۔ بعد ازاں بحرین شریف بردہ درمدینہ مرید شیخ یحییٰ مدنی گردید و بار بہ شاہجہان آباد آمد وفیما بین قلعہ جامع مسجد در ساخت و تدریس و تلقین خلق مصروف گشت۔

ایک مکان تھا جس کا کرایہ دو روپیہ ماہوار تھا اس میں خود رہتے تھے اور طلبا کو علوم عربیہ کا درس دیتے بقیہ وقت کتابوں کی تصنیف کرتے۔ وکتاب درعلوم حقائق ومعارف تصنیف کرد ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء وفات یافت۔ [1]

ثمرہ انوار میں ہے۔

بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند وسبق کتب می خواندند ونان پارچہ نیز از سرکار می یافتند [2]

مدرسہ قدیمہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی

حاجی صفت اللہ محدث پورب میں حدیث شریف کی اشاعت آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

از مشائخ کبار بود فنون درسی در خدمت علماء عصر خود تحصیل کردہ برائے ادائے فریضہ حج بہ بیت اللہ رفت وعلم حدیث را از شیخ ابراہیم کردی کہ سر گروہ اہل زمان خود در حدیث بود و در سائر علوم مہارت داشت از راہ خشکی بہ ہند مراجعت کردہ در بلاد پورب

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اوّل ص ۴۹۵ [2] تاریخ مشائخ چشت ص ۴۸۶

یعنی مشرق علم حدیث را رواج داد۔

آپ نے ۱۱۲۰ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا۔ عمارت کی تعمیر کی۔ خود درس دیتے تھے۔ سالہا مسند تدریس آراست۔ فضلائے کثیر از گوشۂ دامن او برخاستند۔[۹]

۱۱۵۵ھ میں انتقال ہوا اُن کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے درس سنبھالا

درعلم ظاہری و باطنی تلمذ پدر بزرگوار خویش دو لوں کمال الدین سہالی است

حسین بخش نبی بخش مدرس رہے۔ یہاں سے قاضی مبارک گوپاموی وغیرہ حضرات نے فراغت حاصل کی۔[۱۰]

---

[۹] ماثر الکرام ۳۰۱ [۱۰] آمد نامہ قلمی۔

ناصر الدین محمد شاہ

مرزا روشن اختر ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ ابن خجستہ اختر جہاں شاہ نبیرہ بہادر شاہ۔

قدسیہ بیگم کے بطن سے ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوا ۱۸ برس کی عمر تک سلیم گڈھ کے قلعہ میں محبوس رہا ماں زنداں میں ساتھ رہی۔ عبداللہ خاں نے غلام علی خاں کو بھیجکر قلعہ سلیم گڈھ سے اُن کو بلایا۔

تخت نشینی ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء کو روشن اختر فتح پور میں تخت نشین ہوا۔ ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ اپنا لقب رکھا۔

روشن اختر بود اکنوں ماہ شد
یوسف از زنداں برآمد شاہ شد

شاہ کی شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ قدسیہ بیگم امور ملکی کے دقائق اور معاملات کے غوامض میں رائے صائب اور فہم رسا رکھتی تھی وہ حسب صلاح وقت سر رشتہ حزم واحتیاط کو ہاتھ سے نہیں دیتی تھی۔ سیدوں کے خلاف کوئی کام نہ ہونے دیتی پندرہ ہزار روپیہ ماہوار اس بیگم کو ملتا تھا۔

میر جملہ صدارت کل کی خدمت پر مامور کیے گئے۔ رتن چند کل امور ملکی ومالی کا نگراں کیا گیا۔ سادات بارہ کے اعزا بڑے عہدوں پر ممتاز کیے گئے۔ شاہ نے بنت فرخ سیر سے عقد کیا جشن منایا گیا۔

سیدوں کے اقتدار سے دوسرے امرا اُن سے عداوت رکھنے لگے اور یہ بھی خفیف الحرکت تھے۔ فرخ سیر کے طرفدار چھبیلا رام ناگر نے ۱۷۱۹ء میں صوبہ الہ آباد میں بغاوت کردی اس کا بھتیجا گردھر بہادر بھی اس کے ساتھ ہوگیا دونوں حکومت کے مخالف ہوگئے چھبیلا رام نے یکایک نومبر ۱۷۱۹ء بعارضہ فالج انتقال کیا۔ گردھر سے صلح کرنا چاہی لیکن وہ راضی نہ ہوا تو سیدوں نے اودھ کی صوبہ داری اور عطا کی۔ نظام الملک کی طلبی ہوئی وہ سیدوں کی وجہ سے ادھر نہیں آیا بلکہ اُن سے اسیر گڑھ کا قلعہ فتح کرلیا حسین علی عاجز بادشاہ کو ہمراہ لے کر نظام سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا۔ محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں عرصہ سے سید برادران کی قوت کو توڑنا چاہتے تھے۔ میر حیدر کو حسن علی کے پیچھے لگادیا۔ اُس نے راہ میں پالکی میں درخواست حسین علی کو دی وہ پڑھنے میں مشغول ہوا۔ میر صاحب نے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ سید عبداللہ دلّی میں تھے وہ فوج لے کر بادشاہ کے مقابل آئے شکست کھا کر گرفتار ہوئے قید میں قید ہستی سے آزاد ہوئے۔ اول الذکر ۱۷۲۰ء میں فرخ سیر کے انتقام میں اپنے کئے کو پہونچے۔ دوسرے بھائی ۱۷۲۲ء میں بھائی کے پہلو میں اجمیر میں جا سوئے اہل علم کے قدردان سخی مشہور تھے۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی اُن کے بڑے مداح تھے اُن کے بعد نظام الملک دکن سے آگیا اور وزارت پر سرفراز ہوا۔ یہ عقیل اور دانا شخص تھا اُس نے مملکت کا انتظام کرنا چاہا۔ مگر دیگر امرا آڑے آتے رہے راجہ جے سنگھ نے جزیہ بند کرادیا۔ آخرش دربار کی بدتر حالت ہوگئی اور شہر میں بدامنی پھیلنے لگی تو نظام الملک دکن لوٹ گیا اور خود مختار حکمراں بن گیا۔

قوم مرہٹہ | سیواجی نے اپنی قوم کو قابل توجہ بنایا۔ عالمگیر نے اپنے زمانہ میں

اس طاقت کو اُبھرنے نہ دیا۔ سیواجی ۱۶۸۰ء میں فوت ہوا شاہانہ حملوں کے صدمات سے یہ قوم ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن چکی تھی۔ پھر بہادر شاہ کی کوتاہ نظری اور غفلت شعاری نے سرے سے اُن میں زندگی کے آثار پیدا کر دیئے دوبارہ قوت عود کر آئی۔ سکھ جو درویشوں کے جرگہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہ بھی طاقتور ہو کر شاہی سرداروں سے لڑیں سنبھالتے کے لئے میدان میں نکل آئے فرخ سیر اور عہد محمد شاہ میں سکھ اور مرہٹے پوری قوت کے حامل تھے حسن علی اور نظام الملک نے اُن کی پشت گری کی اپنے اقتدار کے لئے اُن کو مغلیہ سلطنت سے بھڑنے کی شہ دی بلکہ حسن علی نے محمد شاہ سے اُن کو فرمان صوبہ داری بھی عطا کرایا مگر اُن کی سرشت بے وفا تھی موقعہ پا کر مرہٹوں نے دلی پر حملہ کر دیا۔ مگر اہل دلی نے مقابلہ کر کے عزت سے پسپا کر دیا۔ اس زمانہ میں نادر نے ہندوستان پر حملہ کی ٹھانی۔

نادر شاہ

نادر شاہ نے اشرف شاہ کے عہد میں عروج پایا کہ پہلے خراسان سے ابدلیوں کو نکال دیا۔ اشرف ۱۷۲۹ء میں کرمان اور قندہار کے درمیان مارا گیا۔ ترکوں نے ایرانیوں کی حدود پر قبضہ کر لیا یہ اُن سے لڑنے چلا تھا کہ خراسان میں کچھ شورش ہو گئی۔ واپس آکر خراسان فتح کیا۔ پھر ہرات لیا۔ یہاں سے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اُس کے نابالغ لڑکے کو برائے نام تخت پر بیٹھایا۔ پھر قندہار کو فتح کر لیا۔ تب اُس کی نظریں ہندوستان پر اُٹھنے لگیں۔ نادر شاہ نے ایک قاصد محمد شاہ کے پاس بھیجا یہاں مے نوشی سے فرصت کہاں تھی کہ قاصد باریاب دربار کیا جاتا آخر ش

نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ انڈس عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔ لاہور پہونچتے ہی گورنر صوبہ سے مقابلہ ہوا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ نادر شاہ دہلی سے سو میل قریب پہونچ گیا۔ سامنے محمد شاہی فوج بھی آ جمی۔ خان دوراں خاں کمانڈر انچیف سخت مقابلہ کے بعد زخمی ہو گیا۔ جانبری کی امید نہ رہی میدان سے پڑاؤ پر لایا گیا۔ آصف جاہ عیادت کو پہونچے تھوڑی دیر میں خان دوراں نے آنکھ کھولی اور آہستہ سے اتنا کہا کہ خیر ہم تو اپنا کام کر چکے اب تم لوگ جانو اور تمہارا کام۔ مگر اتنا کہے دیتے ہیں کہ بادشاہ کو نادر کے پاس اور نادر کو شہر میں نہ لے جانا۔ جس طرح ہو سکے اس بلا کو یہیں سے ٹال دینا۔ محمد امین خاں برہان الملک اودھ سے آ گئے تھے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے رہے تھے۔ ہاتھی پر بیٹھ کر قزلباش کی فوج پر تیر برسا رہے تھے کہ قزلباش چاروں طرف سے گھر آئے ایک جوان نیشاپوری اُن کا ہم نوا اور یار تھا۔ گھوڑا اڑا کر اُن کے قریب پہونچا اور آواز دی کہ

محمد امین دیوانہ شدہ کہ جنگ می کنی وبچہ اعتماد جنگ می کنی۔

برہان الملک نے بادشاہ کی نمک خواری کا بھی خیال نہ کیا۔ قزلباشوں کے ساتھ نادر کے پاس حاضر ہوئے۔ نادر شاہ نے جرم بخشی کر کے عنایت فرمائی برہان الملک کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا۔ چنانچہ اُس نے مصلحت آمیز باتیں کر کے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیں اور یہیں سے وطن واپس تشریف لے جائیں نادر شاہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ برہان الملک نے ایک عریضہ میں یہ سب حال بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ محمد شاہ نے آصف جاہ بہادر کو روانہ کیا۔ اُس نے برہان الملک کے ذریعہ شاہ نادر سے ملاقات کی۔ بعد گفتگو کے پھر آیا۔ کہ دو کروڑ روپیہ لعل بے بہا لیجئے

اور یہاں سے اپنے وطن بخیر و خوبی مراجعت کر جایئے۔ شاہ نادر نے آصف جاہ اور برہان الملک کی بات منظور کر لی۔ آصف جاہ عہد و پیمان کر کے وہاں سے رخصت ہو کر محمد شاہ کے حضور میں آیا۔ اس کارگذاری کو اس عنوان سے بیان کیا کہ محمد شاہ آصف جاہ کی دولت خواہی سمجھے برہان الملک کی حسن خدمت کا کوئی ذکر ہی درمیان میں نہ آیا محمد شاہ نے خان دوراں اور امیر الامرائی کا خطاب اور خلعت بیش بہا آصف جاہ کو عنایت کیا برہان الملک وہاں امیر الامرائی کے منصب کو اپنا حق سمجھے بیٹھا تھا۔ اس نے جب آصف جاہ کے خطاب و خلعت کا حال سنا تو بہت بگڑا اور پیچ و تاب کھایا۔ اور نادر شاہ سے کہا کہ حضور نے کیا غضب کیا جو ہندوستان کے قارونی خزانہ کو چھوڑ کر دو کروڑ روپیہ پر رضامند ہو گئے یہ رقم تو فقط غلام ادا کر سکتا ہے۔ بادشاہی خزانے اور امراء و مہاجنوں کے گھرانوں کے کیا ٹھکانے ہیں۔ شہر یہاں سے صرف چالیس کوس ہے حضور وہاں تکلیف فرمائیں۔ نادر شاہ نے اپنے ارادے کو بدل دیا اور دلی چل کھڑا ہوا آخرش ہر دو بادشاہ نے ملاقات کی مارچ ۱۷۳۹ء کو دونوں بادشاہ لال قلعہ کی طرف بڑھے۔

میل ملاپ کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دلیویوں اور مغلوں سے چل گئی نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیا۔ کوئی تیس ہزار مقتول کہتا ہے کوئی چالیس ہزار۔ آصف جاہ کے عرض معروض پر نادر نے تلوار میان میں کی۔ تخت طاؤس لیا۔ بقول مسٹر اسکاٹ نوے لاکھ پونڈ کی لاگت کا تخت طاؤس تھا۔ مگر جیل نصائح شاہجہانی نے سات کروڑ قیمت تخت کی لکھی ہے اور نادر جو جواہر شاہجہانی خزانہ سے لے گیا وہ بھی پچیس کروڑ سے کم نہ تھے غرضکہ نادر شاہ صدہا ہاتھی اور شاہی سواری کے گھوڑے بیسوں ہر قسم کے کاریگر اور

علوی خاں طبیب کو لے کر اپنے ملک واپس پھرا حکومت مغلیہ کی اس واقعہ سے رہی سہی آبرو جاتی رہی۔ لشکر تباہ ہوا۔ خزانہ خالی ہوگیا۔ نادرشاہ کا آنا اور مغلیہ سلطنت کے ڈھانچے کو توڑ مروڑ کر چلے جانا سردار باجے راؤ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اور اس کو اپنی حوصلہ آزمائی کا پورا موقع ہاتھ لگا۔

غرضکہ نادرشاہ نے محمد شاہ کو تاج و تخت بخش دیا اب سلطنت کا خزانہ خالی ہوگیا اور دریائے سندھ کے مغربی صوبے بھی ایرانیوں کو دیدینے پڑے۔

مرکز کے کمزور ہونے سے سکھوں اور راجاؤں نے مل کر سرہند پر حملہ کیا اور اپنا ایک سردار مقرر کیا۔ مرہٹوں نے دکنی اور مغربی صوبوں میں اپنی حکومت قائم کرلی اور بہار بنگال اور اڑیسہ پر دھاوے کرنے لگے۔

گنگا کے دوآب میں علی محمد خاں روہیلہ نے ملک کو کماؤں کی پہاڑی تک اپنے قبضہ میں کرلیا۔ سعادت علی خاں اودھ میں علی وردی خاں بنگال میں آصف جاہ نظام الملک دکن میں خود مختار ہوگئے۔ غرضکہ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ فوت ہوا۔

محمد شاہ کا علمی دور

محمد شاہ (۱۱۳۱ھ۔۱۱۶۱ھ) کے زمانہ میں نواب شرف الدولہ ارادت خاں نے دلی کے بازار دریبہ میں سرراہ ایک مدرسہ ۱۱۳۵ھ میں تعمیر کرایا۔ اس مدرسے ملحق ایک مسجد بھی ہے۔ اس کی پیشانی پر یہ ایک منظوم کتبہ کندہ ہے جس کے آخری شعر سے تاریخ نکلتی ہے

سال تاریخ بنا گفت خرد   قبلۂ حاجات ارادت کیشاں
۱۱۳۵ھ

اسی طرح احمد آباد گجرات میں اسی زمانہ میں مولانا نورالدین احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ نے ایک عالیشان مدرسہ تعمیر کرایا اور اس میں ان کی مسند درس بچھی ہوئی تھی اور درس و تدریس کا فیض جاری تھا۔

بہادر شاہ اوّل کے زمانہ میں ایک مدرسہ فرخ آباد میں فخرالمرابع کے نام سے قائم تھا۔ اس کے بانی ایک صاحب علم مولوی ولی اللہ نامی تھے۔ مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح اس دور کے چند دیگر مدارس کے تذکرے ملتے ہیں جن کے نام گنانے کی چنداں ضرورت نہیں لیکن اسلامی سلطنت کے دورِ اضمحلال میں ہونے کی وجہ سے ان مدرسوں کا کوئی تعلق حکومت سے نہیں تھا۔ کیونکہ جاہ پسند امرار مختلف صوبوں کی ولایتوں اور بڑے عہدوں پر قابض تھے ان کے پیش نظر سے زیادہ ان کی ذاتی سیاسی مصلحتیں تھیں۔ ان مدارس کا سارا بار دین دار ارباب ثروت اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی ابتری کا اثر ملک کے تعلیمی نظام پر بھی طاری ہوا۔ چنانچہ سلطنت کے دورِ زوال کے شروع ہونے کے کچھ دنوں بعد عمومی طور پر ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں میں اختلال پیدا ہوا اور اس دور میں اگر کسی فرمانروا کے زمانہ میں کہیں کوئی مدرسہ تعمیر پایا یا تعلیمی وظیفے جاری ہوئے تو عمال سلطنت نے بڑے بڑے تعلیمی اوقاف بھی ضبط کر لئے۔ چنانچہ مولانا غلام علی آزاد نے اس دور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ موثر انداز میں کھینچا ہے اور اسی سے سارے ہندوستان کے تعلیمی حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

تا آں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغاز جلوس

محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شہر و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الٰہ آباد نیز مثل دار
الطینور جون پور۔ بنارس۔ غازی پور۔ کڑہ۔ مانک پور۔ کوڑہ جہان آباد
وغیرہا ضمیمۂ حکومت گردید و ظائف و سیور غالات خاں داد ہائے
قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ و کار شرفا ر بر پریشانی کشید و
اضطرار معاش مردم آں جا را از کسب علم باز داشتہ در پیشہ سپہ گری
انداخت و رواج تدریس و تحصیل برآں درجہ نہ ماند مدارسے کہ از
عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتادہ انجمن اربابِ
کمال بیشتر برہم خورد۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ؕ

بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ او ابوالمنصور
خاں صفدر جنگ رسید و وظائف و اقطاعات بہ دستور زیر ضبط
ماند و در اواخر محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الٰہ آباد نیز بہ صفدر جنگ
مقرر شد۔ و نتیجۂ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ
ماندہ بود بہ ضبط در آمد و در عہد احمد شاہ صفدر جنگ بہ پایۂ وزارت
اعلیٰ صعود نمود نائب صوبہ اکابر ارباب وظائف تنگ تر گرفت
و تا حین تحریر کتاب این دیار پامال حوادث روزگار است[۱]۔
با ایں ہمہ ہندوستان کے دین دار علمار اپنے دینی اخلاص۔ اصلاح و تقویٰ
اور ایثار سے ہندوستان کے قدیم اسلامی نظام کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالے

---

[۱] ماثر الکرام۔

رہے مدرسوں کی بوسیدہ عمارتوں میں قال اللہ وقال الرسولؐ کا درس جاری رکھا پھر اس دور سے اس زمانہ تک ایسے ارباب خیر بھی رہے جو مدرسوں کو چلاتے - نئی عمارتیں بنواتے اور طلبہ کے لئے مصارف کا بار اُٹھاتے رہے - جزاہم اللہ

شاہ ولی اللہ صاحب کا درس وتدریس

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے علوم کی تحصیل کی اور پھر اپنے والد کے مدرسہ کی مسند درس پر بیٹھے - پھر حضرت شاہ عبدالعزیز حضرت شاہ محمد اسحٰق حضرت عبدالقادر اعلی اللہ مقامہم باری باری جلوہ افروز ہوئے اور اس سرچشمہ فیض سے خاص طور پر علم حدیث ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

فرنگی محل

ہندوستان کے مشہور دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ کی ابتداء بھی عالمگیری کے عہد میں ہوئی ہے۔ قصبہ سہالی (اودھ) کے مشہور صاحب درس ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیر نے ان کے صاحبزادوں کو لکھنؤ کے فرنگی محل میں ایک قطعہ مکان معہ متعلقہ عمارتوں کے ۱۱۰۵ھ میں عنایت کیا[1]۔

ملا قطب الدین سہالوی کے چھوٹے صاحبزادے ملا نظام الدین نے جو ان دنوں ۱۵ سال کے تھے اسی عمارت میں مسند درس قائم کی جسے مدرسہ نظامیہ کا مشہور لقب حاصل ہوا اور اس کا مرتب کیا ہوا نصاب تعلیم دو صدیوں تک

---

[1] مقالات شبلی۔

بلا اختلاف ہندوستان میں رائج رہا اور آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدرسے نصاب تعلیم میں بہت کچھ تبدیلیاں قبول کر لینے کے باوجود اسی نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ آج فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ پر تقریباً ڈھائی سو برس گذر چکے ہیں۔ اس مدت میں سیکڑوں علماء اور فضلاء اس خاندان میں پیدا ہوئے اور اس مدرسہ کی مسند تعلیم کو مسلسل قائم کئے رہے۔ اور اُن کے دامن تعلیم و تربیت سے ہزاروں علماء پیدا ہوئے جنھوں نے ہندوستان کے چپہ چپہ کو علم و تعلیم کی روشنی سے منور کیا۔ فرنگی محل کے ان اکابر علماء میں جو درس و تدریس میں اپنے وقتوں میں فن کے امام اور مسلم اُستاد تھے ملا نظام الدین، مولانا بحر العلوم عبد العلی، مولانا عبد الوالی، مولانا عبد الحکیم، ملا حسن، ملا حسین اور مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی وغیرہ ہیں۔

مغلوں کے دورِ حکومت کے آغاز سے عالمگیر کے زمانہ تک میں تعلیم کی اشاعت پر سلاطین امراء اور ہر عہد کے علماء و فضلاء کی جو توجہ رہی اس کا اثر یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبے گجرات، پنجاب، دہلی، آگرہ، سندھ، دکن، بنگال، بہار، جونپور، اودھ اور الہ آباد مختلف دوروں میں تعلیم کے مرکز رہے اور اُن کی تعلیمی خدمات عالمگیر کے عہد تک خصوصیت کے ساتھ جاری رہیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں مشرقی ہندوستان کی عمومی اور اودھ و الہ آباد کی خاص طور پر تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"سرزمین پورب از قدیم الایام علم و علماء است ...... اگرچہ جمیع صوبجات ہندیہ وجود حاملان علوم تفاخر دارند سیما حصار ہائے تخت خلافت کہ بہ واسطہ مرجعیت صاحب کمالان ہر قسم دران جا

فراہم می آیند و از تراکم افکار و اجتماع عقول اہل ہر عصر کمالات نفس ناطقہ راچہ علم عقلی و نقلی وچہ غیر آں باپایہ' بالاتر می رسانند اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتوان یافت چہ تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کردہ بہ بیت دہ کردہ تخمیناً آدمی شرفا و بیش بہا است کہ از سلاطین و حکام و وظائف و زمین مدد معاش داشتہ اند' مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہاد و مدرسان عصر و ہر جا ابواب علم بر روئے دانش پژوہاں کشادہ وصدائے اطلبوا العلم در دادہ و طلبہ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے می روند و ہر جا موافقت دست بہم داد و بہ تحصیل مشغول می شوند و صاحب توفیقاں ہر معمورہ طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت ایں جماعہ را سعادت عظمیٰ می دانند صاحبقراں ثانی شاہجہاں انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ما است و تا حدود ۱۳۰۰ھ ہنگامہ علم و علما دریں گل زمیں گرمی داشت۔[۵۱]

مدرسہ شہابیہ

قاضی شہاب الدین بن محمد حسن ادہمی نے اپنی نشست گاہ کو مدرسہ کی شکیل دی۔

از علمائے وقت بود کسب کمال از خدمت مولوی عبد الرحیم

---

۵۱ عہد اسلامی کا ہندوستان۔

مرادآبادی تلمیذ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نمود و در جمیع علوم سیما ہیئت و ہندسہ عدیم المثل بود[۹۱]

حکیم عبدالحکیم نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں

وقرأ العلم علی شیخ قطب الدین بن عبدالحکیم انصاری السہالوی و قرأ علیہ ولد القاضی قطب الدین گوپاموی و مولانا محمد صالح بنگالی و مولانا محمد اشرف شارح سلّم والقاضی مبارک کمانی برسالۃ القطبیہ وفاتش در عشرہ ثالث بعد مائۃ الف واقع شد ۱۱۳۰ھ

آپ کے انتقال کے بعد ملا قطب الدین گوپاموی نے اس مدرسہ کی مسند تدریس سنبھالی علامہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :۔

ملا قطب الدین عالم متبحر و مشتہر مدرس بودند و شاگرد پدر بزرگوار در ہمہ علوم معقول و منقول سرآمد روزگار بود بحکم ارث در فنون ریاضی رایت مہارت با سماں می افراخت و اہلہ مستفیدان را بہ اشعۂ کمال لبریز می ساخت ۔

مولوی مصطفےٰ علی خاں تذکرہ انساب میں آپ کے متعلق رقمطراز ہیں

در خدمت ایشاں زیادہ از چہار صد کس فارغ التحصیل شدند و از بنگالہ تا پنجاب شاگردان ایشاں در می گویند[۹۲] بست و پنجم رمضان ۱۱۶۰ھ در آغوش بہشت آرمید[۹۳]

---

۹۱ مآثر الکرام ۹۲ تذکرہ انساب للمولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی ۔

۹۳ مآثر الکرام ص

مولوی محمد سعید جعفری القادری بدایونی[۹۱] - قاضی محمد عظیم بن شیخ کفایت اللہ
ہی شارح سلم العلوم بہاری[۹۲] ملا صاحب کی مسند درس پر ملا تاج الدین سرفراز
نے صاحب ذہن رسا تھے منطق میں ید طولیٰ تھا مولانا تفضل امام خیرآبادی
ہ میں لکھتے ہیں :-

صاحب ذہن ثاقب صائب و طور و دقیق بود طبع دقائق عقلی
خوب می رسد در علوم اصول نظیر خود داشتہ در ہدایہ ذاتی مشہور بود
خلق کثیر در حلقہ درس او حاضر شدہ استفادہ علوم می کردند[۹۳]

عبدالماجد کرمانی خیرآبادی مولوی دیدار علی جائسی مجتہدی لکھنوی ارشد تلامذہ
ھے ۔ ؁ میں انتقال کیا ۔

و تاج الدین بحق فرمود[۹۴]

اس کے بعد ملا قطب ثانی نے درس سنبھالا پھر صاحب درس عماد الدین ہوئے
لے بھائی فرید الدین چکلہ دار تھے ان کے وقتوں میں مدرسہ کی عمارت گر گئی درس
ین کا سلسلہ ختم ہو گیا ۔

حمد اللہ سندیلوی کا مدرسہ

حمد اللہ شاگرد ملا نظام الدین کے تھے ۔

در قصبہ سندیلہ من مضافات لکھنو مدرسہ کلاں بنا نہاد بجہت

تذکرۃ الواصلین ص ۲۰۰ [۹۲] ارمغان یاد صفو [۹۳] آمد نامہ قلمی ملک
م اللہ شہابی کراچی ۔ [۹۴] مواقیت الفواتح از قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر گوپاموی
(ملک کتب خانہ یادریہ گوپامو)

مصارف مدرسہ چند دیہہ از پیشگاہ بادشاہ وقت (محمد شاہ) دہلی
مخاطب بہ فضل اللہ خاں بود نواب ابوالمنصور خاں صوبہ دار اودھ
بوسے دستار بدل برادرانہ داشت بسیارے علماء و فضلائے نامدار
از سایۂ دامن تربیتش سر بر آوردہ اند دہلی ۱۱۶۰ھ

تلامذہ | قاضی احمد علی سندیلوی - ملا باب اللہ جونپوری - محمد اعظم مولوی
تصنیفات میں شرح تصدیقات سلم العلوم معروف بحمد اللہ - حاشیہ شمس
وحاشیہ صدرا و شرح زبدۃ الاصول عاملی معروف و مشہور ہیں ۔

مدرسہ شیخ حامد قاری لاہور میں انہی کی خانقاہ میں تھا جہاں شیخ حامد
درس دیتے تھے ۔ ان کا انتقال ۱۱۶۶ھ میں ہوا[۱] ۔

عالم باعمل فقیر کامل شیخ مقدس تھے اس مدرسہ کے لئے محمد شاہ نے پچاس
بیگہ زمین مزروعہ واسطے مصارف عطا کی تھی ۔ اس کا فرمان مصنف تحقیقات
کے گھرانہ میں موجود ہے[۲] ۔ حامد قاری کے بعد مولوی خاں محمد مدرس رہے ، مسجد
امامت بھی کرتے تھے پھر حافظ رحمت اللہ قائم مقام ہوئے اُن کے شاگرد حافظ
تھے[۳] ۔

درس میاں وڈا (حافظ محمد اسمٰعیل) بادشاہ نے دیہہ چاہات مزروعہ
خانقاہ معافی عطا کی ۔ اسمٰعیل کے بعد محمد صالح ، ان کے بعد حافظ محمود درس د
مدرسہ میاں تیموراس کے شاگرد خان محمد جو علم فقہ اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے

---

[۱] اولیائے ہند جلد سوم ص ۱۷۲ [۲] تحقیقات چشتی ص ۳۰۹ و ۳۰۰ [۳] تحقیقات
ص ۳۹۷ ۔ ۳۹۸ ۔ [۴] تحقیقات چشتی ص ۴۰۰ ۔

مدرسہ قاضی مبارک دہلی

قاضی مبارک بن دائم ادہمی ذہن رسا و طبیعت عالی داشت [1]
و فضائل و کمالات بسیاری داشتہ۔ چنانچہ مردمان شاہجہان آباد
ایشان را امام اعظم ثانی می گفتند[2]۔

قاضی شاگرد ملا قطب الدین گوپاموی است و بعضے کتب از شاہ
حاجی صفت اللہ خیرآبادی اخذ کردہ[3]۔

ی عبدالحیٰ نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں :۔

وتلقی العلم فی عصرہ عن القاضی شہاب الدین گوپاموی۔

ی نے آگرہ جاکر سید زاہد ابن اسلم ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی وہاں
دہلی آکر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ آپ کے مدرسہ سے مولوی محمد غلی
یونی حکیم سید امام الدین رہتکی۔ مولوی محمد میرانی کشمیری ملا نور محمد کشمیری قاضی محمد
رسے حضرات فارغ التحصیل ہوکر رخصت ہوئے۔

۱۱۶۲ھ میں بعہد احمد شاہ وفات پائی حسن خاتمہ مادہ تاریخ ہے
غلام مصطفےٰ مرادآبادی :۔

انسان کامل بود در احاطہ علوم عقلی و نقلی ممتاز امّا تحصیل معقولات
بیشتر از ملا قطب الدین شہید سہالوی نمودہ و نیز سے در حدیث
شیخ غلام نقشبند لکنوی تلمذ کردہ[4]۔

---

[1] آمد نامہ قلمی۔ [2] تذکرۃ الانساب للمولوی مصطفےٰ علی خاں گوپاموی قلمی۔
[4] سرو آزاد ص ۷۶۔

لاہرپور میں مولانا شاہ محمد رکن الدین قلندر نے درس گاہ قائم کی خود درس دیتے تھے اُن کے بعد صاحبزادے شاہ محمد اسمٰعیل نے اس مدرسہ کو ترقی دی اور خود مصارف برداشت کرتے تھے[1]

---

[1] سیر العلماء ص ۷

احمد شاہ بادشاہ

غرہ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ عمر بیس سال کی
تھی۔ اس کے دربار میں لائق اہل کار جمع ہو گئے۔ آصف جاہ نظام دکن کو وزارت
کے لئے طلب کیا۔ مگر سال جلوس ہی میں وہ فوت ہو گیا تو ابو المنصور خاں کو وزارت
دی۔ عمدۃ الملک مدار المہام کو برہان الملک کا خطاب عنایت ہوا۔ آصف جاہ کے چھ بیٹے تھے میر
شاہ ملقب غازی الدین خاں فیروز جنگ دوسرے میر احمد ملقب ناصر جنگ جو باپ کی جگہ قائم مقام تھے
تیسرے پیر محمد ملقب صلابت جنگ۔ چوتھا میر محمد شریف خطاب برہان الملک تھا۔
پانچواں نظام علی خاں چھٹا میر مغل۔ اس کا لقب ناصر الملک تھا۔ بادشاہ نے فیروز
جنگ کو مشرف دیوان خاص اور بخشی گیری رسالہ عطا کی۔ ناصر جنگ کو احمد شاہ درانی
کی آمد کے خوف سے طلب کیا تھا۔ درانی اپنی شمالی مہمات میں مصروف تھا۔ ناصر جنگ
کو برہان پور سے واپس جانے کا حکم بھیجدیا۔ غرضکہ سلطنت کا انتظام کر کے عیش و عشرت
میں لگ گیا۔

وزیر الملک صفدر جنگ کی بن آئی انھوں نے اپنے ہمسایہ روہیلوں کو
پائمال کرنے کی ٹھانی۔

نواب علی محمد خاں مرے تو صفدر جنگ قائم خاں پسر محمد خاں بنگش کو آمادہ
کیا کہ یہ موقعہ ہے سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ سے ملک چھین لے وہ طمع میں
آ کر چڑھ دوڑا اور بدایوں کے قلعہ میں اسے گھیر لیا۔ سعد اللہ خاں نے نکل کر مقابلہ کیا۔

قائم خاں مارے گئے۔ صفدر جنگ بادشاہ احمد شاہ کو لے کر کوئل آیا اور خود فرخ آباد پہونچا اور بیوہ قائم خاں سے ملک چھین کر قبضہ میں کیا چند مواضعات اولاد کو بخشے بادشاہ ۱۱۶۳ھ کو دلی چلا آیا۔ نول رائے کو صفدر جنگ نے اس علاقہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔ قائم خاں کا بھائی احمد خاں بنگش صفدر جنگ کے پاس تھا وہ اس سے جدا ہو کر فرخ آباد گیا۔ اس زمانہ میں چکلہ مرادآباد میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے ایک فتح حاصل کی تھی۔ احمد خاں نے روہیلوں کو ساتھ لے کر ۱۱۶۳ھ میں نول رائے پر حملہ کیا اور جان سے مار ڈالا۔ صفدر جنگ کو اس کا علم ہوا تو راجہ سورج مل جاٹ کو لے کر پٹھانوں سے نبٹنے آیا۔ مارہرہ پر مقابلہ ہوا۔ صفدر جنگ زخمی ہوا اور شکست کھائی اور دلی آیا اور وزارت جاتی ہوئی رشوت سے سنبھالی۔ احمد خاں نے اودھ اور الہ آباد لینا چاہا۔ الہ آباد پر حملہ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ مگر صفدر جنگ نے مرہٹوں سے مدد چاہی۔ ملہار راؤ ہلکر اور جی اپا سندھیا سے جن کو بالاجی نے ابھی مالوے بھیجا تھا اعانت کی درخواست کی اور سورج مل کو ہمراہ لے کر اول جمادی الثانی ۱۱۶۴ھ کو کوچ کیا۔ جالیسر اور سعد آباد میں احمد خاں کی طرف سے شادل خاں حاکم تھا اس کے مقابل آکر شکست دی۔ احمد خاں الہ آباد کا محاصرہ چھوڑ کر فرخ آباد آیا۔ سعد اللہ خاں روہیلہ بھی مدد کو آگیا ۱۱۶۴ھ میں حسین پور میں لڑائی ہوئی۔ دس ہزار افغان مارے گئے۔ احمد خاں اور سعد اللہ خاں زندہ نکل گئے اور کوہ کمایوں میں جا کر پناہ لی۔ صفدر جنگ کی عنایت سے سرحد کوئل اور جالیسر سے لے کر کوہ ہمالیہ تک مرہٹوں کا تصرف تھا اور ان کو اجازت تھی کہ چوتھائی وصول کریں افغان بھی مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ تھے ان کے توسط سے صفدر جنگ سے صلح کر لی۔

یکا یک خبر آئی کہ احمد شاہ درانی لاہور کے قریب آن پہونچا۔ معین الملک ناظم صوبہ نے چار ماہ تک مقابلہ کیا پھر صلح کر لیا۔ بادشاہ کے خطوط صفدر جنگ کی طلبی کے گئے اُس نے دُرانی کے خوف سے ملہار راؤ کو معاونت کے لئے زرخطیر کے وعدہ پہ بلایا اور دلی کی طرف روانہ ہوا اور اُس سے طے ہوا کہ شاہ دُرانی کو شکست دیکر لاہور اور ملتان کا خود انتظام کرے ابھی یہ دلی تک پہنچے نہ تھے کہ وہاں جاوید خواجہ جو بادشاہ کا منہ چڑھا ہوا تھا اور نواب بہادر اس کا خطاب تھا اُس نے شاہ درانی کو صلح کا پیغام دیا اور لاہور اور ملتان دونوں صوبے دیکر صلح کر لی۔ احمد شاہ دُرانی ہر دو صوبے معین الملک کو دے کر چلا گیا۔ صفدر جنگ دلی آیا اور بادشاہ سے کہا ملہار راؤ کو کیا منہ دکھاؤں اور زرخطیر کہاں سے لاؤں۔ اس پر امیر الامرا فیروز جنگ خلف آصف الدولہ جو ناصر جنگ کے مرنے کے بعد دکن کے چھ صوبوں کے لئے بادشاہ سے درخواست کرتا تھا اور بادشاہ اُن سے بھاری نذرانہ مانگتا تھا۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ صوبے مجھے عنایت ہوں تو میں ملہار راؤ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں۔ اور جو روپیہ ٹھہرا ہے وہ دلا دیتا ہوں۔ یہ درخواست منظور ہوگئی ملہار راؤ دکن فیروز جنگ کے ساتھ رخصت ہوا۔ وزیر الملک نے خواجہ سرا کو اپنے مکان بلا کر مروا ڈالا جس پر بادشاہ صفدر جنگ سے بیزار ہوگیا۔ فیروز جنگ اپنے بیٹے شہاب الدین محمد خاں کو نیابت میں بخشی گیری پر چھوڑ گیا۔ فیروز جنگ اورنگ آباد پہنچا تو بھائی اُس سے لڑنے کے لئے آیا۔ مگر جنگ سے پہلے اجل کا حکمنامہ آ پہونچا۔ شہاب الدین کو باپ کا مال ہاتھ لگا۔ اگرچہ ۱۶ برس کا تھا۔ مگر آفت روزگار تھا۔ صفدر جنگ کی خوشامد میں لگا۔ اُس نے بادشاہ سے غازی الدین خاں عماد الملک کا خطاب اس کو دلا دیا۔ اور بظاہر بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اور اس فراق میں تھا کہ انتظام الدولہ

خان خاناں کو جو قمر الدین خاں وزیر کا داماد تھا اور غازی الدین خاں اس کا بھانجا تھا ٹھکانے لگائے۔ مگر صفدر جنگ سے بادشاہ کو دلی نفرت ہوگئی تھی اس نے صوبہ اودھ جانے کی اجازت لی منظور ہوگئی۔ اہل شہر اس کا چلا جانا اچھا سمجھتے تھے مگر ہر روز شہر کے اردگرد چکر لگاتا رہا کہ بادشاہ بلالے۔ سارے شہر پر انتظام الدولہ اور غازی الدین خاں کا انتظام تھا اور شہر کے برجوں پر مورچے لگ گئے فوج جمع ہونے لگی۔

صفدر جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر سورج مل جاٹ اور اندر گسائیں فوجدار باولی محال سہارن پور کو بلایا۔ اب طرفین سے مورچے قائم ہوگئے۔ روہیلہ سرداران کو صفدر جنگ نے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ بادشاہ کا شقہ بھیجا گیا۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں خاموش ہوئے۔ رسالدار نجیب خاں داماد دوندے خاں میر مناقب شاہی سے ملے اور وعدہ کیا کہ بادشاہ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ اور کئی ہزار نفوس بسولی سے لے کر نجیب خاں دلی روانہ ہوگئے جب وہاں پہنچے بیس ہزار کا مجمع ساتھ تھا۔ شعبان ۱۱۶۵ھ کو دربار شاہی میں اطلاع ہوئی بسولی کا رسالدار جانثاری کو حاضر ہے۔ غازی الدین خاں اگے ملے اور شجاعانہ تیور دیکھ کر خوش ہوئے۔ نجیب خاں نے دہلی کی شہر پناہ کے نیچے خیمے لگا دیئے۔

صفدر جنگ اپنے ولی نعمت کے مقابل دلی سے دو میل کے فاصلہ پر مورچے جمائے پڑے تھے۔ نجیب خاں نے مقابلہ کیا۔ گسائیں مارا گیا۔ پھر مقابلہ پر سورج مل اور صفدر جنگ میدان سے پسپا ہوئے بادشاہ اس کارگذاری پر بہت خوش ہوئے اور شرف باریابی بخشا اور نوبت مع خلعت اور نوابی کا علم عطا ہوا۔ چھ ماہ یہ جنگ

رہی۔ مہاراجہ مادھو سنگھ کچھواہہ نے درمیان میں پڑکر بادشاہ سے صلح کرادی۔ صفدر جنگ مغلوب ہو گیا تھا اودھ اور الہ آباد کی صوبہ داری پر قناعت پذیر ہو گیا اور دلی سے چلتا ہوا۔

خان خاناں وزیر اور غازی الدین خاں امیر الامرا، مدار المہام سلطنت ٹھہرے۔ مگر اقتدار کی کمی بیشی سے باہمی نفاق پیدا ہوا۔ اعتماد الملک سورج مل سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خان خاناں پچاس لاکھ پر سودا کر رہا تھا۔ عماد الملک نے مرہٹوں کی امداد پر بھروسہ کر کے سورج مل پر حملہ کر دیا وہ قلعہ میں محصور ہو گیا کئی ماہ گذر گئے۔ عاقبت محمود خاں کو دلی توپ خانہ لینے بھیجا۔ خان خاناں نے روک لیا۔ انہیں ایام میں عماد الملک نے نجیب خاں کو بادن محال سہارنپور پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اُس نے قبضہ کر لیا۔ عماد الملک محاصرہ کئے پڑا ہوا تھا۔ اُس نے ملہار راؤ کو دلی بھیجا اُس نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ قلعہ میں محصور ہو گئے۔ خان خاناں وزارت سے معزول کر دیئے گئے۔ عاقبت محمود وزیر مقرر ہوئے جس نے علماء کے مشورہ سے احمد شاہ کو تخت سے اتار دیا ۱۱۶۷ھ کو قید خانہ بھیج دیا اور سلطان عزالدین بن معز الدین جہاندار شاہ کو تخت پر بٹھایا لقب عالمگیر ثانی رکھا گیا۔ احمد شاہ نے چھ سال دس مہینے سلطنت کی۔

عالمگیر ثانی

عالمگیر ثانی کی حدود مملکت میں دوآبہ کے چند ضلعے اور جنوب میں ستلج کے کئی ایک ضلعے رہ گئے تھے۔ گجرات مرہٹوں کی پائمالی میں تھا۔ بنگال بہار اڑیسہ میں علی وردی خاں کے جانشین متصرف تھے۔ اودھ میں صفدر جنگ کا دوردورہ تھا وسط دوآب میں بنگش حکمراں تھے۔ روہیل کھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں، نواب دوندے خاں، نواب نجیب الدولہ، نواب محمد علی خاں کی جاگیریں تھیں۔ پنجاب احمد شاہ درانی کے حوالہ تھا۔ دکن میں نظام کی اولاد دست بگریباں تھی۔ انگریزی سوداگر بھی موقعہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اس وقت کا حال یہ تھا جو تحریر کیا گیا:

کوائف سلطنت

غازی الدین وزیر عالمگیر ثانی کے مقرر ہوئے۔ عاقبت محمود خاں نے احمد شاہ کو اندھا کیا۔ خان خاناں کو ٹھکانہ لگایا۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں صفدر جنگ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ جانشین ہوا شاہ ابدالی کا ملتان و لاہور پر قبضہ تھا۔ اس نے معین الملک پسر قمر الدین خاں کو صوبہ دار کردیا تھا وہ گھوڑے پر سے گر کر مرگیا تو میر مومن خاں صوبہ دار ہوا اس کی ماں مغلانی بیگم نگرانی پر مقرر ہوئی۔ مومن خاں کا بھی انتقال ہوا۔ پھر خواجہ موسیٰ داماد معین الملک صوبہ دار مقرر ہوا۔ بھکاری خاں رستم جنگ کو مدار المہام مقرر کیا مگر مغلانی بیگم نے اس کو مروا ڈالا آدینہ بیگ نے ابدالی سے نائب صوبہ داری

حاصل کر لی۔ عماد الملک لاہور روانہ ہوا۔ اپنی ممانی کو خط لکھا کہ اپنی لڑکی کو جس کی نسبت اس کے ساتھ ٹھہری تھی بھیجدیجئے۔ اس نے مع جہیز کے بھیجدیا۔ ادینہ بیگ سے میل کر کے ممانی کو گرفتار کرا کر لدھیانہ بلایا اور عذر و معذرت کر لی۔ لاہور اور ملتان کی صوبہ داری تیس لاکھ روپیہ پیشکش لیکر مرنا ادینہ بیگ کو دیدی اور دلی آگیا۔ اس کی خبر شاہ ابدالی کو لگی وہ قندہار سے ہو کر لاہور پہونچا۔ عماد الملک نجیب خاں کو لیکر مقابلہ کو چلا۔ مگر دلی داد خاں نے وزیر ابدالی سے مل کر شاہ سے قصور معاف کرا لیا۔

۱۱۷۰ھ میں ابدالی دلی میں آیا بادشاہ سے ملاقات کی اور شاہانہ اختیارات ہاتھ میں لے لئے[۱] وزیر کو بھی روپیہ وصول کر کے لائے۔ یہ دلی سے چلتا بنا۔ فرخ آباد گیا احمد خاں بنگش سے نذرانہ لیا پھر شجاع الدولہ نے پانچ لاکھ روپے وصول کئے اور فرخ آباد لوٹ کر شاہ ابدالی کی حرکت کا منتظر رہا شاہ ابدالی نے خان جہاں کو مع فوج کے جاٹوں سے نذرانہ وصول کرنے بھیجا انھوں نے مقابلہ کیا تو آگرہ کا رخ کیا۔ قلعدار سیف اللہ نے بھی دو دو ہاتھ کئے اور کئی لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر بلا کو ٹالا یہ درانی شہر متھرا پر جا گرے وہاں میلہ تھا اس کو لوٹا اور شہر کو ۱۱۷۰ھ میں برباد کیا اس کے بعد دلی کی لٹائی خوب دل کھول کر احمد شاہ نے کرائی۔ دو ماہ تک دلی لٹی۔ نادر گردی کو لوگ بھول گئے پھر انوپ شہر گیا اور ملک کو تقسیم کر کے ۱۱۷۱ھ کو اپنے ملک چلا گیا نجیب خاں کو بادشاہ کا امیر الامرا مقرر کر گیا۔ جانے سے پہلے احمد شاہ نے محمد شاہ کی بیٹی سے شادی کی اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی بھتیجی سے کی۔ تیمور کو لاہور ملتان ٹھٹھہ کا ناظم مقرر کیا اور خان جہاں کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا۔

---

[۱] تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۲۹۷

غازی الدین خاں عماد الملک فرخ آباد میں بیٹھا ہوا یہ سب حالات دیکھ رہا تھا۔ ابدالی کے جانے کے بعد عماد الملک نے احمد خاں بنگش کو امیر الامرا مقرر کیا اور دلی چلا اور رگھناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہلکر کو دکن سے بلایا اور دلی کا محاصرہ کیا۔ عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ محصور ہو گئے ۲۷ روز جنگ رہی ہلکر کو بادشاہ نے رشوت دی۔ جب محاصرہ سے نجات ملی نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر چلتے ہوئے عالمگیر ثانی نے ولی عہد عالی گوہر کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ جو نجیب الدولہ کے پاس چلا گیا۔

تیمور شاہ سے آدینہ بیگ کی چھڑ گئی۔ ادینہ بیگ نے سکھوں کے جرگہ کو ہموا کر کے دوآبہ بھیجدیا انھوں نے خوب لوٹا۔ اس کے بعد اس نے رگھناتھ راؤ اور شمشیر بہادر کو دکن سے بلایا وہ شعبان ۱۱۷۱ھ میں پنجاب روانہ ہو گئے اور سرہند آکر عبد الصمد خاں جو درانیوں کا نمائندہ تھا اس کو لڑ کر مارا لاہور اور پنجاب پر مرہٹے قابض ہو گئے درانی بھاگ گئے اور اٹک پار ہو گئے۔ مرہٹوں نے ادینہ بیگ سے پچھتر لاکھ روپیہ لیکر صوبہ داری دی اور دکن چلتے ہوئے اور جنکوجی کو راجپوتوں سے لڑنے کے لئے وہاں چھوڑ گئے۔

۱۱۷۱ھ میں دتاجی سندھیا نے غازی الدین کے کہنے سے ہندوستان کو فتح کرنے کی ٹھانی پنجاب قبضہ میں تھا۔ روہیل کھنڈ اور اودھ صرف لینا تھا ۔ نجیب الدولہ پر حملہ بول دیا وہ سکرتال میں مقیم ہوا۔ نواب سعد اللہ خاں ۔ نواب رحمت خاں حافظ الملک ۔ نواب دوندے خاں نجیب الدولہ کی معاونت کے لئے آگئے ۔ شجاع الدولہ بھی لکھنو سے چل دیا۔ دتاجی سندھیا نے گوبند رام بندیلہ کو بیس ہزار کا لشکر دیکر روہیل کھنڈ تاراج کرنے بھیجدیا۔ نجیب الدولہ گھر گئے ۔ شجاع الدولہ کو

وقت پر بلاوا بھیجا اور گوبند رام کی پٹائی اچھی طرح پٹھانوں نے کر دی تو ۱۷۵۴ء میں شجاع الدولہ سے مرہٹوں نے صلح کر کے جان بچائی۔

رگھناتھ راؤ کے دکن لوٹنے۔ سداشیو راؤ نے احمد نگر پر قبضہ کیا تو اس کو غرور ہو گیا۔ اس نے ان سے کہا تم دکن سنبھالو میں ہندوستان پر قبضہ کرنے جاتا ہوں۔ ادھر دتیا جی سندھیا مارا گیا اور ہلکر کی فوج تباہ ہوئی۔ اس خبر نے اس کے ارادہ کو پختہ کر دیا۔ سداشیو راؤ عرف بھاؤ اور بالاجی راؤ پسر بسواس راؤ کو لے کر بڑے لاؤ لشکر سے دلی روانہ ہوا۔ ابراہیم گاردی افسر توپ خانہ تھا جب یہ عظیم الشان لشکر آگرہ پہونچا تو وہ سورج مل جاٹ ہلکر کی وساطت سے بیس ہزار فوج سے اس لشکر میں آملا۔

ادھر حضرت شاہ ولی اللہؒ نے احمد شاہ ابدالی کو صورت حال لکھی۔ اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھے کہ ابدالی کو بلا کر مرہٹوں کی گوشمالی ایسی کرا دو کہ یہ خدشہ ہی جاتا رہے فتح مسلمانوں کی ہے یہ بشارت دی۔ ادھر خطوط احمد شاہ کو پہونچے اور تیمور کی بے دخلی کا علم ہوا تو وہ دس ہزار فوج لے کر روانہ ہوا اور جلد گنگا جمنا کے دوآبہ میں آگیا یہاں سعد اللہ خاں نجیب الدولہ احمد خاں بنگش حافظ رحمت خاں دوندے خاں، سرداران روہیلہ سب حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت مرہٹوں کا لشکر بیس ہزار کے قریب اس ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ دتیا سندھیا اور ہلکر سرگروہ تھے احمد شاہ نے شاہجہان آباد کے قریب باؤلی پر دتیا جی سندھیا کے گروہ پر حملہ کر دیا جس میں سندھیا مارا گیا جنکو بقیہ فوج کو لے کر دکن چلتا ہوا۔ ہلکر کے لشکر پر شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں کو حملہ کرنے کے لئے شاہ درانی نے بھیجا اس کی ایسی پٹائی ہوئی کہ

تین سو سوار لیکر بھاگ گیا۔ باقی لشکر مارا گیا یا قید ہوا۔ پھر موسم برسات کا آگیا۔ شاہجہاں آباد پر احمد شاہ تھوڑے درانی چھوڑ کر انوپ شہر چلا گیا اور شجاع الدولہ کو بلانے نجیب الدولہ کو بھیجا۔ یہ ان کو سمجھا کر لے آئے۔ دس ہزار فوج کے ساتھ ابدالی کے جھنڈے کے نیچے یہ بھی جمع ہو گئے مگر ان کی خط و کتابت بھاؤ سے قائم تھی۔ بھاؤ مع مرہٹہ فوج کے اکبر آباد سے دلی روانہ ہوا۔ عماد الملک متھرا میں ان سے ملا ہلکر بھی تیس ہزار سوار لے کر بھاؤ کے ساتھ ہو گیا۔ ۹ ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ کو دلی میں بھاؤ داخل ہوا۔ سعد اللہ خاں کی حویلی میں اترا۔ قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یعقوب علی خاں بمن زئی نے احمد شاہ کو مطلع کیا۔ کہلا بھیجا کہ دلی چھوڑ کر آجاؤ۔ بھاؤ نے دلی پر تصرف کیا۔ اس نے جواہرات پر قبضہ کیا اور شہر کو لوٹا مسجدیں گرا دیں۔ اس کے ساتھ بشواس راؤ۔ بلونت سنگھ۔ شمشیر بہادر۔ سورج مل۔ غازی الدین۔ راجہ گائیکواڑ۔ ہلکر۔ مہاجی سندھیا۔ ابراہیم خاں گاردی۔ فتح خاں گاردی جنکوجی اور دوسرے سرداران راجپوتانہ تھے۔ باہمی مشورہ ہوا کہ پیشوا کے بیٹے بشواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھایا جائے اور وزیر اعظم شجاع الدولہ کو کیا جائے مگر چند روز کے لئے رسم تاج پوشی ملتوی ہوئی۔

بھاؤ ساتھیوں کو لے کر مع لشکر جو بقول کاشی رائے پانچ لاکھ تھے درانی فوج ۹۰ ہزار تھی[1]۔ ۷ رجادی الاول ۱۱۷۴ھ کو کنج پورہ پہونچا عبد الصمد خاں محمد زئی اور میاں قطب شاہ سرداران شاہ درانی فراہمی رسد کے لئے مقیم تھے ان پر حملہ کیا۔ شہید ہو گئے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر پانی پت کے میدان میں فوج

---

[1] تاریخ احمد ص ۱۲

آ جمی اور مقابلہ پر شاہ درانی مع ہمراہیوں کے آ گئے۔ پہلے چھیڑ چھاڑ رہی پھر ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ اشرف الوزرا کی فوج بہت کام آئی اور نجیب الدولہ بھی داد شجاعت دے رہا تھا۔ مگر غلبہ مرہٹوں کا تھا۔

شاہ درانی سرخ خیمہ سے نکل کر ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوا۔ میدان جنگ کا جائزہ لیا۔ شجاع الدولہ کی فوج سرد ہری دکھا رہی تھی۔ بھاؤ اور بسواس راؤ اپنی فوج کو خوب لڑا رہے ہیں، اور اُن کا ہاتھی اکثر شجاع کی فوج میں آجاتا ہے۔ اپنی فوج کی طرف نظر ڈالی۔ شاہ ولی خاں جو قلب لشکر کا محافظ تھا۔ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر مرہٹوں سے نبٹ رہا ہے مگر نازک وقت آچکا ہے۔ شاہ نے اپنے محافظ دستے طلب کئے اور اُن کو حکم دیا کہ توپ لیکر شجاع الدولہ کی فوج میں سے گذر کر بسواس راؤ کے ہاتھی کو توپ کے گولوں پر رکھ لو اور سرداران مرہٹہ رگھناتھ راؤ شمشیر بہادر جنکوجی جو بھاؤ کے اردگرد ہیں اُن پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔ غلاموں کے دستے رخصت کئے اور خود مصلےٰ بچھا کر خدا سے گڑگڑا کر دعائے فتح و نصرت مانگنے لگا۔ یکایک توپ کی آواز آئی سجدے سے سر اُٹھا کر میدان کارزار پر نظر ڈالی۔ نقشہ جنگ بگڑ چکا تھا۔ توپ کا گولہ پشت سے ہاتھی پر لگا۔ بسواس اور خود زخمی ہوئے۔ بھاؤ کی آنکھوں میں جہان تاریک ہو گیا۔ وہ اس کو اولاد سے زیادہ چاہتا تھا۔ بسواس کی جان پر زد پڑنے سے بھاؤ کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوسرے ہاتھی کے ہودے میں لٹانے کا حکم دیا۔ لٹاتے ہی وہ مر گیا بھاؤ خود ایک عربی گھوڑے پر سوار ہوا اور لڑائی کے بھنور میں آ کودا۔ شاہ ابدالی کی اس حربی ترکیب سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ بھاؤ داد شجاعت دے رہا تھا۔ روہیلہ سردار نواب عنایت خاں خلف حافظ الملک تیغ زنی کرتے ہوئے بھاؤ کی طرف نکلے

ہر دو میں نیزہ بازی ہوئی۔ عنایت خاں ایک مرد شجاع اور بہادر شخص تھا اس کا وار نہ جھیل سکا۔ گھوڑے سے نیزہ کے ساتھ نیچے آرہا۔ عنایت خاں نے گھوڑے سے کود کر تلوار سے بھاؤ کا سر اُتار لیا۔ ؎

ز شمشیر عنایت خاں دراں جنگ :: اجل گفتا سر بھاؤ تراشد[1]

سرداران مرہٹہ نے بھاؤ کا گہوارہ نہ دیکھا اون کے اوسان خطا ہو گئے۔ ادھر پٹھانوں اور روہیلوں نے جوش و خروش سے مرہٹوں پر تیغ زنی شروع کر دی اور تمام سمتوں سے اُن کو رگیدتے ہوئے چلے حتیٰ کہ شام کے چار بجے سارا میدان مرہٹہ جنگ جوؤں سے خالی ہو گیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ گرانٹ ڈف کے بقول دو لاکھ مرہٹے اور دکنی میدان پانی پت میں قتل و ہلاک ہوئے۔

جو مرہٹے میدان جنگ سے بھاگے افغانیوں نے دس بارہ کوس تک اُن کو تہ تیغ کیا۔ جو جان بچا لے گئے وہ پانی پت پہونچے۔ دقت سے خندق کو طے کر کے دمدمہ پر چڑھ کر حصار کے اندر داخل ہو گئے۔ مگر خندق میں گر کر بہت سے کام آئے۔ افغانوں نے شب ہی میں قصبہ کے اردگرد پہرے لگا دیئے اور علی الصبح قصبہ میں داخل ہو کر جس قدر مرد عورت بچے حصار میں ملے سب کو گرفتار کر لیا۔ عورتیں اور بچے اپنے ملک میں لے جانے کے لئے علیحدہ کر لئے اور بقیہ مردوں کو ذلت و مصیبت اور فاقہ زدگی سے بچانے کے لئے قید ہستی سے انہیں چھڑا کر ہمدردانہ سلوک کیا اُن کے پچھلے مظالم کا یہ بدلہ لیا۔ اب افغانی بپھر چکا تھا۔ ان سے ان کے سروں کے کلہ منار ہٹائے جس سے جوش غضب کچھ سرد پڑا۔

کاشی رائے لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد تمام بڑے بڑے سرداروں

[1] نقش سلیمانی۔

نے شاہ ابدالی کو تہنیت فتح کی نذریں پیش کیں اور شاہ نے میدان جنگ کا سرسری معائنہ کر کے جس میں کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے، اپنے خیمہ کو واپس ہو گیا اور تمام افسران بھی اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے[1] عام سپاہی لوٹ میں لگا ہوا تھا مرہٹہ لشکر میں غلّہ نہ تھا روپیہ کا بھی توڑا تھا۔ عورتوں کے زیورات گلوا کر روپیہ و اشرفیاں بنوائی تھیں۔ کاشی رائے لکھتا ہے۔

ایک افغانی سوار آٹھ آٹھ دس دس اونٹ قیمتی سامان سے لدے ہوئے لاتا دیکھا جاتا تھا۔ گھوڑے بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکے جا رہے تھے اور ہاتھیوں کی بھی بڑی تعداد پکڑی گئی تھی۔

مال غنیمت علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے کہ پانسو ہاتھی۔ پانچ ہزار گھوڑے دو لاکھ بیل (مویشی) بہت سا جواہر و زر نقد اور بے شمار اسلحہ و ظروف کثیر المقدار اسباب اور ہزارہا خیمے معہ سامان آرائش وغیرہ لشکر ابدالی کے ہاتھ آئے[2]

تعداد افواج بھاؤ فارسی تاریخوں میں بھاؤ کے لشکر کے آدمیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ اسی بنا پر مقتولین کا شمار بھی تین سے آٹھ لاکھ تک لگایا گیا ہے[3] لیکن گرانٹ ڈف کے نزدیک تین لاکھ نفوس بمقام پانی پت لشکر بھاؤ میں موجود تھے۔ منجملہ ان کے جنگجوؤں میں سے ⅓ حصہ اپنی جان سلامت لے جا سکا اور افغانی مقتول بیس ہزار سے کم نہ تھے۔"

مولوی سید محمد علی تپش اکبرآبادی نے جنگ پانی پت میں بھاؤ کے لشکر[4] کی تعداد

[1] پانی پت کا خونی میدان مصنف ۱۹۶۲ء

[2] [3] پانی پت کا خونی میدان از سید جالب دہلوی مصنف اپریل ۱۹۶۲ء ص ۲۸

چار لاکھ لکھی ہے۔ ڈھائی لاکھ میدان جنگ میں کام آئے۔ پچاس ہزار دکن تک پہنچتے پہنچتے اہل دیہات نے قتل کر دیئے کہ ان مرہٹوں نے اُن کے دیہات لوٹے اور جلائے۔ اور دیہاتیوں کو مارا پیٹا تھا گوجروں نے پورا پورا اُن سے بدلہ لیا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اپنے دیہات میں اُن کی مدد کی اور دکن کے سفر کے لئے خرچ دیا[1]۔ سورج مل نے مرہٹوں کا ساتھ دیا اور دس لاکھ روپیہ سے مدد دی اور ایک لاکھ مرہٹے بحالت تباہ پٹے پٹائے وطن مالوف لوٹے۔

مرہٹہ سردار جو بچ رہے

ملہار راؤ ہلکر۔ وٹھل شیدیو اور داجی گائیکواڑ۔ معرکہ پانی پت سے بچ نکلے۔ انتا منکیسر میدان سے بھاگا۔ فرخ نگر کے جاٹوں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باجی راؤ پیشوا کا لڑکا شمشیر بہادر زخمی تھا وہ سورج مل جاٹ کے قلعہ ڈیگ میں پناہ گیر ہوا۔ دہنی پاربتی بائی زوجہ بھاؤ بھی معہ اپنے چند مجروحوں کے ابراہیم گاردی کے ساتھی مسلمان سپاہیوں کی معاونت سے ڈیگ پہنچ گئی دہنی نے تین روز ٹھہر کر اپنے خاوند کی مراسم تعزیت ادا کیں۔ بعد ازاں سورج مل نے معقول بدرقہ و محافظین کے ساتھ اس کو دکن کی طرف رخصت کیا۔ شمشیر ڈیگ ہی میں مرگیا۔ مادھو سندھیا کو بھی ایک مسلمان عورت نے اپنے یہاں جگہ دی، اس کے بیٹے نے زخموں کا علاج کرایا جب کچھ آرام ہوا تو گوالیار پہونچا۔ کچھ عرصہ بعد اکبر۔ ماں بیٹوں کو لے گیا اور عزت سے اپنے پاس رکھا۔ آج تک وہ خاندان موجود ہے۔

ابراہیم گاردی گرفتار ہوا اور زخموں کی تکلیف سے چندروز بعد مرگیا۔ شمشیر بہادر

---

[1] جنگ پانی پت از مولوی سید محمد علی تپش اکبر آبادی معلم العلما ۱۸۵۴ء

بھاگتا ہوا مارا گیا۔ جنکوجی سندھیا بھی قتل کیا گیا۔ ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا۔ ایاجی سندھیا لنگڑاتا ہوا دکن پہونچا۔ مرہٹوں کو سخت شکست ہوئی۔ اس صدمہ سے بالاجی تھوڑے دن بعد مرگیا تمام مہارسٹرا میں صف ماتم بچھ گئی

فتح کے بعد احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز قیام کر کے بادشاہ دلی عالی گہر کو مقرر کیا اور شجاع کو وزیر اور نجیب الدولہ کو امیر الامرا جوان بخت کو بادشاہ کا نائب مقرر کیا۔

شہزادہ جوان بخت را ولی عہد شاہ عالم نمود و شہر را باختیار نجیب الدولہ گذاشتہ۔ سیر المتاخرین ص ۳۷۰

سرداران روہیلہ کو رخصت کیا۔ شجاع کو اودھ و الہ آباد روانہ کیا نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم کر کے خود قندہار چلا گیا[1]

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص ۳۰۹

ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

نام مرزا عبداللہ نام تھا۔ ارباب خاندان عالی گوہر سے خطاب کرتے تھے عزیزالدین عالمگیر ثانی کے خلف اور معزالدین جہاندار شاہ کے پوتے تھے ماں کا نام لال کنور تھا۔ بادشاہ ہوکر ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا[۱] والدہ کا سایہ بہت کم عمری ہیں سر سے اُٹھ گیا تو سوتیلی والدہ نواب زینت محل نے سگی ماں سے بڑھ کر پرورش کی[۲] ۱۷ ذیقعدہ ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت علم سے طبعی لگاؤ تھا۔ عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت[۳]، ہندی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ خطاطی میں بھی درک تھا تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ سید محمد درویش کے مرید ہوئے۔ مولانا فخرالدین سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے تھوڑا بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

ولیعہدی عالی گوہر کو عالمگیر ثانی نے ولیعہد قرار دے لیا تھا عمادالملک غازی الدین کے فتنہ سے ولی عہد کو بچانے کے لئے جھجر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی[۴]۔

عالی گوہر نے نال کٹوڑے بھیج کر سلطنت کو وزیر عماد الملک کے دست تسلط سے نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور

[۱] واقعات عالم شاہی [۲] شاہ عالم نامہ ص ۱۵ [۳] مجموعہ نغز [۴] نادرات شاہی ص ۲۰

اُس نے زبردستی سے بادشاہ سے شقے بھجوائے عالی گوہر باپ کے بلانے پر دہلی ہوگئے مگر جمنا کے کنارے علی مردان خاں کی حویلی میں قیام کیا عماد الملک نے بدعہدی کی اور ولی عہد کے مسکن کو محاصرہ میں لے لیا یہ بدقت جمنا پار ہو کر ہانسی حصار پہنچے وہاں سے نواب نجیب الدولہ کی دعوت پر کنج پورے کے راستے میران پور پہنچے نواب نے ولی عہد بہادر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پچاس ہزار روپے ماہوار اخراجات کے لئے نذر کرنا شروع کئے نجیب الدولہ نے بہت ہاتھ پیر مارے روہیلوں کو تیار کیا جاٹوں سے مدد لینا چاہی کہ ولی عہد کو سامنے رکھ کر عماد الملک سے انتقام لے ایک سال تک عالی گوہر اُن کے پاس مقیم رہے آخرش یہاں کوئی صورت بنتے ہوئے نہ دیکھی لکھنؤ روانہ ہوگئے ۹ جمادی الاول ۱۱۷۳ھ کو شجاع الدولہ نے شایان شان استقبال کیا اور ہاتھی گھوڑے خیمے ڈیرے سارا امارت کا سامان مہیا کر کے پچاس ہزار روپیہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قضیہ

بنگال میں نواب سراج الدولہ کی جگہ انگریزوں نے میر جعفر کو ناظم بنا دیا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گذرے تھے کہ سارا ملک اُس کے ہاتھوں تنگ آگیا۔ محمد قلی خاں الہ آباد کے صوبہ دار نے اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ بنگال پر خود قبضہ کرے چنانچہ ولی عہد کی تاک میں تھا نجیب الدولہ کے قیام کے دوران میں خطوط لکھے تھے کہ آپ الہ آباد آجائیے چنانچہ عالی گوہر اور شجاع الدولہ میں مشورے ہوئے اور الہ آباد پہونچے۔ یہاں محمد قلی خاں نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ ۲ رجب ۱۱۷۳ھ کو ولی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہوگئے "کرم ناسا" ندی کو پار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں اُن کا پلہ بھاری رہا۔

لیکن انگریزوں کی فوج کی آمد کی خبر نے محمد قلی خاں کو دل برداشتہ کر دیا۔ عالی گوہر اس سے بے خبر تھا کہ میرا لڑنا درحقیقت اب جعفر سے نہیں ہے بلکہ ایک نئی اور بالکل اجنبی قوم سے ہے جس کی قوت عقلی اور حکمت فوجی کا کبھی اندازہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس غلط فہمی کے باعث جب شاہی لشکر اور جعفر کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو موقعہ کی نزاکت دیکھ کر عالی گوہر نے محاصرہ اٹھالیا اور ۲۵ ذیقعدہ ۱۱۷۳ھ کو دیوان مکندپور میں فروکش ہو گئے۔ لہ

ایسٹ انڈیا کمپنی

انگریزی اقتدار فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی مل چکی تھی اور کلکتہ کے پریسیڈنٹ کی دستک سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی اس کے بعد سے ارباب کمپنی نے مال منگوانا اور بلا محصول روانہ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اس کے سازشی طور پر غیروں کا مال بھی اپنی دستک سے بھیجنے لگے اس حرکت سے ناظم بنگالہ کی آمدنی میں نقصان کثیر واقع ہوا۔ اس نے ناراض ہو کر زمینداروں کو اشارہ کیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمینداری فروخت نہ کرے اس وجہ سے ایک عرصہ تک انگریزوں کو اپنی ذہنی مطلب برآری میں ناکامی رہی جبکہ نواب الہ وردی خاں ناظم بنگالہ نے تقضائی اور بسبب نہ ہونے اولاد ذکور کے اس کے بھتیجے کا بیٹا نواب سراج الدولہ ۱۸ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اس کی انگریزوں سے اس بنا پر بگڑی کہ اس کے چچا کا دیوان اس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جا ملا اور

لہ شاہ عالم نامہ

جب سراج الدولہ نے مانگا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے مدراس میں بھی انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا وہاں سے کمک آئی مگر انگریزی فوج کے ساتھ نواب کرناٹک کی فوج بھی تھی۔ پھر بھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی۔ مگر سراج الدولہ کی فوج کے آدمی اس قدر مارے گئے کہ فتح کی خوشی میسر نہ آئی۔ بعد اس کے ان شرائط پر صلح ہوئی۔ کہ موافق عہدنامہ شاہی کے انگریز اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدیں اور مال بھی اپنی دستک سے روانہ کریں مگر وہ مال صرف اپنا ہی مال ہو۔ چند روز گذرے تھے کہ اور سازش شروع ہوئی۔ الہ وردی خاں کا داماد میر جعفر خاں معہ دیوان رائے دلبھ رائے اور جگت سیٹھ مہتاب رائے کے انگریزوں سے مل گیا انگریزوں نے اس کو ناظم بنگالہ بنا دینے کے وعدہ پر اس سے ایک خفیہ عہدنامہ کرا لیا جس میں سراج الدولہ کے عہدنامہ پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ

کلکتہ سے دکن چلپی تک کمپنی کی زمینداری سمجھی جائے۔ فرانسیسی بنگال سے نکال دیئے جائیں اور دو کروڑ چھتیس لاکھ روپیہ بطور نقصان کے کمپنی کو دیا جائے۔"

اس عہدنامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ جعفر سے دل میں صاف رہا اس عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بے وفائی کھلی تو سراج الدولہ کے ہوش جاتے رہے اور ساتھ ہی اس کے پیر اکھڑ گئے۔ اس لڑائی میں سراج الدولہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے انگریزوں

لہ شاہ عالم نامہ ص۵ انوار الدین نامہ۔

کے قدم بالکل جم گئے اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔

میر جعفر کے ایک بیٹا تھا جو اسی زمانہ میں بجلی گرنے سے مرگیا۔ اب جعفر کے داماد قاسم علی خاں نے وہ کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اس کے خسر میر جعفر نے کی تھی۔ انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پرانا طریقہ کام میں لایا گیا کہ عہدنامہ سابق پر پچیس لاکھ روپیہ نقد اور بردوان۔ میدنی پور اور چٹ گاؤں کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریز جعفر کو چھوڑ کے قاسم کے معاون و مددگار بن گئے اس میں لارڈ کلائیو کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ جعفر کو اصل حال سے خبر نہ تھی۔ قاسم کی نظر پھری دیکھ کر انگریزوں کے پاس مشورہ لینے گیا۔ وہاں جعفر تو قید کر لیا گیا اور قاسم علی خاں ناظم بنگالہ مشہر کر دیا گیا میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہدنامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضرورتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

عالی گوہر کی تخت نشینی عالی گوہر نے ۲۷ محرم ۱۱۷۳ھ کو دوبارہ بہار کی طرف رُخ کیا۔ سون دریا کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا چار ماہ بعد دہلی سے خبر ملی کہ عمادالملک نے ۸ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ کو عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا[۱] دولت خواہوں کے مشورہ سے ۴ جمادی الاول کو عالی گوہر نے کھٹولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

تاریخ جلوس

زہے شاہ عالی گہر عدل گستر ۔۔۔ باو تاج و تخت و نگیں شد مسلم

بروں آمد سال جلوس ہمایوں ۔۔۔ ز سلطان ہندوستاں شاہ عالم[۲]

(ولادعلی ذکا)

[۱] شاہ عالم نامہ ص ۹۰ [۲] مفتاح التواریخ ص ۳۴۴

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو خیر خواہی کے صلے میں پہلے کو امیر الامرائی اور دوسرے کو وزارت کا خلعت ارسال کیا اور منیر الدولہ احمد شاہ ابدالی کے دربار میں سفیر کر کے بھیجا۔[1]

رسومات جشن جلوس سے فراغت پا کر لشکر نے حرکت کی۔ رام نرائن نے آگے بڑھ کر روکا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی اور زخمی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہی فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے اپنی فوج راجہ کی مدد کے لئے بھیجدی سال بھر تک جھڑپیں رہیں آخر کامیابی انگریزوں کو ہوئی۔ جمادی الآخر ۱۱۷۴ھ ۱۷۶۱ء میں بادشاہ نے مسیولا فرانسیسی کی معاونت سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد اپنے کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز سردار انہیں لے کر پٹنے چلے آئے اور قلعہ میں ٹھہرایا۔

بادشاہ پچھلی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ کو میر جعفر کا داماد میر قاسم جو بنگال کا ناظم مقرر ہو چکا تھا وہ بادشاہ کے پاس پٹنہ آیا اور چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی سند حاصل کر لی۔

مگر انگریزوں نے اپنی دستک سے اپنا اور گماشتوں اور دیگر قوم کے تاجروں کا مال روانہ کرنا شروع کر دیا جس سے قاسم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ برباد ہونے لگا پہلے تو اس نے انگریزوں سے شکایت کی مگر جب کسی نے نہ سنی تو اس نے سرے سے اس محصول ہی کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ جب تمام اقوام کے تجار کو محصول کی معافی ہو گئی تو انگریزوں کی دوسروں سے اندرونی طور پر محصول وصول کرنیوالی دستبرد

---

[1] شاہ عالم نامہ۔

جاتی رہی۔ میر قاسم کو بے رُخی سے دیکھا اور دھمکایا کہ بجز ہماری قوم کے دوسری قوموں پر محصول معاف نہ ہونے پائے۔

الہ آباد کا قیام

منیر الدولہ احمد شاہ دُرّانی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی بحالی کا مژدہ سُنایا۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے استدعا کی کہ الہ آباد آکر مقیم ہوں۔ بادشاہ خود انگریزوں کی نگرانی سے بچنا چاہتے تھے آخر شوال ۱۱۷۴ھ کو پٹنے سے روانہ ہو گئے۔ ۱۰ ذیقعدہ کو شجاع الدولہ استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ شرف قدمبوسی حاصل کیا اور ۵ ذی الحجہ کو الہ آباد لے آئے یہاں شجاع الدولہ اُن پر مسلط ہو گیا۔

دو ڈھائی سال شجاع الدولہ شاہ عالم کو لئے پھرا مرہٹوں سے بندیل کھنڈ میں مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ ۱۱۷۵ھ میں شکست پا گئے۔ بادشاہ وزیر کی ترقی کی بہاریں دیکھ رہے تھے[1] خلعت وزارت شجاع الدولہ کو مرحمت کیا۔ جھانسی کا قلعہ فتح کر کے الہ آباد گئے

بکسر کی جنگ

میر قاسم کی انگریزوں سے چل گئی تھی۔ ہر دو میں آخر ش مقابلہ ہوا۔ شکست پا کر شجاع الدولہ کے پاس الہ آباد آیا۔ وزیر بظاہر استعانت اور بباطن بنگال پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے پرچم کے نیچے عظیم الشان لشکر اکٹھا کیا اور بنارس کی طرف انگریزوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۷۸ھ ۱۷۶۴ء کو بکسر میں قاسم اور شجاع الدولہ کی فوج نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی جس میں کثرت سے انگریز کام آئے۔ یہ کمک جو اودھ سے آئی

[1] سیر المتاخرین ص ۷۰۔

تھی۔ اس میں بسبب اس کے کہ بنارس ماتحت اودھ تھا مہاراجہ بنارس بھی شریک تھا۔ جب موقع جنگ میں انگریزوں کی حالت ابتر ہونے لگی تو انھوں نے مہاراجہ بنارس کو توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے آقا کی فوج میں سے لڑے انگریزوں کو گھس آنے دیا اور یہی جنگ بکسر کی جنگ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔

شجاع الدولہ جان بچا کر نواباں روہیل کھنڈ کی خدمت میں آگیا۔ یہاں ان کی بڑی خاطر و مدارات ہوئی۔ اب بادشاہ بے یار و مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی حفاظت میں دے دیا اور الہ آباد واپس چلے آئے۔

بکسر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرگئی اب تک انگریز ہندوستان میں تجارت کرتے تھے۔ اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

شجاع الدولہ اور انگریز

شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ اور ۲۸ لاکھ روپیے سالانہ آمدنی کے دو صوبے الہ آباد اور کوڑہ شاہجہان آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دیئے جانے پر صلح کرلی بادشاہ کا قیام الہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔

اس عرصہ میں میر قاسم کے بجائے میر جعفر دنیا سے چل بسا انگریزوں نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو مسند نشین کیا۔

اب گذشتہ عہد ناموں پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ نائب صوبہ انگریز کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا اور بلا اجازت ان کے موقوف نہ ہوسکے گا۔

غرضکہ چند روز تک انگریزوں نے اپنا آوردہ نائب صوبہ بنا کر اس جھگڑے کو بھی الگ کیا صرف نجم الدولہ برائے نام ناظم رہے ۲۶ لاکھ سالانہ میر جعفر کی طرف سے

شاہ دہلی کو جاتا تھا حسب برابر اور بدستور وعدہ پر بہار اڑیسہ بنگال کی دیوانی کا فرمان ۲۴ صفر ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۶ء کو حاصل کر کے نظامت کا جھگڑا ہی ختم کر دیا۔

شاہ عالم الہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے نگراں انگریز تھے[1] اور اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کھانے کے شجاع الدولہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

سات برس بادشاہ الہ آباد میں رونق افروز رہے۔ امرا نے رنگ رلیوں میں لگا کر جی بہلانے کا سامان مہیا کر دیا۔

بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری

عیش و عشرت کی بانسری الہ آباد میں بج رہی تھی کچھ دن بعد دل گھبرا گیا دلی جانا چاہتے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے دو آبے کے کچھ اضلاع دے صلح کر لی تھی۔ کیونکہ مادھو راؤ پیشوا ۸۰ ہزار فوج سے جاٹوں پر آ گرا جواہر سنگھ راجہ بھرت پور مر چکا تھا کچھ دن ہوئے تھے نول سنگھ گدی نشین ہوا تھا اس کو شکست دی ہوا ۱۱۸۳ھ میں دہلی آیا۔ ادھر سکھ دو آبے میں لوٹ مچا رہے تھے نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے صلح کر لی وہ فرخ آباد چلتے ہوئے۔ تھوڑا عرصہ نہ گذرا تھا رجب ۱۱۸۴ کو نجیب الدولہ انتقال کر گئے۔ مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ باندھا۔ تجویز یہ تھی کہ فی الحال شاہ عالم کو ہاتھ میں لیا جائے اور درخواستیں آنے لگیں کہ آپ اپنی موروثی راجدھانی کو چھوڑے ہوئے کیوں الہ آباد پڑے ہیں ضابطہ خاں خلف نجیب الدولہ مرہٹوں کے ساتھ فرخ آباد جاتے ہوئے اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ بادشاہ کے منہ میں پانی بھر آیا انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی

---

[1] سیر المتاخرین۔

کے خلاف دلی روانہ ہوگئے فرخ آباد آکر مقیم ہوئے۔ یہاں مرہٹہ سردار آکر قدمبوس ہوئے نواب فرخ آباد نے نذرانہ پیش کیا، وہ منظور کرتے ہوئے ۲۹ رمضان ۱۱۸۵ھ ۵ مئی ۱۷۷۱ء کو دہلی میں تشریف فرما ہوئے۔[1]

نواب ضابطہ خاں

مرہٹوں کی راہ میں ضابطہ خاں ایک زبردست کانٹا تھا۔ سمجھتے تھے یہ روہیلوں کا بڑا سردار بھی ہے لہٰذا انھوں نے شاہ عالم کو اُبھار کر ضابطہ خاں پر حملہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ بادشاہ اُن کے ہاتھ میں کھیل رہا تھا نہ تو اس کو اس کی پرواہ تھی کہ یہ جماعت حکومت مغلیہ کی درپے ہے اور اس سے زیادہ نجیب الدولہ کے جو احسانات تھے وہ سب بالائے طاق رکھ کر شوال ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۲ء میں روہیلوں کے تباہ کر دینے کے ارادے سے اپنی فوج لے کر روانہ ہوگئے۔ اس فوج کشی کا ضابطہ خاں مقابلہ نہ کرسکا۔ سکھرتال میں قلعہ بند ہوا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کی پناہ میں گیا۔ مرہٹوں نے خاندان نجیب الدولہ کے جملہ افراد بچوں عورتوں تک کو پکڑ کر قید کیا۔ مال اسباب لوٹا۔ شاہ عالم اپنے سامنے مخدرات روہیلہ کو ذلیل و خوار ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔[2]

غوث گڈھ کے علاوہ پورا سہارنپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا بادشاہ ماہ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ میں فتح و کامرانی کا پرچم اُڑاتے ہوئے شہر میں رونق افروز ہوئے مرہٹہ کامیاب ہوئے مگر انھوں نے مال میں سے بادشاہ کو کچھ حصہ نہ دیا آخر کار بادشاہ نے کچھ سوچ کر نول سنگھ جاٹ کی سرکوبی کے لئے ان مرہٹوں کو روانہ کیا اور

---

[1] وقائع عالم شاہی دالیسٹ انڈیا کمپنی کا ریکارڈ۔ [2] نجیب التواریخ قلمی (مالک بیت المصنف علی گڈھ) [3] جام جہاں نما ص ۹، ج ۲

مرزا نجف خاں ایرانی جو اپنے بھائی روہیلوں کو تباہ کرنے میں مرہٹوں سے زیادہ بازی لے گیا تھا اس کو بخشی فوج مقرر کیا۔ مرہٹوں سے نجات کی صورت بادشاہ نے یہ نکالی تھی۔ مرزا نجف خاں نے مغل فوج کی بھرتی شروع کی مرہٹے تاڑ گئے۔ انھوں نے فوراً ہی ضابطہ خاں سے ساز باز کر کے معقول تاوان کے بدلے میں امیر الامرائی دلانے کا وعدہ کر لیا۔ تکوجی جاٹوں کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامرا بنایا جائے بادشاہ ٹال مٹول کرنے لگے۔ بزور شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں[1] کا قصور بھی معاف کرایا اور جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی بادشاہ لاچار تھے اور اُن کے اشارے پر چل رہے تھے۔ ۱۱۸۵ھ میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیرداری بھی اپنے حق میں لکھوالی۔ اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ روہیل کھنڈ پر اُن کا زلزلہ ڈھلا لوٹ مار غارتگری کا بازار گرم ہو گیا یکایک نارائن راؤ پیشوا کے مرنے کی خبر نے مرہٹوں کو فکر مند کر دیا وہ روہیلوں سے صلح کر کے دکن جانے کو ہوئے۔ بادشاہ سے من مانی شرائط منوا کر دکن گئے۔

[1] ضابطہ خاں بڑا بہادر شخص تھا مگر بادشاہ کی تلون مزاجی اور امرائے سلطنت کے سازش سے وہ حکومت مغلیہ کو فائدہ پہونچانے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوا اپنے والد کے نجات ہوتے ہوئے اُس نے چاہا پھر مرہٹہ اقتدار نہ بڑھے مگر اس کی تدابیر بروئے کار نہ آئیں ذی علم اور اہل اللہ کا گرویدہ تھا حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادگان کی خدمت ہر طرح سے کرتا رہتا تھا اور حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کا معتقد ہی نہیں بلکہ مرید خاص تھا۔ مناقب فخریہ کہ:۔۔۔ او درین اعتقاد مردے بود بے نظیر در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود[2]

[2] مناقب فخریہ صفحہ ۴۸

ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی

مرزا نجف خاں کے دن پھرے۔ یہ ایران سے آکر محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد کا ملازم رہا۔ اس کے بعد میر قاسم کا متوسل بنا۔ منیر الدولہ کے توسط سے الہ آباد میں شاہی ملازمت اختیار کر کے دہلی چلا آیا۔ اس نے اپنی بہادری اور تدبر سے ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب حاصل کیا۔[1]

پہلے جاٹوں کا زور توڑا پھر بادشاہ کی شہ پر ضابطہ خاں کے مقابلہ کو آیا۔ سکھوں اور روہیلوں کے متحدہ لشکر سے خونریز جنگ کر کے ۹ رمضان ۱۱۹۱ھ کو نواب ضابطہ خاں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو روہیلوں کی مذکورہ لڑائی تباہی و بربادی کے صلہ میں امیر الامرا اور نائب وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اب نجف خاں نے ہاتھ پیر نکالے ایران سے لوگوں کی آمد شروع ہونے لگی۔ دلی میں چند دنوں کے عرصہ میں ایرانی ایرانی نظر آنے لگے۔ اپنے مسلک کی ترویج عام کر دی۔ رہے سہے اسلامی شعائر مٹنے لگے۔ نئے نئے مشغلے شروع ہو گئے۔ بے غیرتی بڑھی ہوئی تھی قوم کی حمیت و غیرت نے دوسری کمزور اقوام کو ابھرنے کا موقعہ دیا۔ سکھوں نے پھر زور باندھا اور دوآبے سے لے کر لاہور تک قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ شاہ عالم نے مجد الدولہ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا وہ شکست کھا کر دلی بھاگ آیا۔ مرزا نجف خاں آگرہ تھا

---

[1] مرزا نجف خاں شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا اس نے اپنا نائب وزیر مقرر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے بھی اس کی سفارش کی کیونکہ وہ انگریزوں کا ہمنوا مرہٹوں اور روہیلوں کا دشمن تھا ادھر اس کو جاٹوں کی خود سری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ [2] تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص ۳۲۲

بادشاہ نے اُسے دلی بُلایا د ۱۱۹۳ھ کو مجد الدولہ گرفتار ہوا اور اُس کی خدمات مرزا نجف خاں کے سپرد ہوئیں)؛

مرزا نجف خاں جہاں اپنوں کے لئے متعصب تھا وہاں شجاع اور بہادر بھی تھا۔ اُس نے سکھوں کی تنبیہہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ ۱۱۹۵ھ میرٹھ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شاہی لشکر جیت گیا۔ سکھوں کا سردار ۵ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کھیت رہا۔ پھر سے لاہور تک کا کل علاقہ مغل حکومت کا مطیع ہوا اور پھر نئے سرے سے سکہ بیٹھ گیا۔

چنانچہ مرزا ۱۷۷۳ء میں روہیل کھنڈ کی مہمات میں مصروف رہا اُس نے اکبرآباد کا قلعہ جاٹوں سے لے کر محمد بیگ ہمدانی کے سپرد کیا۔ جاٹوں کے راجہ رنجیت سنگھ کو اس کا بڑا داغ تھا اُس نے دس ہزار فوج جمع کی اور سکندرآباد پہونچا۔ دلی میں اُس وقت صرف پانچہزار سوار اور دو پلٹنیں سپاہیوں کی تھیں جن سے اُس کی مڈبھیڑ ہوئی شکست کھا کر واپس گیا۔ پھر چین نہ پڑا تو سمرو فرانسیسی کو ساتھ لے کر آیا مرزا روہیل کھنڈ سے آ گیا تھا ۱۷۷۵ء میں سرکوبی کو روانہ ہو گیا۔ کربانہ سے سردار نجف قلی خاں دس ہزار سپاہ کے ساتھ آ گیا یہاں دلی میں مجد الدولہ عبدالاحد خاں فتنہ اُٹھا رہا تھا کہ آصف الدولہ نواب وزیر کا وکیل لطافت خاں پانچہزار سپاہ سے پہنچ گیا اُس نے مجد الدولہ کی تدبیریں چلنے نہ دیں مرزا نجف خاں ہوڈل میں پہونچا۔ وہاں سے جاٹوں کو رگیدتا ہوا ڈیگ تک گیا۔ سمرو نے بھی زور لگایا مگر مرزا کی شجاعت سے منہ کی کھانی پڑی۔ قلعہ ڈیگ ۱۷۷۶ء میں مرزا کے ہاتھ آیا چند لاکھ روپیہ نقد اور بہت کچھ آگرہ کی لوٹ کا مال ملا۔ جاٹ بے سر و پا بھاگے۔ کھیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ اب جاٹوں کے پاس صرف تین

قلعے رہ گئے تھے۔ بھرت پور کی راج گدی نجف خاں نے کیونکہ رانی نے اس کو بھائی بنایا تھا۔ اس بنا پر اُس کے لڑکے کو عطا کی اور تمام جاٹوں کی بستیوں میں دادو دہش سے اسلام پھیلایا۔ لطف یہ ہے کہ وہ بیشتر سادات کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے وہاں سے لوٹ کر دلی آیا۔[1]

مرزا نجف خاں کی موت اس بہادر نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد سے حکومت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا امرا میں پھوٹ پڑ گئی مرزا کے متوسلین میں سے محمد شفیع خاں اور افراسیاب خاں میں امیر الامرائی کی رسہ کشی ہونے لگی۔ یکے بعد دیگرے امیر الامرا ہوئے اس اثنا میں مرزا جواں بخت ولی عہد نے جو رنگ امرا کی چپقلش کا دیکھا خود اُس نے چند امرا کو موافق کر کے بادشاہ کو اُن کے پھندے سے نکالنا چاہا اور امیر الامرا بن کر انتظام سلطنت کرنے لگا بادشاہ سلامت شکرانے کی نماز دوگانہ ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ خیرات و مبرات بہت کی گئی۔ مگر محمد شفیع اور افراسیاب خاں دونوں میل کر گئے۔ بادشاہ پھر اُن کے قبضہ میں آکر شاہ شطرنج بن گیا۔ ولی عہد کو جان بچانا مشکل ہوگیا۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو طوفانی شب میں دہلی سے فرار اختیار کی رام پور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہونچے۔[2]

مادھوجی سندھیا مادھوجی سندھیا اور مرزا شفیع خاں امیر الامرا میں خفیہ معاہدے ہو چکے تھے کہ وہ دلی پر اقتدار قائم کرے اور امیر الامرا نے پورے طور پر مدد دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا" سندھیا ایک بڑی فوج

---

[1] تاریخ بھرت پور از مولوی رحیم بخش جے پوری قلمی [2] وقائع عالم شاہی

لے کر جمنا کے شمال ہی میں پہونچا تھا کہ اُس نے شفیع کی موت کی خبر سُنی۔ سندھیا نے دہلی دربار میں خطوط بھیجے جس میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ شاہی خاندان کی شان و شوکت از سر نو قائم کرنا چاہتا ہے جو ایک چال پر مبنی تھی اور یہ صورت اپنی ریاست سے قریب میں رکھنے کی پیش کی کہ شاہ عالم معہ اپنے دربار کے چلے آئیں جہاں وہ سلطنت کے کاروبار کو مختلف جماعتوں کے اطمینان کے مطابق طے کر سکیں۔ اور اُس نے امیر الامرا افراسیاب خاں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ افراسیاب نے بلا سوچے سمجھے سندھیا کا آلہ کار بن کر بادشاہ کے سامنے یہ صورت پیش کی اور اُس کی موافقت میں بادشاہ کی رائے کو مائل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔ شاہ عالم آگرہ جانے پر راضی ہو گئے اور روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر مادھو سندھیا بڑھتا ہوا دلی تک آ گیا اور افراسیاب کو مشورہ کے لئے بُلایا اور خیمہ میں دھوکے سے قتل کرا دیا۔

مادھو سندھیا کا اقتدار بادشاہ نے پیشوا کو وکیل مطلق کیا اور مادھو کو اپنی نائب کا منصب مرحمت کیا مادھوجی نے بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امرا کی باہمی شکر رنجیوں سے فائدہ اُٹھا کر آگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کیا اور بادشاہ کی ۶۵ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امرا کی جاگیریں ضبطی میں لائی گئیں۔ یہ دن تھا جس دن مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہوا بادشاہ مرہٹہ ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے براج رہے تھے اور مادھو مناقب فرما رہے تھے۔

ملک و مال سب کھوئے کر پڑے تمہارے بس ۔ مادھو ایسی کیجیو آدے تم کو جس

مسلمانوں میں حکومت کے اس ناگوار واقعہ نے غم و غصہ کی ایک لہر پید

کردی۔ اتفاقیہ راجہ پرتاب سنگھ والی جے نگر برسر پرخاش ہوا اُس سے لڑنے مادھو سندھیا گیا۔ عین موقعہ جنگ میں اُس کے سرداروں نے سندھیا کو دھوکہ دیا اور اُس کو شکست اُٹھانا پڑی اور گوالیار کا راستہ لیا[۵۱]۔

روہیلوں میں بیچینی بادشاہ کے مذکورالذکر واقعات نے روہیلوں میں عام بیچینی پیدا کردی اور مشورے ہونے لگے کہ کس طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو چھڑایا جائے اور رہی سہی جو حکومت ہے وہ بچالی جائے۔ نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے ساز باز کیا حتیٰ کہ شہرت یہ اُڑی کہ وہ سکھ ہوگیا۔ آخرش نجف خاں کے ہاتھ سے اس کی تدبیریں خاک میں ملیں۔

اس کا بیٹا غلام قادر تھا یہ مرہٹوں کے ساتھ غوث گڈھ کی تباہی کے بعد سے تھا مرہٹے ضابطہ خاں کے بیوی بچے پکڑ لائے تھے۔ بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کرا دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی۔ عمر اس وقت ۹-۱۰ سال کی تھی یہ بہت خوبصورت اور حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے منظور نظر بنا کر خصی کرا دیا اور قدسیہ باغ میں رکھا گیا۔ بادشاہ بھی اب رنگ رلیوں کی نذر ہوگئے تھے۔ دن رات ناچ گانا ہوتا۔ چنانچہ غلام قادر کو زنانے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جاتا۔ جب تک نادان رہا سہی بادشاہ کے ظلم سہے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملا[۵۲]۔

واقعات نواب غلام قادر ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر جاگیر پر قابض ہوا اس کو بادشاہ سے

---

۵۱ تاریخ ہندوستان ۹، ۲۲۱ ۴ ۳۳ ۵۲ واقعات مظفری و نجیب التواریخ صفحہ قلمی

ایک گونہ دشمنی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے تھی جس نے نجوث گڈھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ چنانچہ منظور علی خاں ناظر قلعہ معلی نے جو مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آچکا تھا۔ غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دہلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم کیا جائے۔ مادھوسندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقعہ پا کر کچھ جاں نثار روہیلوں کو ہمراہ لے کر غلام قادر دلی پر چڑھ دوڑا۔ منظور علی خاں ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کرا دیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر الامرائی حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ تھے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڈھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد اسمٰعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۶ رجب ۱۲۰۱ھ کو زبردست جنگ ہوئی اس میں مسلمانوں نے داد شجاعت دی۔ اس اثناء میں سہارنپور سے اطلاع آئی۔ یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے چیرہ دستی شروع کر دی اس خبر پر غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ میں واپس جانا پڑا۔

امراء کی کشیدگی

آغاز ۱۲۰۲ھ میں غلام قادر خاں دلی آیا شاہ عالم نے پھر سندھیا کو کمک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا۔ اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امرا بگڑ بیٹھے اور غلام قادر کے شریک اور ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی سلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور پھر امیر الامراء اُس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو خزانہ شاہی ہے

اس میں سے اس قدر روپیہ مرحمت فرمائیے تاکہ نئے سرے سے فوج بھرتی کی جائے اور اتنی طاقت آپ کی ہو جائے کہ آپ کا وہ ملک جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں مرہٹوں کو دیا ہے واپس لے کر حکومت مغلیہ کی آبرو بچالی جاوے تمام اہل کار غلام قادر کی رائے کے موید تھے۔ مگر سیتل داس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔[۱]

شاہ عالم کے اعمال کا ثمرہ

غلام قادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان امرا کو وقار حاصل ہو۔ اور اس نے وہ خط نکال کر بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ جو بادشاہ نے مادھوسندھیا کو غلام قادر کے مقابلہ میں مدد کے لئے لکھا تھا[۲] اس نے شاہ عالم سے کہا کہ اگر اس وقت ان حرکتوں سے درگذر وں اور فوج کا انتظام کر لوں تو مرہٹہ قوت کو توڑ کر رکھ دوں گا میرے دادا نے آپ سے کیسی رفاقت کی اور حکومت مغلیہ کے بچاؤ میں اپنا خون پسینہ ایک کیا آپ اپنے ہاتھوں اس حکومت کو مرہٹوں کے سپرد کر رہے ہیں مگر بادشاہ نے اس کی التجا کی کوئی شنوائی نہ کی۔ آخر ش اپنی جان اور حکومت مغلیہ کو بچانے کے لئے یہ کیا کہ پہلے شاہ عالم کو معزول کیا اور ۲۲ شوال سنہ ۱۲۰۲ھ کو احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخت پر بیٹھایا۔ چونکہ اس کو شاہ عالم کی مرہٹہ پرستی اور ان کے لکھنے پر روہیلوں سے لڑنے اور انھیں تباہ و برباد کر ڈالنے کا بہت ملال تھا بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پاکر قلعہ معلی کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ غوث گڈھ کی لوٹ کے وقت اس کے خاندان پر جو کچھ گذری تھی کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گذر گئی۔[۳] غلام قادر کا جوش انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔

---

[۱] نادرات شاہی ص ۲۰ [۲] تاریخ ہندوستان مذکورہ ۳۳ [۳] نادرات شاہی ص ۲۹

بادشاہ شاہ عالم کا نابینا ہونا

۷ ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ کو شاہ عالم کو دیوان عام میں بُلا کر اس سے روپیہ طلب کیا انکار کرنے پر انھیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں غلام قادر کی اس حرکت قبیح پر تمام امراء اور ارکان سلطنت اس سے بگڑ بیٹھے۔ تمام ہمدردیاں اس سے جو نہیں جاتی رہیں یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میرٹھ چلتا ہوا سندھیا نے راناخاں کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور اس کو موقع پھر مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے مرہٹہ فوج نے غلام قادر کو گھیر لیا اور ربیع الاول ۱۲۰۳ھ میں گرفتار کر کے بادشاہ کے انتقام میں تکا بوٹی کر ڈالی۔ مرہٹوں کی اس کارفرمائی سے شہادت کا درجہ تو اسے مل ہی گیا۔

سندھیا نے مصلحت سے دوبارہ بادشاہ کو تخت پر بٹھایا مگر کل اختیارات چھین لئے اور اخراجات کے لئے ۹ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دئے۔

اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے کوئی روہیلہ سردار باقی نہ بچا تھا کہ اُن کی معاونت کرتا اور مرہٹوں کے لئے خوف کا سبب ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم

کچھ عرصہ کے بعد سے ہی مرہٹوں نے وحشیانہ طور سے شاہ دہلی اور دلی والوں کو ستانا شروع کیا۔ مغل بچوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے جو چاہتے کرتے اور جو کچھ ان کا جی چاہتا قلعہ معلی میں دست اندازی کر کے شاہ کا دل دکھاتے۔ شاہ عالم کی پانچویں بیوی زیدۃ النساء بیگم عاقلہ عورت تھی اُس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ وہ مقررہ رقم کے دینے میں الجھن پیدا کرتے ہیں، محل کے اخراجات کو سخت تنگی سے پورا کیا جاتا ہے۔ شاہ عالم سے کہا لارڈ ولزلی کے نام خط روانہ کرو اور اب انگریزوں کے ذریعہ ان مرہٹوں کے پنجہ سے رہائی پاؤ چنانچہ

بادشاہ نے لارڈ ولزلی کو اپنی مصیبت کی داستان لکھی کہ "میری مرہٹوں کی قید میں اور بھی حالت بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن اُلٹی مجھ پر حکومت کرتے ہیں ما بدولت کی دلی خواہش ہے کہ میں اپنا دستور تمہیں بناؤں یا اُس شخص کو جسے تم پسند کرو میری آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مجھے مرہٹوں کی قید سے رہائی دلاؤ[1]"

لارڈ ولزلی

جونہی لارڈ ولزلی نے یہ شقہ سلطانی دیکھا بہت خوش ہوا۔ اس کے جواب میں لارڈ موصوف نے بادشاہ کا اطمینان خاطر کر دیا کہ :۔

"آپ گھبرائیں نہیں عنقریب مرہٹوں کی قید سے آپ کو ہم لوگ رہائی دیتے ہیں[2]"

مگر ڈاکٹر جتندر کما رمجم دار ایم اے، پی، ایچ ڈی۔ دیباچہ "راجہ رام موہن رائے" میں لکھتے ہیں کہ

"مرہٹوں کے ہمنوا فرانسیسی تھے اور وہ سندھیا کے پردے میں روز بروز اقتدار قائم کر رہے تھے پیرن کا توپ خانہ اور فوج اور فرانسیسی مقبوضات جو شمالی مغربی ہندستان میں تھے سندھیا کی حمایت میں مغلیہ حکومت کے کھنڈرات پر قائم تھے۔ اس بڑھتی ہوئی حالت سے انگریز خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹوں کی آڑ لیکر فرانسیسی بادشاہ کو اپنا آلہ کار بنا لیں گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ از مولوی رحیم بخش دہلوی [2] ایضاً ص ۲۵۶

کو اختیارات نے دیئے کہ وہ شاہ عالم سے معاہدہ کرلے کہ اگر بادشاہ سلامت حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں تو شرائط کے تحت آسکتے ہیں چنانچہ بادشاہ کو گورنر جنرل کے نیک ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے مارکوئز آف ویلزلی نے اس مضمون کا خط ۲۳ جولائی ۱۸۰۳ء کو بادشاہ کو لکھا کہ اگر کسی وقت حالات نازک ہو جائیں تو آپ فوراً ہماری حفاظت میں آسکتے ہیں اور اس امر کا بھی یقین دلایا کہ اگر آپ ہماری پناہ میں آجائیں تو ہر اعتبار سے برطانوی حکومت آپ کا اعزاز قائم رکھے گی اور ایک معقول وظیفہ آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے دیگی ..... اعلیٰ حضرت اس کو خوشی سے منظور کرلیں[1] گے"

کمانڈر انچیف کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ یہ پیغام رازداری کے ساتھ خفیہ طور سے بادشاہ کو پہونچایا جائے تاکہ فرانسیسی افسر کو جو دولت راؤ سندھیا کی طرف سے بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یہ موقع نہ ملے کہ وہ انگریزوں کو بادشاہ سے نہ ملنے دے اور اس طریقہ سے ان کی تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے۔ سید رضا خاں جو دہلی میں دولت راؤ سندھیا کے ریذیڈنٹ کا ایجنٹ تھا اس کام کے کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا۔ مذکورہ خط کے متعلق بادشاہ کا جواب جو سید خاں کی معرفت بھیجا گیا بہت امید افزا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے بصد شوق اس کا بھی اظہار کیا کہ وہ برطانوی حفاظت میں

---

[1] مقدمہ "راجہ رام موہن رائے" مترجم مولوی سراج الحق بی اے علیگ رسالہ مصنف مارچ ۱۹۴۲ء

آنے کو تیار ہیں[1]"

دہلی پر انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انھیں شکست دی۔ دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے لارڈ لیک کو اس جنگ کے لئے مقرر کیا تھا وہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل بوکین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انھوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں دیا صرف جنرل بوکین صف آرا تھا۔ جب خونریزی کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔ زیدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بضد رہے۔ آخرش زیدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدان جنگ کی طرف چلا شاہ کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی وہ بحالت عدم بینائی کیا تیر چلاتے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا۔ چنانچہ زیدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی۔ تیر ہاتھ بلند کر کے مارے جائیے۔ اسی اثناء میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک شقہ بھجوا دیا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار تھا آخرش مرہٹہ لارڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوتے۔ ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آ کر عرض کیا حضور آپ مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے زیدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فرزند دلبند کا خطاب

---

[1] رسالہ مصنف علی گڈھ مارچ ۱۹۳۲ء ص ۹۰

عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارکباد دیتے ہیں۔ لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اتار کر سلام کیا شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی پلٹنوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ کی سلامی اتاری اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے[۵۱]

انگریزی قبضہ

۱۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جمنا عبور کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا۔

۱۶ کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے۔ دہلی کے سارے باشندے جو مرہٹوں کے مظالم کا شکار رہے تھے دولت اُن کی لُٹی تھی عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے۔ ادھر جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی کے باشندے اور بالخصوص مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا بیان احاطہ تحریر سے باہر ہے[۵۲]۔ جنرل کو سلطنت کا دوسرے نمبر کا خطاب ملا تھا۔ کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا اب شمالی مغربی صوبوں میں اُن کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دوآبہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا[۵۳]۔

بادشاہ کی سخاوت

باوجودیکہ بادشاہ کی بہت زبوں حالت تھی جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے ہیں شکستہ حالی میں گرفتار۔ ضعیفی۔ غربت۔ عدم بصارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی

---

۵۱ تذکرہ عالم ص ۲۵۶ ۔ ۵۲ مقدمہ راجہ رام موہن رائے صفحہ ۸۹ ۔

۵۳ ایضاً۔

گذشتہ عظمت پر آنسو بہا رہے تھے۔" معلوم ہوا دولت راؤ سندھیا کا ۷ لاکھ روپیہ فرانسیسی کمانڈر دہلی کے پاس تھا جو اس کے خزانچی شاہ نواز خاں کے پاس موجود ہے کمانڈر انچیف کو بھی اس کی اطلاع ملی انھوں نے ایک مودبانہ درخواست بادشاہ کے حضور میں گذار دی کہ یہ رقم ہم کو عطا ہو بادشاہ نے اپنی فراخدلی سے بنظر عنایت وہ رقم کمانڈر انچیف کے خیمہ میں بھیجدی اور اس کو پیغام بھیجا کہ یہ رقم بطور شاہانہ عطیہ قبول فرمائی جائے۔[۵۱]

ریزیڈنٹ کا تقرر

شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے" کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے لفٹنٹ کرنیل اکٹر لونی جو ڈپٹی جوٹینٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربار مغلیہ میں ریزیڈنٹ بنائے گئے۔

دو سال جوں توں کرکے گذرے اس اثنار میں ریزارٹی پر برطانیہ کی فتح ہوئی تھی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسرت اور جانبداری کا اظہار کیا۔

افسران برطانیہ میں مشورہ ہوا کہ شاہ دہلی مدت ہوئی اپنا شاہی وقار کھو چکے ہیں اور اس کو از سر نو زندہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر شاہی رتبہ اور وظیفہ کے متعلق اختلاف رونما ہوا۔[۵۲]

۲۳ مئی ۱۸۰۵ء کو ریزیڈنٹ متعینہ دہلی کی معرفت بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ ہمارے اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر ہوں گے اور اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی

---

۵۱ دیباچہ راجہ رام موہن رائے صفحہ ۹۱ ۵۲ ایضاً صفحہ ۹۲ (مصنف)

مختصر شرطیں یہ ہیں :۔

" وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے داہنی طرف واقع ہے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے بموجب شرائط اقرار نامہ دیدیا جائے اور یہ علاقہ دہلی ریزیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور انصاف کا قائم کرنا مطابق قوانین گورنمنٹ برطانیہ شاہ عالم کے نام سے موسوم ہوگا۔

بادشاہ کو اختیار ہے کہ ایک دیوانی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسر کلکٹر کے دفتر میں رکھیں جن کا کام یہ ہوگا کہ جانچ پڑتال کریں اور بذریعہ رپورٹ بادشاہ کو اس امر کا اطمینان دلاتے رہیں کہ وصول شدہ رقوم مالیات اور وصول مال گذاری میں جو خرچہ ہو رہا ہے اس کا کوئی حصہ خرد برد نہیں کیا جا رہا ہے۔ دو عدالتیں دیوانی اور فوجداری کی اسلامی قانون کے مطابق دہلی شہر اور اس آراضی کے باشندوں کے لئے جو بادشاہ کے نام منتقل کر دی گئی تھی قائم ہونی چاہئیں اور فوجداری عدالتوں کے سزائے موت کے حکم کی تعمیل اس وقت تک نہیں کی جائیگی جب تک کہ بادشاہ سے منظوری نہ لے لی جائے اور اس کے سامنے اس قسم کے مقدمات کی روئیداد بھی پیش کی جائے گی۔ کسی عضو کے کاٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔[۱]

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں :۔

---

[۱] مقدمہ راجہ رام موہن رائے مصنف صفحہ ۹۲۔

بادشاہ اور اُن کے خاندان کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے نوے ہزار روپیہ کا مشاہرہ منظور کیا گیا۔ اگر منتقلہ اراضی کی آمدنی اجازت دے تو یہ رقم ایک لاکھ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ مذکورہ بالا رقم کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ ہندو مسلمانوں کے خاص تہواروں کے موقعہ پر قدیم رواج کے مطابق دیئے جائیں گے۔

مغلیہ حکومت کا آخری دور

مرجے ڈبلو کہتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت (مغلیہ) کی تجویز لارڈ ولزلی جارج بارلو اور مسٹر ریڈ جانسٹن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔"

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں:۔

یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک پنشن خوار کٹھ پتلی سے کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔[1]

غرضکہ شاہ عالم مدبران برطانیہ کے ایک معزز آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ اب" یہ قید ایسی نہ تھی کہ اس سے جیتے جی چھوٹنا نصیب ہوتا۔"

وفات چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۸۰۶ء ، رمضان ۱۲۲۱ھ کو اس بادشاہ نے حکومت مغلیہ کا بیڑا غرق کر کے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔

---

[1] مقدمہ راجہ رام موہن رائے مصنف صفحہ ۹۳

قطب صاحب میں بہادر شاہ اول کی قبر کے برابر دفن کئے گئے۔

اُن کی حکومت کی کل مدت ۴۸ سال ہے جس میں سے ۲۱ برس بہار و الہ آباد اور ۷ برس بینائی کے ساتھ اور ۱۹ برس آنکھیں کھو کر دلی میں گذارے[1]۔

ولی عہد اوّل

جہاندار شاہ۔ شاہ عالم کے بڑے صاحبزادہ اصلی نام مرزا جواں بخت تھا۔ ۱۱۶۲ھ میں نواب تاج محل کے بطن سے پیدا ہوئے جو مکرم الدولہ سید علی اکبر خاں بہادر مستقیم جنگ کی حقیقی بہن تھیں[2]۔

مولوی نظام الدین دہلوی سے تعلیم پائی شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اردو فارسی دونوں میں کہتے اور جہاندار شاہ تخلص کرتے تھے۔ جہاں دار شاہ سخی، خلیق بامروت، شوخ طبع اور رنگین مزاج تھے۔ جرأت اور ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن شکارگاہ میں ہاتھی بگڑ گیا چاہا سونڈ سے پکڑ کر وار کرے انھوں نے اتنی مہلت نہ دی اور تلوار کے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

۱۱۷۴ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے پیچھے انھیں نائب السلطنت بنا کر نجیب الدولہ کی سرپرستی میں دے دیا تھا۔ دس بارہ برس تک نہایت حسن و خوبی سے کاروبار سلطنت انجام دیتے رہے۔ ۱۱۸۵ھ میں شاہ عالم دلی واپس آئے تو یہ ولی عہد سلطنت کی حیثیت سے زندگی گذارنے لگے۔ مرہٹوں کے پنجے سے باپ کو چھڑانا چاہا مگر افراسیاب خاں امیر الامراء کے ڈر سے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو

---

[1] مقدمات نادرات شاہی از مولانا امتیاز علی خاں عرشی صفحہ ۳۲ [2] وقائع عالم شاہی

رات کو محل سے نکل کر رام پور گئے پھر لکھنؤ آصف الدولہ کے پاس آگئے" اس نے آداب اور خدمت گذاری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی آخر میں دلوں میں کدورت پیدا ہوئی ۔ جہاندار شاہ بنارس چلے گئے ۔ وارن ہیسٹنگز نے آصف الدولہ سے ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار نذرانہ مقرر کرادیا تھا ۔ اسی میں گذر بسر کرتے تھے[1] مرزا محمد علاؤالدین بہادر معروف مرزا بابا کی صاحبزادی جینا بیگم سے عقد کیا ۔ ۲۵ رشعبان سنہ ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہوا ۔ مرزا بابا شاہ عالم کے چچازاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی تھے ۔ جینا بیگم کے بطن سے مرزا مظفر بخت تھے جو بنارس ہی رہے شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادہ اکبر شاہ ثانی اور تین صاحبزادیاں تھیں ۔

شاعری اور شاہ عالم

شاہ عالم کو گو تمام عمر مصائب کا سامنا رہا مگر طبعی رجحان شعر و شاعری کی طرف تھا فارسی اُردو میں شعر کہتے تھے آفتاب تخلص تھا بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے ۔ فارسی کلام کی اصلاح مرزا محمد فاخر مکین سے لی ۔ اُردو میں مشورہ مولوی نور احمد ممتاز سے لیا

شاہ عالم کے عہد میں شاعری کی ترقی

گو سلطنت مغلیہ مٹ رہی تھی پر اُردو زبان سنورتی جاتی تھی" اُردو کے جتنے بڑے استاد ہیں وہ اسی زمانہ میں پھلے پھولے"

کلیم، میر، سودا، مصحفی گو جب شاہ عالم دلی آئے یہ لوگ جا چکے تھے حکیم ثناء اللہ خاں فراق شاگرد میر درد ۔ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم ۔ شاہ ہدایت ۔ میاں شکیبا ۔ مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا ۔ میر قمر الدین منت ۔ شیخ ولی اللہ محب

---

[1] واقعات اظفری (دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۵۳)

سے حضرات کا دور دورہ تھا۔ جو رفعتِ شاعری کے علاوہ شاہی دربار میں خاندانی اعزاز بھی رکھتے تھے۔"[۱]

یہی زمانہ تھا کہ سید انشاء اللہ خاں دلی آئے۔ دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا جس کے سجادہ نشین شاہ عالم خود تھے۔ حضرت نے شاعرانہ قدر دانی کے لحاظ سے اس نوجوان پر خلعت و عزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا اور سید انشاء اللہ اہلِ دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطائف و ظرائف سے ایک چمن زعفران تھا، گل افشانی کر کے محفل کو لٹا دیتے تھے۔[۲] کچھ عرصہ بعد یہ دلی سے چلتے ہوئے۔ آزاد دہلوی نے لکھا ہے کہ شاہ عالم بڑے مشاق شاعر تھے۔[۳]

مولانا عرشی رام پوری لکھتے ہیں کہ

"ان کے شعروں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں پیچ دار خیالات، مشکل فقرے یا لفظ اور دور از کار تشبیہیں نہیں ملتیں۔ ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے جو کچھ دل پہ گذرتی ہے خوشی ہو یا رنج، آرام ہو یا تکلیف اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شان و شکوہ کم مگر اثر زیادہ ہے۔ طرزِ ادا کی سادگی اردو فارسی، ہندی تینوں زبانوں کے اشعار میں یکساں پائی جاتی ہے اور یہی حال ان کے خیالات کی صفائی کا ہے رہ گئی زبان تو وہ قلعہ معلی کے ممتاز رکن تھے ان سے زیادہ ستھری اور پاک صاف اردو کون لکھ سکتا تھا جو سند کا درجہ رکھتی ہے۔"

۱؎ دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۳۹، ۴۱۔ ۲؎ آب حیات ۲۶۳ ۳؎ دیباچہ نادرات شاہی

تصانیف مغل بادشاہوں اور شاہزادوں کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ بابر اعظم مرزا کامران جہانگیر۔ داراشکوہ عالمگیر ثانی جن کی یادگار دنیا میں مجموعہ روزگار منتخب عزیزی یادگار ہے ہیں۔ شاہ عالم کی تصانیف دیوان فارسی۔ دیوان اُردو، منظوم اقدس (مثنوی) قصہ شاہ شجاع الشمس' قاسم نے لکھا ہے کہ یہ نثر ریختہ میں تھا۔ مولوی ذکاء اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی عبارت چار درویش سے کم نہیں ہے۔ نادرات شاہی۔ اُردو فارسی' ہندی پنجابی شعروں کا مجموعہ ہے مولانا امتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے مع دیباچہ کے اس کتاب کو مرتب کر کے شائع کرادیا ہے۔

علمائے عہد اور شاہ عالم شاہ عالم کے زمانہ میں علماء اور مشائخ مسلمانوں کی زبوں حالی کی اصلاح میں لگے ہوئے تھے شاہ فخرالدین بادشاہ کو اس کی اصلاح کے لئے ارشاد کرتے ہیں۔ چنانچہ مناقب فخریہ میں ہے۔

"سلطان عصر (شاہ عالم) تا بذات خود بہ امورِ ملک ستانی و ملک داری متوجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نہ کند بندو بست بہ ہیچ وجہ صورت نمیگیرد۔

سلطنت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے شاہ صاحبؒ آگاہ فرماتے ہیں

اگر امور مختار و نائب سلطنت نماید امرائے دیگر ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نہند و بے خبر پے بردگی با سلطان می گردد و رعب سلطان ہر کہ مہ نمی ماند و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر

شد او را می شناسد و سر رشتہ تعلق شان از سلطان منقطع می گردد
و در مآغ امرہوائے انانہ لاغیری می پیچد وگاہ باشد کہ بر سر می آرد
و در سلف اکثر ہمچنیں شدہ است ۔ ؎۱

آگے فرماتے ہیں :۔

پس اول مقدم این ست کہ آں صاحب بذات خود مستعد محنت کشی
و ملک گیری شوند۔"

آپ کے سامنے فتنے اٹھ رہے تھے ۔ سکھوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی اور بادشاہ
کا تغافل بڑھا ہوا تھا ایک دن خود دربار میں تشریف لے گئے اور فرمایا ۔

" بہ تنبیہہ آنہا (فتنۂ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در
ضمن آں است ۔"

سکھوں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں ۔ دہلی کے علماء کے خاندان ہر
پریشان تھے ۔ بڑے خاندانوں کو عزت و ناموس کا خطرہ تھا ۔ شاہ عبدالعزیز
اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھا ۔

ایام برد اتت فالقلب منخزع   من قوم سکھ وان الخوف معقول
سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے   سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

تذکرہ شاہ ولی اللہ میں مولوی رحیم بخش دہلوی نے پورا خط نقل کیا ہے ۔ ؎۱
عہد کے علماء کی یہ عزت مرزا نجف خاں کے ہاتھوں ہوئی ۔

شعراء کا جھمگٹا

دہلی میں ان دنوں اردو شاعری شباب پر تھی آئے دن مشا
ہوتے تھے ۔ میر تقی میر کے یہاں مشاعرہ ہوتا ۔ اس کے یہا

؎۱ صفحہ ۳۵ و ۳۶

مومن نے اپنے یہاں شعر و شاعری کی محفل جمائی مگر مرہٹہ گردی نے صحبتوں کا
ف اُٹھا دیا تھا۔

لی کی شعر و شاعری کی سبھا کا اُجاڑ

دلی میں جاٹ گردی نے امرا و امرا ارباب فضل و کمال کو بھی چین نہ
نے دیا۔ کوئی مرشد آباد و عظیم آباد گیا کوئی دکن پہونچا جن میں دوری کی سکت نہ تھی
فرخ آباد اور فیض آباد سدھارے۔

نواب شجاع الدولہ کو محمد اسحاق خاں شوستری کی بیٹی امۃ الزہرا بیگم جو
رشاہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی تھیں بیاہی تھیں اُن کی سیرچشمی سے آدمی دتی ادھر کھنچ گئی۔ مرزا
ل بخت، جو لکھنؤ گئے کچھ شعراء اُن کے پاس پہنچے مرزا سلیمان شکوہ کا لکھنؤ میں دوسرا
بار تھا، دتی سے جو جاتا اُن کے خوانِ کرم کا مہمان رہتا۔

علامہ سراج الدین علی خاں آرزو دتی سے لکھنؤ چلے گئے۔ نواب سالار جنگ کے
ں ون گذارے۔ میر غلام حسین ضاحک نے فیض آباد جا بسایا میر سوز اور مرزا رفیع
ؔدا دلی کا بگڑا ارنگ دیکھ کر فرخ آباد گئے وہاں نواب مہربان خاں رند نے ہاتھوں
تھ لیا۔

"جب وہاں کا کھیل بگڑا تو فیض آباد، پھر لکھنؤ آ گئے۔"

میر محمد تقی میر نے جاٹ گردی سے گھبرا کر اپنا وطن اکبر آباد چھوڑا۔ کچھ عرصہ دلی میں
ت دقتی سے بسر کی بقول صاحب گل رعنا وضعداری نے مدتوں ان کو دلی سے
لنے نہ دیا آخر کب تک، وہ گھبرا کر لکھنؤ چلے گئے۔ پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی، میر
ا اللہ محب، میر غلام حسین برشتہ، میر انشاء اللہ خاں انشا، اور جرات بھی لکھنؤ پہنچ گئے

مرزا قتیل جو ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ساتھ مثل ساٹھ کے تھے اُن کے مرنے پر دلی سے منہ موڑ گئے۔ غرضکہ دلی کی شعر و شاعری کی سبھا اجڑ گئی۔

علمی دور شاہ عالم کا ابتدائی زمانہ دلی سے باہر گذرا۔ عالمگیر ثانی کا عہد تھا۔ گو طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا امن چین کہاں مگر علمی ترقی بالخصوص دینیات کی وسعت پذیر تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان علمی بساط بچھائے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر کی درسگاہیں رونق پر تھیں اقطاع ہند سے طالبان علم حدیث و قرآن آکر فیض یاب ہو رہے تھے، قال اللہ و قال الرسول کی گرم بازاری تھی۔ یہی زمانہ تھا حضرت شاہ فخر الدین دکن سے دلی آئے اور اجمیری دروازہ کے باہر امیر غازی فیروز جنگ کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے

سینہ ہائے کنوز حقائق و دلہائے معادن معارف گشت خفتگان بیدار و بے ہوشان ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں با اثر گردیدند[1]

آپ کے شاگرد مولانا سید احمد بھی درس دیتے تھے، میر بدیع الدین حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی آپ کے شاگردوں میں نامور تھے۔

غرضکہ ملکی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانہ میں بھی علماء درس و تدریس میں مشغول تھے، مخالف ہوا تیز و تند لیکن یہ لوگ اپنا چراغ جلا رہے تھے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے اپنے عہد کے علمی چرچوں کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

---

[1] مناقب فخریہ

بہا مدارسُ لوطاف البصیرُ بہا | لم تفتح عینہ الا علی الصُّحُفِ

جس طرف نکل جائے اس میں مدارس نظر آئیں گے | اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری ہوگا

حضرت شاہ فخر الدین اور حضرت شاہ مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ علم طریقت کی بساطیں بچھائے ہوئے تھے۔

ان درس گاہوں نے کثرت سے علماء پیدا کر دیئے اور یہاں سے کامیاب ہو کر جہاں گئے وہاں علم کی ترویج کی۔ شاہ عالم کے عہد میں اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین حکیم شریف خاں کی سعی کے مشکور ہوئے، شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے ڈھائی پارے کی تفسیر فارسی میں لکھی۔

نصوص الحکم کا ترجمہ اُردو میں کلیم دہلوی نے کیا[۱]۔ الٰہی بخش اکبر آبادی نے ایک کتاب اُردو میں لکھ کر بادشاہ کی نذر کی۔ اس عہد میں اردو میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

علمائے کرام | حضرت شاہ فخر الدین ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نبیرہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی والدہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد گیسو دراز کی پوتی تھیں ۱۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد میاں، محمد جان، مولوی عبدالحکیم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ بیعت اپنے والد سے فرمائی وہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے۔ ۱۱۶۵ھ میں دلی آگئے اور مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں درس و تدریس میں لگ گئے اس کے علاوہ رشد و ہدایت کی محفل الگ جمنے لگی، بڑے پائے کے بزرگ تھے، ۲۷ جمادی الثانی کو وصال ہوا۔ تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

۱۱۹۹

---

[۱] تذکرہ شعر میر حسن [۲] تذکرہ ہمیشہ بہار نصر اللہ خاں قمر

حضرت مظہر جان جاناں ابن مرزا جان دہلوی شیخ محمد فضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی۔ تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا شعر و شاعری میں صاحب کمال تھے فارسی میں بیس ہزار اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا دیوان ہے۔ جو خریطہ جواہر سے کم نہیں اُردو میں غزلیں اور اشعار کافی ہیں۔ ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک ایرانی نے مرزا نجف خاں کے اشارے سے اُن کے قرابین ماری دسویں کو وصال ہوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ عمری دہلوی نے باپ سے جملہ علوم حاصل کئے سن پیدائش ۱۱۵۹ھ ہے اور وفات کا ۱۲۳۹ھ۔ تفسیر فتح العزیز تحفہ اثنا عشریہ بستان المحدثین یادگار ہے ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ العمری قدس سرہٗ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور چند تصانیف یادگار ہیں ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ نے تمام عمر اکبر آبادی مسجد میں گذاردی موضح القرآن ۱۲۰۵ھ میں لکھی تینوں بھائی درس و تدریس میں لگے رہے بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۰ھ میں وصال ہوا مہندیوں میں دفن ہیں۔

حافظ فخر الدین محدث نبیرہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی محمد شاہی عہد کے بزرگ تھے عمر کا بقیہ حصہ شاہ عالم کے عہد میں گذرا بڑے فاضل اور عالم اجل تھے۔ صحیح مسلم کی شرح فارسی میں لکھی، عین العلم اور حصن حصین کی شرحیں یادگار ہیں۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

لے مناقب فخریہ و گل رعنا وغیرہ۔

مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام ابن حافظ فخر الدین دہلوی فقیہ فاضل محدث کامل مفسر متبحر علامہ عصر تھے۔ علوم اپنے والد شارح صحیح بخاری فارسی سے تحصیل کئے۔ مسند افاضت پر متمکن ہو کر مثل اپنے اجداد کے نشر علوم میں لگ گئے۔ تصانیف میں کمالین حاشیہ تفسیر جلالین۔ محلی شرح موطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری ترجمہ فارسی شمائل ترمذی مشہور ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

مفتی محمد ولی بن مفتی محمد امان بن ابو سعید صاحب بحر الحقائق بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ ور ملا وجیہہ الدین گو پاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری۔ ملا معز الدین داماد ملا محمد صالح ہرگامی (جد مولانا فضل امام خیرآبادی) کے نواسے تھے تذکرہ علمائے اودھ میں ہے۔

"او بوفور علم و دانش در اطراف واکناف عالم بغایت مشہور اند و مہارتش در علم فقہ و حدیث ضرب المثل جمہور علما نزدیک و دور در مدرسہ پدر نیدگو از خویش پیوستہ بافادہ قیام می نماید و بعہدہ افتا بعد وفات پدر ممتاز شد۔

فتاویٰ یادگار سے ہے۔

پورب میں آپ کے اجداد و محب اللہ بہاری اور غلام یحییٰ بہاری سے علم پھیلا۔ بنگال اور مدراس میں قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شارح سلم و دیگر علما گوپاموی قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر افضل العلماء قاضی ارتضیٰ خاں بہادر علامہ عبد العلی بحر العلوم سے حضرات سے علم پھیلا اور خوب پھیلا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اور ان کی اولاد کے ذریعہ تمام ہندوستان میں علوم کی اشاعت ہوئی۔ مگر عجب

اتفاق ہے کہ یہ خاندان اور شاہ محمد افضل محب اللہ ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ بلگرام میں عبدالجلیل اور غلام علی آزاد یہ سب خاندان دو تین پشت سے آگے نہ چلے یعنی وہ علمی حیثیت برقرار نہ رہی لیکن بحرالعلوم کا خاندان اور مفتیانِ گوپامو دو سو برس تک ایک حیثیت پر قائم رہا اور سیکڑوں علماء و فضلا پیدا ہوئے مفتی محمد ولی کے صاحبزادے قاضی محمد اسمٰعیل مدراس میں قاضی القضات اور "نکات تفسیر فارسی" کے مؤلف تھے مفتی محمد ولی کا انتقال ۱۹ر شوال سنہ ۱۲۱۱ھ کو ہوا۔[۱]

قاضی احمد علی سندیلوی ابن سید فتح محمد شاگرد و داماد مولانا حمداللہ سندیلوی" دانشمند متبحر کثیر الدرس والتصانیف ذکی و ذہین بود از پیشگاہ سلاطین دہلی بعہدۂ قضائے قصبہ سندیلہ عز و امتیاز داشت،،[۲]

ان کی تصنیفات میں حاشیہ میر زاہد رسالہ و حاشیہ میر زاہد ملا جلال، میر زاہد شرح مواقف و شرح سلم العلوم مشہور و معروف ہیں۔ ۱۲۰۳ ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ مولوی حیدر علی سندیلوی مولانا حمداللہ کے خلف رشید اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں والد خود اور قاضی احمد علی کے شاگرد تھے، عمر کا بڑا حصہ باپ کے ساتھ دہلی میں گذارا آخری عمر میں وطن چلے گئے، درس و تدریس جاری کیا۔ مشاہیر علماء فضل العلماء قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی دلدار علی مجتہد لکھنوی، مولوی نور اللہ فرنگی محلی و قاضی جلال الدین آسیونی جیسے شاگرد تھے حاشیہ میرزاہد رسالہ و تعلیقات میرزاہد ملا جلال علمی یادگار چھوڑیں ۱۸ر رجب سنہ ۱۲۲۵ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی عبدالحئی دہلوی شاگرد و داماد مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی۔

" در فقہ حنفی دستگاہے کامل داشت "

---

[۱] آثار علماء [۲] تذکرہ علماء ہند

رسالہ نکاح ایامی و فتاوی متفرق تالیف سے ہیں ۶ رشعبان ۱۲۴۳ھ کو وفات پائی۔

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی نبیرہ شیخ جلال الدین کبیر پانی پتیؒ ، سال کی عمر میں قرآن مجید اور ۱۶ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ فقہ اور اصول میں مجتہدانہ درجہ حاصل تھا۔ تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، کتب حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ سے حاصل کی تفسیر مظہری جس کو اپنے پیر طریقت مرزا مظہر شہید کے نام سے لکھی ۱۲۲۵ھ میں وصال ہوا۔

ملا عبدالعلی بحر العلوم ابن ملا نظام الدین سہالوی نے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم عربیہ سے فراغت پائی لکھنؤ سے شاہجہانپور گئے حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے با اعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا یہاں درس کا سلسلہ شروع کیا اُن کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے رام پور بلالیا کچھ عرصہ وہاں رہے دہلی آئے حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں گئے آپ نے ہی بحر العلوم کا خطاب دیا نواب والاجاہ محمد علی فاروقی گوپاموی رئیس کرناٹک نے خرچ بھیجکر مدراس بلوالیا جب آپ مدراس پہنچے تو تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ خود والاجاہ نے پالکی کو کندھا دیا اور دربار میں اپنی نشست پر جگہ دی۔ عالیشان مدرسہ بنوا کر آپ کے سپرد کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا۔ کثیر المقدار کتب ارکان اربعہ در اصول فقہ حاشیہ بر میر زاہد رسالہ حاشیہ بر حاشیہ زاہدیہ بر شرح تہذیب جلالیہ۔ حواشی ثلاثیہ بر حاشیہ زاہدیہ امور عامہ جدیدہ و قدیمہ۔ شرح مسلم مع حاشیہ منہیہ۔ عجالہ نافعہ۔ فواتح الرحموت۔ شرح مسلم الثبوت۔ تکملہ بر شرح ملا نظام الدین بر تحریر ابن ہمام۔ تنویر الابصار شرح فارسی منار حاشیہ بر شرح صدر شیرازی۔ شرح مثنوی مولانا روم۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ محمد علی والاجاہ امور

ملکی میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا ۳۰ برس کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۳۵ھ کو وفات ہوئی۔

حکماء علامہ حکیم شریف خاں دہلوی شاہ عالم کے سرکاری طبیب تھے شفاء الملک کا خطاب تھا۔ عجالۂ نافعہ۔ تالیف شریفی۔ علاج الامراض۔ حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب۔ ترجمہ فارسی مشکوٰۃ المصابیح۔ ترجمہ اردو کلام مجید یادگار ہیں ۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

شاہ دلی

محمد اکبر شاہ۔ شاہ عالم کے بیٹے مبارک محل کے بطن سے بدھ کے دن ۱۱ رمضان ۱۱۷۳ھ میں مکن پور زاہدان میں پیدا ہوئے۔ مبارک محل خاندانِ سادات سے تھیں۔ ذوالحجہ ۱۱۷۱ھ میں شاہ عالم نواب نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے وہیں حبالۂ عقد میں آئیں۔[1]

اکبر شاہ علوم رسمی سے واقف تھے۔ اپنے بھائیوں مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ کی طرح ان کو بھی شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ شعاع تخلص تھا مگر زیادہ تعلق صوفیا کرام سے تھا۔[2]

شاہ عالم جہاندار شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تھے مگر وہ ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس فوت ہو گئے۔ جہاں دار شاہ انگریزوں کے سخت مخالف تھے اگر زندہ رہ جاتے تو ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اکبر شاہ ثانی کو مرہٹے چاہتے تھے اور ان سے بہت مانوس تھے ان کو ولی عہد بھی بنا دیا تھا۔ غلام قادر شہید دلی سے میرٹھ گیا تو ان کو ساتھ لیتا گیا جب وہ شہید ہوا تو ان کی جان بچی اور یہ دلی آئے۔ جہاں دار کے بعد بھی ولی عہد قرار دئے گئے۔ انگریزوں نے بھی منظور کر لیا۔[3]

---

[1] شاہ عالم نامہ ص ۹۳ [2] گلستان سخن مرزا قادر بخش گورگانی

[3] تذکرہ عالم مطبوعہ بلاقی داس دہلی و تذکرہ اکبر شاہ ثانی

شادی | ۱۱۹۵ھ میں شاہ عالم نے ان کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ امیرالامرا ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی نے دولھا دلھن کو لاکھوں روپے کے تحفے نذر کئے۔

ان کی اولاد میں بڑے بیٹے ابوظفر بہادر شاہ تھے جو راجپوت خاتون کے بطن سے تھے دوسرے مرزا جہانگیر تھے جو ممتاز محل کے بطن سے تھے۔

جلوس | شاہ عالم ۱۹ ر نومبر ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۶ء میں انتقال کر گئے۔ محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر اس وقت ۴۰ سال کی تھی۔ زیب افروز تخت سلطنت ہوئے تو ریزیڈنٹ و دیگر حکام کمپنی نے مراسم دربار ادا کئے لال پردہ سے باہر روبروئے تخت تین جگہ مجرا کیا۔ عملہ حبشی و چوبدار اور عصا بردار وں نے یہ الفاظ "نگاہ روبرو جہاں پناہ بادشاہ یا حضرت جہاں پناہ سلامت" مجرا کرایا۔

پہلی عید آئی بادشاہ فیل پر سوار ہو کر عازم عیدگاہ ہوئے لالہ موہن لال ملک الشعراء متخلص بہ منعم نے صفت فیلان شاہی میں ایک مثنوی لکھی تھی ؎

فیل مستش چو قلعہ الوند — زدہ پہلو بہ آسمان بلند

جس امیر کے دروازہ سے سواری گذرتی وہ نذر پیش کرتا۔ سرچارلس مٹکاف مخاطب بہ منتظم الدولہ مختار الملک سواری کے ساتھ تھے یہ کمپنی بہادر اور شاہ دہلی کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کا ثبوت تھا۔ اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اس میں بادشاہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ آپ کی خدمت اقتدار اور امن و اطمینان کی ضامن ہے۔ بادشاہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش کی کہ شاہ عالم اور لارڈ ولزلی سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے اس کی رو سے شاہی وظیفہ

ہیں اضافہ کیا جائے اس لئے کہ سلطنت کے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔[1] وظیفہ کی یہ درخواست درخور اعتنا سمجھی گئی۔

اکبر شاہ کے براہ راست اور متواتر خطوط پر گورنمنٹ کو یہ حکم دینا پڑا کہ بادشاہ کے خطوط رزیڈنٹ کی معرفت آیا کریں اور ریزیڈنٹ جن خطوط کو مناسب سمجھے آگے بڑھائے ورنہ خطوط کے فائل میں رکھے رہیں۔

پالیسی کی تبدیلی

سر چارلس مٹکاف نائب ریزیڈنٹ تھا۔ اس کو یہ پسند نہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے بلکہ وہ بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے درپے تھا اور چاہتا تھا کہ مغلیہ خاندان کو لقب شاہی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اکبر شاہ نے ایک وفد جو شیر لعل اور شاہ جی پر مشتمل تھا کلکتہ بھیجا۔ گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے وفد کو ناکامیاب بنا دیا۔ جو تحفے تحائف وفد کے ساتھ گئے تھے وہ گورنر جنرل کے پاس ایرانی سفیر کے ذریعے طلب کئے گئے' اس طرح شاہ دہلی کے ادعائے شہنشاہیت کو روک دیا گیا۔ وظیفہ شاہی کے ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دینے کا مطالبہ' ولی عہد کا انتخاب' ضبط شدہ اراضی کی واگذاری اور انتظامی شرائط کی پابندی وغیرہ میں سے اکثر مطالبات کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا۔ مگر بادشاہ نے سلسلہ جنبانی جاری رکھی۔ آخر لارڈ منٹو نے بادشاہ پر رحم کھایا اور ۱۲ لاکھ سالانہ کی سفارش کی۔ مگر ریزیڈنٹ ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔ دس سال بعد لارڈ ہسٹنگز نے سخت روش اختیار کی اور آداب شاہی اور رسوم دربار ختم کر دینے بادشاہ جو چاہتا تھا نہیں ملا۔ بلکہ مخصوص جشن کے موقعہ پر انگریز حکام نذر پیش کرتے

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے از ڈاکٹر مجمدار (ترجمہ ڈاکٹر سراج الحق مصنف)

تھے وہ سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے کمپنی کے محروسہ علاقوں پر تاجِ شاہی کا تفوق نمایاں ہوتا تھا۔"

القاب و آداب بھی مراسلوں میں ختم کر دیئے۔ سر چے اے کول بروک دلی میں ریزیڈنٹ ہو کر آئے۔ یہ ایک شریف انگریز تھا اس نے اپنے محکمہ کا سررشتہ دار مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کو کیا۔[۱] بادشاہ نے مفتی صاحب کو خانی کا خطاب دیا۔ کول بروک بادشاہ کا ہمدرد تھا۔ مگر زیادہ عرصے اس کو رہنے نہیں دیا گیا۔ ۱۸۱۹ء تک گورنر جنرل ایک بڑی مہر جس پر لقب "وفادار اکبر شاہ یا حلقہ بگوش اکبر شاہ" کندہ تھا استعمال کرتا تھا اور خط جو بادشاہ کو لکھا جاتا تھا وہ عرضداشت یا درخواست کی شکل میں ہوتا تھا۔ اب یہ عبارت متروک قرار دی گئی۔

۱۸۲۰ء میں شاہ انگلستان کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے گورنر جنرل کی معرفت متوفی شاہ انگلستان کی تعزیت اور نئے شاہ کی تہنیت کا پیغام بھیجنا چاہا۔ یہ درخواست نامنظور کی گئی۔

ان واقعات نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ ایک وفد انگلستان روانہ کریں۔ چنانچہ راجہ رام موہن رائے کو مقرر کیا کہ وہ انگلستان جا کر کورٹ میں عرضداشت پیش کریں۔ دربار شاہی سے اُن کو راجہ کا خطاب دیا گیا اور گورنر جنرل سے منظوری چاہی گئی جس نے یہ درخواست مسترد کر دی اور اُن کے تقرر کو بھی جائز قرار نہیں دیا گیا مگر راجہ رام موہن رائے ۱۵ جنوری ۱۸۳۰ء کو روانہ ہو گئے اور ۱۸ اپریل ۱۸۳۱ء کو

[۱] تاریخ مفتیان گوپاموؤ مصنفہ مفتی محمد حسن ص ۲۰

انگلستان کے ساحل پر اُترے۔ پہلے تو راجہ کے خلاف اخبارات میں حکام برطانیہ نے بہت زہر اگلا اور گورنر نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ کیا موہن رائے آپ کا سفیر ہے؟ اُنھوں نے کہا میرا وکیل اور سفیر ہے وہ جو کچھ وہاں درخواست پیش کرے گا میرے ہی مطالبات کی درخواست ہوگی۔ غرضکہ وزرائے سلطنت برطانیہ نے شہنشاہ کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عدالت ڈائرکٹران کے ارکان نے رام موہن رائے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور راجہ نے پُرانے مطالبات کی درخواست پیش کی۔[۱] اس کی تفصیل دیباچہ رام موہن رائے میں تحریر ہے۔ غرضکہ ایک عرصہ تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا۔

پھر ڈائرکٹران نے فیصلہ کیا اور ۱۳ فروری ۱۸۳۲ء کو گورنر جنرل باجلاس کونسل کو بھیج دیا گیا۔ انھوں نے سب مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے ۳ لاکھ روپیہ سالانہ کے اضافہ کو اس شرط پر منظور کیا کہ اس کے بعد شاہنشاہِ دہلی کے ہر قسم کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ اس اضافہ کی تقسیم کا طریقہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر شاہ کو اطلاع دی گئی انھوں نے اظہارِ خیال سے انکار کر دیا جس پر یہ اطلاع کورٹ کو بھیجدی گئی۔ ادھر راجہ سعیِ پیہم میں لگا ہوا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا جس سے تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔

اُدھر قرضخواہوں کا تقاضا ہونے لگا۔ بادشاہ نے بے دلی سے رقم مذکور کے لینے کی منظوری دے دی۔ مگر اربابِ کمپنی نے اس میں بھی رخنے ڈالے۔ آخر بادشاہ نے نام نہاد اضافہ لینے سے انکار کر دیا اور رضی نامہ کی واپسی چاہی۔[۲]

---

[۱] تاریخ ملت جلد نہم [۲] دیباچہ راجہ رام موہن رائے۔ مترجمہ ڈاکٹر سراج الحق ایم اے (مصنف)

وفات یادشاہ کو اربابِ حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اثر لے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا اور جمعہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء کو بعمر ۸۲ سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔[1]

اُن کے باپ کی طرح اُن کی وفات پر بھی تینوں پریسیڈنسیوں سے ان کے اعزاز میں ۸۲ ضرب توپیں سر کی گئیں۔

اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار اکبر شاہ ثانی کے عہد کے حسب ذیل انگریز عہدہ دار قابلِ ذکر ہیں۔

ناظم الدولہ سیٹن صاحب بہادر ہر سال امرائے دہلی کی دعوت بڑے پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد محفلِ رقص و سرود بپا ہوتی۔ کسی نے اُن کے وصف میں کہا ہے۔

ناظم الدولہ در لباسِ سیاہ   نظرے کن دریں چہ باریکیست
بہر خلق است او چو آبحیات   آبِ حیواں درونِ تاریکیست

جنرل آکٹرلونی کا بڑا دور دورہ تھا۔ پالکی پر نکلتے تھے آگے آگے نقیب الفاظ "دولت زیادہ نواب نامدار سلامت" بلند آواز کے ساتھ ادا کرتا جاتا۔ جس جگہ اُترتے تھے "دولت شاد دشمن پائمال" کی صدا ہوتی تھی

مرشد اکبر شاہ ثانی

بیعت ۔ اکبر شاہ ثانی مولانا فخر الدینؒ سے بیعت تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے

حضرت ظلّ سبحانی محمد اکبر شاہ ثانی ...... باعتقاد تمام مریداں فرزند

---

[1] تاریخ خاندان مغلیہ (مطبوعہ مکتبہ نیا کتاب گھر دہلی ص ۳۰۱

رشید حضرت فخر صاحب گشتند و بعضے فرزندان و متعلقانِ خود را نیز مرید کنانیدند۔

سخاوت - اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت نوازی تھی وہاں بے حد سخاوت اور غربا پروری بھی تھی۔ بڑھاپے میں لیتے دیتے زیادہ تھے۔ ایک دن حضرت سلطان جی کے فاتحہ خوانی کو گئے۔ تختِ رواں پر سوار درگاہ میں پہنچے۔ ایک درویش صورت شخص نظر پڑا۔ اس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السّلام علیکم کہا۔ بخندہ پیشانی سلام کا جواب دیا۔ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انھوں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں تخت رواں جنتی کوچہ میں داخل ہوا۔ ہمراہی آگے پیچھے ہو گئے۔ درویش نما شخص ہاتھ میں ہاتھ لئے چلتا رہا۔ اور ہیرے کی انگشتری اتارنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ مگر چھنگلی میں سے انگشتری اتری نہیں۔ چھنگلی میں درد ہونے لگا ہاتھ کھینچ لیا۔ مزار پر حاضری دیکر فاتحہ خوانی کے بعد قلعہ لوٹ آئے۔ ناظر کو حکم دیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر فوراً حضرت سلطان جی میں جاؤ۔ اس شکل و صورت کا درویش ملیگا اس کو میری جانب سے نذر کرنا۔ ناظر حسب الحکم گیا مگر وہ شخص رخصت ہو چکا تھا۔ واپس آکر بادشاہ سلامت سے عرض کیا درویش کا پتہ نہ لگا۔ بادشاہ نے کہا افسوس اس کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتری تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ۔ چھنگلی میں ورم آگیا۔ تین چار روز اس کی تکلیف اٹھائی [1]

مذہبی حالت - اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں اکثر شعائرِ اسلامی کامل طور سے ختم ہو گئے تھے۔ مشرکانہ رسوم و بدعات ساری جاری تھیں -

---

[1] نتائج المعانی ص ۲۵

نکاح کا طریقۂ شرعی ختم ہو چکا تھا۔ شاہ عالم کے عہد سے جتنے نکاح ہوتے تھے نہ اُن میں قاضی کی ضرورت تھی اور نہ نکاح خواں کی نہ کسی وکیل اور ایجاب و قبول کی۔ محل میں ڈال لینے کا نام ہی نکاح تھا۔[1]

ختنے کی اسلامی سنت کو یک قلم اُٹھا دیا گیا تھا۔ تاکہ غیر جنیت کا خیال تک نہ آنے پائے۔

راج کماریاں تیموری قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کی پوجا پاٹ کرتی تھیں ٹھاکرجی کو جل پھول چڑھاتی تھیں۔ تلک لگاتی تھیں۔ پھر پرارتھنا کرتی تھیں۔[2] سیتلا کی پوجا کا رواج انھیں راجپوتوں کی وجہ سے آیا۔ اکبر شاہ ثانی کی بیوی لال بائی جن کے بطن سے ابوظفر تھے ان کی کارفرمائیاں کچھ کم نہ تھیں۔

قلعہ میں قرآن شریف کے بجائے دیوان حافظ کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ اُس کے اشعار پر حال آتا تھا۔ قلعہ میں سورہ یٰسین کا نام سنانویں سورہ رکھا گیا تھا۔[3]

ہر بیگم کا کمرہ طبلہ سارنگی اور بنت عنب کا گہوارہ تھا۔ لطف یہ ہے کہ جو قلعہ میں گیا شہزادیوں اور شہزادوں کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ مامائیں، اصیلیں یہاں تک کہ کسبیاں بھی چند روز کے بعد شہزادیاں بن جایا کرتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر یہ لطیفہ تھا کہ شہزادے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جمع ہوتے اور رنگ برنگ کے ڈنڈے آپس میں لڑایا کرتے تھے۔

شاہ عالم کے عہد سے تعزیوں کا زور تھا۔ مرہٹوں کے تغلب و استیلا کے بعد

---

[1] تذکرہ عالم ص ۲۵۳ [2] امرائے ہنود ص ۵۰ از مولوی سعید احمد مارہروی [3] ببلی ص ۹۰

مشرکانہ رسوم بہت رائج تھیں ۔

بادشاہ اور اُن کے اہل خاندان میں مذہب سے اتنا لگاؤ رہ گیا تھا کہ ہر سال جامع مسجد کے تبرکات اکبر شاہ ثانی کے لئے قلعہ میں لیجائے جاتے تھے ۔ انھیں آنکھوں سے لگایا جاتا اور خدام کو انعام و اکرام مل جاتا ۔

شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ شاہ عبدالغنیؒ کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اپنے باپ اور چچا سے کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے ۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا درخشندہ آفتاب و مہتاب تھا ۔ قوم کی حالت بگڑی ہوئی دیکھی اصلاح کا ارادہ کیا ۔ پہلی مہم بدعات و محدثات کے خلاف تھی ۔ آپ نے حقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا اور مسلمانوں کی خلافِ اسلام طرزِ معاشرت کی دھجیاں اڑائیں اور ارباب دہلی کے اوباشانہ طریقوں کو آشکارا کیا ۔ اس پر عوام تو عوام علماء بگڑ بیٹھے ۔ مگر شاہ صاحب کی عملی زندگی نے اُن کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیا ۔ سکھوں کی چیرہ دستیاں بڑھی ہوئی تھیں اور اُن کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی تھی ۔ اکبر شاہ ثانی میں سکت نہ تھی جو اس سیلاب کو روکتے ۔

شاہ صاحب نے اپنے چچا سے مظالم کی داستانیں سُنی تھیں اس زمانہ میں مولانا سید احمد بریلویؒ دہلی آگئے ۔ شاہ صاحب نے ان سے بیعت کی اور علماء کے مشورہ سے مجاہدین کے لشکر کی تیاری شروع کر دی ۔ ۱۸۲۶ء میں جہاد کے لئے روانگی عمل میں آئی ۔ تھانیسر، الیر کوٹلہ ۔ ممدوٹ ۔ بہاولپور ۔ حیدرآباد سندھ، جان گڈھ ہوتے ہوئے قندہار گئے پھر کابل آگئے ۔ درہ خیبر سے پنجاب آئے راستے میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی نے بیعت کی ۔ اکوڑہ پر سردار بدھ سنگھ دس ہزار فوج لئے کھڑا تھا ۔ آپ نے اعلان نامہ دربار لاہور کے نام بھیجا ۔ بعد ازاں جنگ ہوئی ۔ سو سکھ مارے گئے مجاہدین شہید ہوئے ۔ غرضکہ

بہت سی جنگیں سکھوں سے متواتر ہوئیں۔ مولانا عبدالحی نے ۱۲۴۲ھ میں بمقام نہر انتقال کیا سکھوں سے مقابلہ تھا ہی اتمام زئی اور درانی آڑے آئے۔ جنگ ہیار میں سرحدیوں کو شکست دینے کے بعد مردان پر قبضہ کر لیا۔ یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے معافی مانگ لی آپ نے اس کو پیشاور عطا کیا۔ مگر سلطان نے بیوفائی کی اور آپ معہ مجاہدین کے بالاکوٹ آگئے۔ سردار شیر سنگھ نے کثیر لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس میں شاہ اسمٰعیلؒ اور سید احمد بریلویؒ شہید ہوئے۔ سردار شیر سنگھ نے ان شہداء کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ اس واقعہ کے بعد صرف آٹھ سو غازی باقی تھے۔ شیخ ولی محمد بقیہ گروہ کے سردار مقرر ہوئے اور سرحد میں رہ گئے۔[1]

علمی دور دورہ

اکبر شاہ کا زمانہ علمی اعتبار سے بہت اچھا تو نہ تھا مگر غنیمت تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اکبر شاہ کی طرف سے کوئی درسگاہ قائم نہ تھی نہ علماء کو بیش قرار وظائف دیئے جاتے تھے۔ یہ بڑا شرمناک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں دس روپیہ ماہوار نذرانہ پیش ہوا اور اپنی چہیتی کسبی "شکر لب" کو تین سو روپیہ ماہوار دیئے جائیں۔ مگر دلی اس عہد میں خاندان شاہ ولی اللہؒ کی وجہ سے مرجعِ اہل علم بنا ہوا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے درس جاری تھے۔ دور دور سے طلباء علمی استفادہ کرتے آتے۔ ان کی عمریں اختتام پر پہنچ گئی تھیں۔

اس عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر مولانا فضل امام خیرآبادی ممتاز تھے اپنے فرائضِ ملازمت کی ادائیگی کے بعد منتہی طلباء کو معقولات کا درس دیتے تھے۔ ایک

[1] حیات طیبات از مرزا حیرت۔ تفصیل کیلئے سیرت سید احمد شہید مولانا غلام رسول مہر دیکھو

طرف علوم نقلیہ اور دوسری طرف علوم عقلیہ کی اشاعت عام تھی۔ یہ ضرور ہے کہ بادشاہ کی ناقدری سے اہلِ علم دلی چھوڑ چھوڑ کے لکھنؤ، رام پور چلے گئے۔ مگر پھر بھی تھوڑے بہت علمی چرچے باقی تھے۔ مولانا فضل امام نے دلی میں "مرقات" لکھی "افق المبین" پر حاشیہ چڑھایا۔ اس کے علاوہ ان دنوں اردو شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے بادشاہ سلامت کو بھی اس سے دلچسپی تھی خود بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ شعاع تخلص تھا

دلی اس زمانہ میں آج کی ایسی دلی نہ تھی۔ گو اُجڑ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحب کمال مرہٹہ گردی سے عاجز آ کر دلی چھوڑ گئے تھے۔ اس پر میر و سودا و درد کے تلامذہ نے دلی کی آبرو بڑھائے رکھی۔ سید محمد میر اثر۔ حکیم قدرت اللہ قاسم حضرت نصیر الدین نصیر، میر نظام الدین ممنون جیسے دہلی شہر میں تھے انکی شاعری کا سکہ رائج تھا اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعراء کا خطاب عطا کیا[۱] ایسے ایسے اربابِ کمال کا یہاں جمگھٹا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ یہ ضرور ہے کہ لکھنؤ کی گنگا جمنی نہریں یہاں کے شعراء کو لبھا کر وہاں [illegible] تے پہونچا دیتی تھیں مگر وضعدار لوگ دلی سے جانا عار سمجھتے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی اکبر شاہ کے دربار میں قصیدہ لے کر پہنچے ولی عہد ابو ظفر کے شاعری میں نگراں بنے اور قصیدہ کے صلہ میں خاقانیِ ہند کا خطاب عنایت ہوا۔

اکبر شاہ ثانی کا آخری وقت تھا اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولانا فضل حق، مرزا غالب، حکیم مومن خاں مومن سے حضرات کی جوانی تھی۔ ان حضرات کے کارنامے عہدِ ابو ظفر سے وابستہ ہیں۔

---

[۱] گل رعنا ص ۲۰۲

علمائے عہد مولانا فضل امام فاروقی ابن قاضی ارشد بندہ قاضی صدرالدین ہرگامی۔ مولوی سید عبدالواجد خیرآبادی تلمیذ رشید ملا دلج الدین گوپاموی سے اخذ علوم عقلیہ و نقلیہ کیا۔

"بمنصب صدر الصدوری شاہجہان آباد از سرکار انگریزی امتیاز داشت"

میرزاہد رسالہ میرزاہد ملا جلال پر حاشئے لکھے۔

"در علوم عقلیہ سبقت ربودہ" پنجم ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ کو انتقال ہوا۔[۱]

مولوی کرم اللہ دہلوی۔ آپ اہل ہنود سے تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے دست حق پرست پر داخل اسلام ہوئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ شاہ غلام علی دہلوی سے خرقہ خلافت پایا۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال ہوا۔[۲]

مولانا رشید الدین خاں دہلوی ارشد تلامذہ مولانا رفیع الدین دہلوی سے تھے۔ ابجد العلوم میں نواب صدیق خاں لکھتے ہیں۔[۳]

کان فاضلا جامعًا بین کثیر من العلوم الدرسیۃ

مولوی رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند میں تحریر کرتے ہیں:۔

ذہن وقاد و طبع نقاد در علم کمالے وافر داشت۔

شوکت عمریہ یادگار ہے ۱۲۴۹ھ میں انتقال کیا۔

مشائخ۔ حضرت مولانا ابوسعید متوفی ۱۲۵۰ھ۔ مولانا شاہ احمد سعید، مولانا شاہ

۱۔ سیر العلماء از حکیم بہاؤالدین گوپاموی ۲۔ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گوپاموی۔
۳۔ ابجد العلوم صفحہ ۹۱۷ — ۴۔ تذکرہ علماء ہند صفحہ ۹۳ —

عبدالغنی۔ شاہ آفاق متوفی ۱۲۵۷ھ۔ حاجی علاء الدین احمد ہمدانی۔ مولانا قطب الدین متوفی ۱۲۰۱ھ۔ حضرت شاہ غیاث الدین متوفی ۱۲۴۴ھ۔ سید شاہ صابر بخش چشتی ابن شاہ غلام شادات چشتی بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔ دریا گنج میں مزار ہے۔

میران شاہ نا نوبیدہ شیخ جلال الدین تھانیسری حریم مسجد فتحپوری میں عمر گذاری ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ جلال آپکے سجادہ نشین تھے۔

مولانا محمد حیات پنجابی سید شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں درس و تدریس کا مشغلہ رکھا ۱۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ فدا حسین نبیرۂ خواجہ یوسف ہمدانی متوفی ۱۲۵۹ھ۔

شاہ توکل حسین متوفی ۱۲۶۲ھ۔ سید عسکری مجذوب۔ شاہ عبدالنبی مجذوب

حکماء حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خاں سرآمد حکمائے روزگار سے تھے اکثر اطبائے نامی ان سے نسبتِ شاگردی سے سرمایۂ اعتبار رکھتے تھے۔

حکیم امام الدین خاں، حکیم غلام حیدر خاں، حکیم نصراللہ خاں، حکیم فتح اللہ خاں، حکیم میر بخش خاں فاروقی۔ محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے حکیم دوراں خاں کے خطاب سے مشرف تھے۔ حضرت حکیم صہبائی کے بھائی تھے۔

حکیم غلام حیدر خاں شاگرد حکیم شریف خاں ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا[1]۔

یہ ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کی پوری تصویر

---

[1] یوپی میں اردو از انتظام اللہ شہابی (کنول آگرہ)

ابوظفر بہادر شاہ

خاندان تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ دیکھنا روز اول سے تحریر ہو چکا تھا۔

پیدائش ۲۸ شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء بروز سہ شنبہ پیدا ہوا اور اس کا تاریخی نام "ابوظفر" رکھا گیا۔ اس کے والد مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے دوسرے شاہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔

مفصل حالات "ابوظفر" جب سن شعور کو پہونچے تو حافظ ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے اور مشہور قاری حافظ محمد جمیل نے قرآن کی تعلیم دی مشہور خوشنویس سید جلال الدین حیدر مرصع رقم کے والد میر ابراہیم علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ قادراندازی، شہسواری، تیغ زنی، نشانہ بازی اور فن بنوٹ میں یدطولیٰ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کے مقابل میں ہر ایک کا وار بیک وقت روکتے تھے اور سب پر اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں دو ہی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ۔ ایک ان کے بھائی جہانگیر، آدھا کوئی اور جس کی تفصیل یہ ہے۔

فن تیراندازی فن تیراندازی میں بادشاہ آیا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے۔ بادشاہ کی کثرت تیراندازی کا حال ظہیر دہلوی نے اپنے والد کی زبانی سنا تھا۔ کہ بادشاہ نے زمانہ ولی عہدی میں تیراندازی کی مشق بڑھانے کو قلعہ کے دیوان

خاص ہیں ایک جرِ ثقیل لگا رکھی تھی۔ تین من چنوں کی پوٹ نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ جرِ ثقیل کے ذریعہ سے اُسے چٹکی سے کھینچا کرتے تھے۔ تیس ٹانک کمان کھینچنے پر بادشاہ قادر تھے اچھی کمان کو کیا دہ پھینک دیتے تھے۔ ایک سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں مرزا فتح الملک بہادر ولیعہد ثانی کا باغ تھا۔ وہاں سے کچھ شور و غل کی آواز آئی۔ فرمایا غل کیسا ہے۔ اطلاع ہوئی مرشد زادے مسابقت تیر لگانے میں کر رہے ہیں۔ حکم ہوا ہماری سواری ادھر لے چلو۔ غرضکہ وہاں پہونچے۔ شہزادے آداب بجا لائے فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگا رہے تھے۔ فرمایا کمان ادھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی اُن میں سے ایک کمان اُٹھائی اور تین تیر کھینچ لئے اور آسنا د پر کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تودہ میں پیوست ہوا۔ ایک بالشت باہر رہا۔ سب نے تحسین آفرین کی دوسرا تیر لگایا۔ وہ اُس سے زیادہ تودے میں داخل ہوا۔ تیسرا وہ بالکل مغروق تھا فقط لبِ فار ہی باہر رہے اور تمام تیر غرق تودا تھا تحسین و آفرین کی صدا بلند ہوئی۔

سپر شمشیر | کھینکنی کے فن میں بادشاہ میر حامد صاحب کے شاگرد تھے۔ میر حامد علی و میر اشرف علی دونوں بھائی اُستاد کامل تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے رئیس ان کے شاگرد تھے۔ علی مد کی کثرت جو حضرت علی شیر خدا کی ایجاد ہے وہ اُن کے گھرانے کی میراث تھی۔ میں نے اپنے والد کی زبانی یہ سُنا ہے کہ بادشاہ تن تنہا آٹھ آدمیوں کے مقابل یکدم کثرت کرتے تھے۔ اور آٹھ آدمی برابر اُن پر چوٹ آنے تھے اور بادشاہ سب کے وار رد کرتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر مشق بہم پہونچائی۔

---

۵۱ داستان غدر

فنِ شہسواری

مشہورِ روزگار تھے کہ ہندوستان میں ڈھائی سوار تھے۔ ایک بہادر شاہ۔ [redacted] سے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنھوں نے انگریزوں سے شرط بد کر الہ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب سن مبارک اسّی سے تجاوز کر گیا تھا لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اپنی شہسواری دکھاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے۔ ایک دن حضرت نظام الدین اولیا کو سواری مبارک جاتی تھی تسبیح خانہ میں جب برآمد ہوئے ہوادار میں سوار نہ ہوئے سامنے خاصوں کی لین لگی ہوئی تھی آگے چابک سوار کھڑے ہوئے تھے۔ مجو بیگ کی طرف نگاہِ الطاف ہوئی وہ آگے حاضر ہوئے اُن سے دریافت فرمایا کہ وہ دامالی گھوڑا تو .. ..
قابلِ سواری ہے۔ مجو بیگ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضور کے اقبال سے تیار ہے فی الفور گھوڑے آگے آیا حضور سوار ہوئے۔ سب ملازم رکابِ سعادت میں ہمراہ ہوئے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقار خانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر ترپولیا کے سیتھری پر پہنچے۔ گھوڑا گردن جھکائے دہانے سے کھیلتا ہوا اپنے کو بٹاتا ہوا جھومتا چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر انھوں نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے چمکا دیا اور گھوڑا ذرا اور چمکا۔ چونکہ یہ شکار بند پکڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ جھپٹے چلے آرہے تھے۔ بادشاہ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا کہ کیا کرتا ہے۔ میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں ۔ گھوڑے کی چال کی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ لے دیکھ تو بس ذرا رانوں میں مسکا ہے کہ گھوڑے نے جھٹکے بھرنے شروع کر دیئے۔ ایک پل بھر اُسی طرح اُڑتا ہوا گیا ہے جیسے کوئی پرندہ اُڑتا ہے یا کوئی ہرن چوکڑیاں بھرتا ہے اور تھپکی ہاتھ کی دیکر گھوڑے کو چمکار لیا۔

پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا۔ سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دوگامی قدم پر لگا دیا۔ اور گھوڑوں نے جھوم جھوم کر اور کلائیاں بھر بھر کر چلنا شروع کیا۔ شہر سے تین کوس درگاہ ہے اسی طرح پہونچے اور دروازے پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ واپسی میں مولا بخش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے۔

مبصری حضور انور شہ سوار تھے اسی درجہ مبصر بھی تھے۔ گھوڑے کے عیب و ثواب اور قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ شہر میں جو سوداگر بیش قیمت گھوڑا لے کر آتا تھا۔ اول حضور کو ملاحظہ فرمایا جاتا تھا۔ اُس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے جو گھوڑا اچھی قوم کا آتا تھا وہ حضور لے دیتے تھے۔

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تسلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا وزیر۔ شناخت یہ ہے جس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک وہ شریر نہیں ہوتا بلکہ وفادار ہوتا ہے اور اُس کی پیدائش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ کہ اُس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہوتی ہے مگر بطور شاذ وہ شریر بھی ہوتا ہے اور اُس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ کے قدرے کم ہوتی ہے چنانچہ فی زمانہ بورے کی سلطنت ہے اور سبزے کی وزارت اور بعد میں سبزے کی سلطنت ہوگی اور بورے کی وزارت۔ گھوڑے کی اقوام سے ایک قوم ہے پیریا۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پنجشنبہ کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر نجس اور غلیظ آدمی کو مثل خاکروب وغیرہ نہیں آنے دیتا اور اگر آجاتا ہے تو فوراً چوٹ کر دیتا ہے۔

ایک بار میں موجود تھا ولایتی سوداگر گھوڑے لے کر آئے۔ دس بارہ گھوڑے تھے۔ لال پردوں کے آگے گھوڑوں کی صف استادہ تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ کے در میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے فاصلہ سے دیکھ کر فرمایا کہ ان گھوڑوں میں وہ گھوڑا اچھا ہے بشرطیکہ شریر نہ ہو۔ غرضکہ وہ گھوڑا آگے طلب کیا گیا۔ واقعی گھوڑا شکل و صورت و نسبت کارروان اچھا تھا۔ حکم ہوا سواری دیکھی جائے۔ فوراً چابک سوار کو سوار کر دیا گیا۔ جیسے ہی سوار نے چاہا گون کو پھیر کر دکھائے گھوڑے نے باگ پر لے کر شرارت شروع کی۔ کھڑے ہو کر تالی بجائی۔ دوسرا سوار چڑھایا اور اس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا اڑ کر فراش خانے کے دالان میں جا پڑا۔ اکثر سامان کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار کر نکالا۔ وہاں سے پلٹ کر چڑیا خانے میں جا پڑا۔ تقریباً کچھ دیر گھوڑے اور سوار کی لڑائی رہی۔ اب گھوڑے کا یہ حال کہ پسینے میں شرابور اور تمام رانوں کے ٹکڑے ہو گئے جا بجا سے خون کی فصدیں کھل گئیں۔ خون بہہ گیا۔ اور گھوڑا نڈھال ہو گیا۔ اب سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے ناک پھیر کر دکھلا دیا۔ اور سلام کر کے اتر پڑا۔ اسی وقت شاہی رومال بادشاہ نے چابک سوار کو عطا کیا۔

فیل سواری خاص مولا بخش نامی ایک معمر ہاتھی تھا۔ کئی بادشاہوں کو سواری دے چکا تھا۔ اس ہاتھی کی عادتیں انسان جیسی تھیں۔ قد و قامت میں ایسا بلند ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور داب سے یہ ہاتھی بیٹھا ہوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں جواب نہیں رکھتا تھا۔ روزانہ ماہ مست رہتا تھا۔ کسی ایک آدمی کو سوائے خدمتی

نہ آنے دیتا تھا۔ جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اُس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوبدار حکم سُنا دیتا تھا۔ میاں مولابخش کل تمہاری نوکری ہے ہشیار ہو جاؤ۔ نہا دھو کر تیار رہو۔ اُسی وقت سے ہشیار ہیں۔ فیلبان تھان سے کھول کر جمنا میں لے گئے اور لے جا کر جھانوے سے میل چھڑانا شروع کیا۔ پھر دوسری کروٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لائے۔ نقاش نے نک پر نقش و نگار کھینچ دئے۔ وقت سواری گدیلا کس کر کارخانے میں لے گئے۔ گہنا پہنایا۔ جھول ڈالی۔ عماری کی نقار خانے کی ڈیوڑھی پر لا کر استادہ کیا۔ برابر اور ہاتھیوں کی قطار کھڑی تھی جس وقت ہوادار سواری بادشاہ نقار خانے کے دروازہ سے برآمد ہوا چیخ مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا جس وقت تک بادشاہ اور دوسرے سوار سوار نہ ہولیں کیا مجال کہ جنبش کھا جائے جس وقت بادشاہ سوار ہوئے فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استادہ ہو گیا۔ ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دو کمانیں اُس کے کانوں میں پہنائی جاتیں۔ دو ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے اوپر کئے جاتے اور بڑی سپر فولادی مستک پر نصب کی جاتی اور بہت بڑا حقہ چاندی کا مع چلم و چیز نقرہ اُس کے سر پر رکھا جاتا اور پیچوان کی سٹک فوجدار خاص اپنے کندھے پر رکھتے۔ بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی۔ کیا مقدور کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گرے۔ ایسا سبک رفتار تھا گویا بڑی منجھولی بال تھی۔ قصہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی پھر ویسا ہی مست ہے جیسا کہ تھا۔ یہ حال اس ہاتھی کا تھا اس کے علاوہ ایک صفت اور تھی کہ تمام دن خورد سال بچے بارہ برس کے اُس کے گرد بیٹھے رہتے تھے اُن سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے پتلے گنے کی پوریاں صاف کر کے انہیں دیتا تھا۔ دن بھر بچے اُسے گھیرے رہتے تھے۔ بچے اُسے کہتے تھے

مولا بخش نکی اوٹھے تو وہ اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا اور جب بجے کہتے ٹھیک دو ہاتھ ٹیک دیتا۔ پھر آپ توں کرتا تو اگر وہ گھڑی بھر سے بیشتر کہتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہلا دیتا ابھی نہیں ہوئی جس دن بجے نہ آتے تو چیخیں مار کر بلاتا تھا اور گھنٹے دیتا۔[1]

شاہجہاں اور اورنگ زیب کا سا عہد تو دلی کا نہ تھا مگر علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچی تھی۔ کوئی مشرقی شہر اس سے لگا نہیں کھا سکتا تھا۔ درس گاہوں کی گرم بازاری تھی۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں شباب پر تھیں حضرت اسمٰعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، مولانا فضل حق، مفتی صدر الدین خاں آزردہ سے اصحاب فضل و کمال انہیں درس گاہوں سے پیدا ہوئے مولوی مخصوص اللہ مولوی عبدالخالق، مولانا رشید الدین خاں، مولوی کریم اللہ، نواب قطب الدین خاں، مولوی مملوک علی، مولوی نصیر الدین، سراج العلماء مولوی مفتی سید رحمت علی خاں بہادر، مولوی کرامت علی[2] سے حضرات فضلائے وقت سے تھے۔ مولوی حکیم عبدالحیٔ نے گل رعنا میں عہد ابوظفر کا یہ نقشہ کھینچا ہے

> دلی اس وقت کی ایسی دلی نہ تھی بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولانا امام بخش صہبائی علامہ عبداللہ خاں علوی آزردہ مرزا اسد اللہ خاں غالب نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیر الدین نصیر، حضرت ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخنورانِ باکمال کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔[3]

---

۱ داستان غدر ص ۲۶ ۲ آثار الصنادید از سر سید احمد خاں۔ ۲۲۵ ۳ گل رعنا۔

ابوظفر نے انہیں باکمالوں کی صحبت اٹھائی تھی۔ یہی حضرات ولی عہدی میں دوست تھے۔ جب یہ تاج دار ہوئے تو یہی درباری کہلائے گئے۔ ان کی شاعری اس شعر و سخن کے دور میں پروان چڑھی۔

شاعری کا ذوق شاعری کی طرف ایامِ طفلی ہی سے میلانِ خاطر تھا۔ اس فن میں پہلے شاہ نصیر سے اور پھر اُن کے شاگرد میر کاظم حسین بیقرار سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۸۰۰ء میں جب بیقرار میر منشی ہو کر کلکتہ چلے گئے تو شیخ ابراہیم ذوق "استادِ شہ" کے منصب پر فائز ہوئے اور جب ۱۸۵۴ء میں ذوق کا انتقال ہو گیا تو یہ خدمت غالب کے سپرد ہوئی۔ ہمیں اس وقت صرف ظفر کی شاعری کا جائزہ لینا ہے اور اُن کی شاعری پر نقد و تبصرہ کرنا ہے۔ مگر ہمیں اس ماحول کو بھی پیش نظر رکھنا ہے جس میں ظفر نے آنکھیں کھولیں اور جس میں انھوں نے آخری سانس لیا کیونکہ شاعر کے کلام پر اس کے ماحول کا بہت گہرا اثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

ظفر نے اس وقت آنکھ کھولی جب اردو شاعری منازلِ ارتقا کو تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھی اور اُس کا آفتاب پوری بلندی پر تھا۔ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی حکومت پر متمکن تھے۔ یہ خود اچھے شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اس وقت خواجہ میر درد، مرزا مظہر جانجاناں۔ میر تقی، سودا، مصحفی۔ انشار۔ جرأت وغیرہ جیسے مایۂ ناز شعراء لکھنؤ چلے گئے تھے اور دہلی میں شاہ نصیر۔ احسان۔ ممنون۔ قاسم وغیرہ جیسے طب اللسان ماہرینِ فن موجود تھے۔ ایسے ماحول میں آنکھیں کھولکر ظفر کا میلانِ طبع اردو شاعری کی جانب نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گرد و پیش کے ماحول کا اثر نہ لینا بھی ممکن نہ تھا، سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی مدھم ہوتی جاتی ہے اور یہ مردِ عاقل گھرانا

اور بینا اس کا بچشم غور مطالعہ کر رہا تھا آخر وہ کہاں تک اس کا اثر قبول نہ کرتا۔ چنانچہ ظفر ایک باکمال شاعر اور اس کی شاعری اُس کے ماحول کے عین مطابق ہے اور اس کا ہر شعر اس کے ذہنی اور قلبی تاثرات کی ایک سچی تصویر ہے

سیاسی حالات جہانگیر اور عالمگیر کے تخت پر شاہ عالم ثانی جلوہ گر ضرور تھا۔ جو آفتاب تخلص کرتا تھا۔ لیکن آفتاب سلطنت مغلیہ زوال میں تھا دہلی میں مرہٹوں اور جاٹوں کی یورش ہوئی شاہ عالم ثانی دلی سے بھاگے الہ آباد سے احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ۔ احمد خاں بنگش۔ عنایت خاں سرداران روہیلہ نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دلی فتح کی اور شاہ عالم ثانی کو بادشاہ تسلیم کیا۔ سات سال کے بعد بادشاہ دہلی واپس آیا اور مادھوجی سندھیا کے ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے برائے نام بادشاہ کہلاتا رہا۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے پرانے انتقام میں کہ شاہ عالم نے اُس کو اختہ کرایا اُس کے وفادار خاندان کو شجاع الدولہ کے کہنے سے تباہ کیا عورتوں کی بے عزتی کی، دلی پر چڑھائی کرائی ضعیف العمر بادشاہ قید ہوا۔ شاہی بیگمات کی زدوکوب کی گئی اور شہزادوں کو سخت ایذائیں پہنچائی گئیں اور بادشاہ کی ایک آنکھ غلام قادر نے چھاتی پر چڑھ کر اپنے خنجر سے نکالی اور دوسری آنکھ اُس کے اشاروں پر اُس کے ایک ساتھی نے نکال کر بادشاہ کے لئے دنیا اندھیر کردی اور اسی حالت میں لے بس بادشاہ کو سلیم گڑھ لے گئے۔

سندھیا کے فوجی افسر راناخاں نے مقابلہ پر غلام قادر کو شکست دی اور قتل کر ڈالا اور بادشاہ کو اُس کے پنجہ سے نجات ملی اور وہ دہلی آیا۔ سندھیا مدار المہام بنا اُس نے بادشاہ کے اختیارات سلب کرلئے تاہم مراتب شاہی کی توقیر برقرار رکھی۔ مرہٹے کرتے تو

ذہی تھے جو چاہتے تھے۔ لیکن احکام سب بادشاہ ہی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ سکہ بادشاہ ہی کا رائج تھا اور شاہی رعب وداب قائم تھا۔ شاہ عالم کی خواہش پر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے جنرل لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دی اور شاہ عالم مرہٹوں سے نکل کر انگریزوں کی حفاظت میں آئے۔ عمالِ شاہی برطرف ہوئے اور نیا دور شروع ہوا جس میں خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا اور حکم سرکار کمپنی بہادر کا۔

بادشاہ کی گذر بسر کے لئے ساٹھ ہزار ماہوار مقرر ہوا اس کے علاوہ جملہ اخراجات وظائف کے لئے ۵۰۰،۶۰ کی رقم ماہانہ قلعہ معلیٰ میں پہنچ جاتی تھی جس میں ظفر کے والد اکبر شاہ ولیعہد کا وظیفہ دس ہزار روپیہ ماہوار شامل تھا۔ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تیوہاروں کے لئے دس ہزار روپیہ ہر تہوار کی سالانہ رقم معین تھی۔ ایک دیوان اور چند اہلکار مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ کو تفویض ہوا۔ دہلی اور اس کے نواح میں شرع محمدی کا نفاذ ہوا اور اتنی رعایت اور ملحوظ ہوئی کہ بغیر بادشاہ سلامت کے امتزاج کے سزائے موت یا سزائے قید طویل عمل میں نہ آئے گی۔ بالآخر ۷ رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۰۶ء کو مظلوم اور نابینا نام نہاد بادشاہ شاہ عالم ثانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس جہان پُرآشوب سے رخصت ہوا۔ اور ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مسند نشین اور نگ وظیفہ خواری ہوئے۔

یہ سارے انقلابات نوجوان شہزادہ ابوظفر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک حساس طبیعت رکھتا تھا اور ہر واقعہ اس پر اپنا گہرا اثر ڈالتا تھا۔ تاہم اب تک شہزادوں کی زندگی گو بے فکری کی زندگی تھی۔ خارجی ماحول کا پورا پورا اثر قبول کرتے رہنے کے باوجود ہنوز ذیادات خاص افکار و حوادث کا شکار نہ ہوا تھا۔ لیکن کوٹ قاسم کی جاگیر

جو مرہٹوں نے ولی عہد کی جاگیر قرار دی تھی اور جس پر اکبر شاہ اپنے زمانہ ولیعہدی میں برابر قابض و متصرف رہے، اب شاہی املاک میں شامل ہو گئی اور اکبر شاہ ثانی نے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ظفر پر ترجیح دی اور اپنا ولیعہد بنانا چاہا۔ انگریزوں نے اس بے انصافی سے باز رکھنا چاہا تو باپ نے بلا تکلف فرما دیا کہ ابو ظفر میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس کس مپرسی کے عالم میں ظفر نے ایک مخمس لکھی تھی جس کا مطلع ہے۔

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم ؛ دل اس کے ہاتھ سے پُر درد ہے اور چشم ہے پُر نم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم ؛ کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جب تک ہے دم میں دم
خدا دارم چہ غم دارم ۔ خدا دارم چہ غم دارم

اس خمسہ کا پانچواں مصرع ہر بند میں ایک ہی ہے کئی سال کی آزمائش میں جب یہ ثابت قدم رہا تو خدا کو بھی رحم آیا اور اس کی قناعت اور تسلیم و رضا کا صلہ یوں ملا کہ ۱۸۲۱ء میں جہانگیر مرزا انگریزوں کی قید میں بمقام الہ آباد انتقال کر گئے اور سرکار کمپنی نے اعلان کر دیا کہ وہ سوائے مرزا ابو ظفر کے کسی کو وارث تاج و تخت تسلیم نہ کرے گی۔ اس وقت ظفر کے مغموم دل سے بے اختیار یہ شعر نکلا ہوگا۔

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کرے اپنا کام
کام بگڑے ہوئے بن جائیں یونہی آپ سے آپ

خیر یہ تو ہوا لیکن جس تخت و تاج کا یہ وارث ہوا اس کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی و شمال میں شامل کر دیا گیا اور رہا سہا اشتباہ بھی باقی نہ رہا کہ بادشاہ سلامت کی ملکیت خود دہلی پر بھی برقرار نہیں ہے۔ گویا اب پورے طور پر بادشاہ کی معزولی کا اعلان ہو گیا اور ۱۸۳۵ء میں سکہ بھی دتی اور نواح دتی میں سرکار

کمپنی بہادر کا رائج ہوگیا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی نے بھی جنت کی راہ لی اور بہادر شاہ بادشاہ ظفر سریر آرائے اورنگ سلطنت ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر باسٹھ سال کی تھی اور اُن کی قسمت میں اس انقلاب عظیم کا تتمہ دیکھنا لکھا تھا جو ایک عرصہ سے رونما ہوا تھا، رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔ ۱۸۵۲ء میں دلی کے ہندو مسلمانوں میں گاؤکشی کے معاملہ پر جھگڑا ہوگیا۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرانا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی شمالی کو لکھ بھیجی تو اُس نے جواب دیا کہ مقامی عہدہ داران جو قیام امن کے ذمہ دار ہیں اُن سے رجوع کیا جائے۔ القاب و آداب میں بھی فرق آگیا ہے پہلے خطوط لفٹنٹ گورنر بہادر کی جانب سے بادشاہ کے پاس جاتے تھے

May it Please be noted your Majesty سے شروع ہوتے تھے اور your Majesty's Faithfull Servant پر ختم ہوتے تھے۔ لیکن ۲۲ اگست ۱۸۵۲ء کو مسٹر کالون (Calvin) نے جو آگرہ کے لفٹنٹ گورنر تھے وہ القاب تحریر کیا جو ایک برابر کا دوست دوسرے دوست کو لکھتا ہے یعنی مائی ڈیر ظفر سے خط کا آغاز کیا اور (Sincerely ،) پر اُس کی تان توڑی۔ ظفر جیسی حساس اور موقع شناس کے لئے یہ بھی ایک کاری ضرب تھی۔ چنانچہ اپنے ملال کا ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں ۔ ؎

اب جو لکھتا ہے کر وہ کاہے کو یہ لکھتا تھا کبھی
دیکھو اس بیت پہ لے پیر کا اگلا کاغذ

۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو جو ولی عہد تھے اُن کا انتقال ہوگیا۔ ولیعہد کا قصہ پھر اُٹھا۔ بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولیعہدی کے لئے باضابطہ مطلع کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر اُن کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب برضا و رغبت جواں بخت کی ولیعہدی کے حامی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا قویش سے جو بہادر شاہ کے بڑے بیٹے تھے بہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کا لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شہزادہ باقی رہ جائیگا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائیگا۔ اور مرزا قویش کی ولیعہدی کا اعلان کردیا گیا۔ جب یہ خبر بوڑھے بادشاہ کو ملی تو اُن کے رنج و غم کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک نہایت دردناک نظم اس موقع پر اُن کے دلی تاثرات کی ترجمانی کرتی ہے جس کا مطلع ہے ؎

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظام سلطنت
بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نام سلطنت[۵]

عالم شہزادگی

ابو ظفر آداب شاہی سے پوری واقفیت رکھتے تھے شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی صحبت اُٹھائی تھی۔ اوائل عمری سے دکھ رکھا ہوا تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور اُن سے حُسنِ عقیدت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسے شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب انگریزوں کے مظالم اور اُن کے جور و تشدد اور مداخلت فی الدین گوارا نہ کرسکے انھوں نے اس ملک کو دارالحرب قرار دیا کیونکہ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے محکمہ شریعت

۵۔ ابو ظفر بہادر شاہ حسن عبداللہ (مصنف علی گڈھ)

توڑ دیا جس محکمہ کے مفتی خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپاموی تھے[۱] اس کی بجائے الہ آباد میں صدر نظامت قائم کیا اور اس کا وکیل سرکار مفتی صاحب کو مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ علما کے لئے سخت روحانی صدمہ کا تھا۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق نے اور ان کے بھائی نے دلی میں رہنا مناسب نہ سمجھا[۲]۔ ہجرت کا ارادہ کر لیا اور حجاز کے لئے دہلی روانہ ہوئے۔ عمائدین شہر اور ابو ظفر بھی آپ کے ساتھ ساتھ گئے[۳] رخصت کرتے وقت بہت رنجیدہ ہوئے۔

ابو ظفر میں دوست نوازی بہت تھی اُن کے مخصوص احباب میں مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ، حکیم مومن خاں، مولانا امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی مولوی رشید الدین سے حضرات تھے۔ مولانا فضل حق ابو ظفر کے بچپن کے دوست تھے۔ جب ریذیڈنٹ دہلی کے محکمہ کی سررشتہ داری چھوڑ کر نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کی دعوت پر جانے لگے نواب نے پانصد روپیہ مشاہرہ پر آپ کو بلایا۔ ابو ظفر سے رخصت ہونے کے لئے "قلعہ معلی گئے" ابو ظفر نے اپنا ملبوس دو شالہ اوڑھایا اور رخصت کرتے وقت فرمایا جی نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں کہ جایئے مگر مجبوری ہے اور آب دیدہ ہو کر رخصت کیا[۴]۔

شریعت کی پابندی

ابو ظفر علمار صلحار کی صحبت کی وجہ سے شریعت حقہ کے بڑے پابند تھے۔ حتی الامکان منہیات سے پرہیز کرتے تھے۔ نوافل اوراد و وظائف کی بڑی پابندی تھی۔ اوائل عمری سے صوفیائے کرام

---

[۱] تاریخ مفتیان گوپاموہ از مفتی محمد حسن گوپاموی صفحہ ۱۸ [۲] حیات بعد المماۃ (مولانا نذیر حسین محدث دہلوی) [۳] پنج آہنگ از مرزا غالب

سے حسنِ عقیدت تھی. حضرت قطب الدین کاکی صاحب سے بیعت تھے۔ آپ کی پاکبازی اور خدا پرستی کی عام شہرت تھی[۱] رند کہتے ہیں۔

ناغہ ہو جائے ذکر کیا ہے　　قرآن ابوظفر بہادر

غالب نے دیباچہ مہر نیم روز میں اظہارِ عقیدت کیا ہے۔

شبلی از منبر و ہد او از عشق　　شاہ ما بر تخت گوید راز عشق
شاہ ما دارد بہم در رہروی　　خرقۂ پیری و تاج قیصری
شاہی و درویشی اینجا باہم است　　بادشاہِ عہد قطبِ عالم است[۲]

پیری مریدی اپنے پیر کے شیفتہ تھے۔ کہتے ہیں کہ

مرید قطب دیں ہوں خاک پائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلامِ کمتریں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

خود بھی مرید کیا کرتے اور پانچ روپیہ ماہوار مریدوں کا مقرر تھا۔ کمپنی نے یہ رنگ دیکھ کر اہل کار سرکار کو منع کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کے مرید نہ ہوں۔ ریذیڈنٹ نے اعلانِ عام کیا کہ کوئی فوجی افسر شاہ کا مرید نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی زندگی بہادر شاہ جملہ مکارمِ اخلاق سے متصف تھے۔ عجز و انکسار، عفو و حلم، تراحم اور حسنِ خلق کے زیوروں سے آراستہ تھے۔ بے نخوت و رعونت پاس ہو کر نہیں گذری۔ زہد و طہارت اور تقویٰ کی جانب

۱؎ اولیائے ہند از صاحب عالم محمد اختر گورگانی ذکر ابوظفر بہادر شاہ ۲؎ مہر نیم روز از مرزا غالب صفحہ

مائل تھے۔ آغاز بلوغ سے پرہیزگاری اور فیاضی کی وجہ سے ہردلعزیز تھے اور شہرت تھی۔ اپنے خادموں کو بلا کھلائے خود طعام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے[1]۔ رعیت پروری کا یہ عالم تھا کہ گھوسیوں کو ایجنٹ دہلی نے شہر سے نکالنے کا حکم دیا کہ یہ اپنے جانور لیکر شہر سے باہر آباد ہوں، بادشاہ کو خبر لگی۔ ایجنٹ کو کہلا بھیجا کہ رعایا کو تکلیف نہ دو وہ آمادہ نہ ہوا تو حکم دیا کہ ہمارا خیمہ جہاں گھوسی آباد کئے ہیں وہیں لگا دو ہم بھی ان میں رہیں گے۔ حکم کی دیر تھی خیمے جانے لگے۔ ایجنٹ کو خبر گئی بھاگا ہوا آیا اور معذرت کی اور گھوسی اپنی جگہوں پر مقیم رہے۔ بادشاہ کے متوسلین جو تھے خود اُن کا بڑا خیال رکھتے۔ احسان دہلوی بادشاہ کے منہ لگے شاعر تھے، بادشاہ اُن کا خیال بھی بہت کرتے۔ ان دنوں بادشاہ کو مچھلی کے شکار کی دھت تھی۔ روزانہ جمنا کے کنارے رونق افروز ہو کر شکار میں مشغول رہتے۔ احسان کے وظیفہ میں دیر ہو گئی، وہ شکار میں جا پہنچے، مجرا عرض کیا پوچھا کیسے آئے ہو۔ عرض کیا ایک قطعہ سنانے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا سناؤ۔ ؎

صید ماہی و صید دل شاہا خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا یعنی ڈوبے کا ہے نکلنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے وہ دوماہا گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بادشاہ مسکرائے اور احسن اللہ خان کو حکم دیا آج وظیفہ احسان کے یہاں پہونچ جائے۔

---

[1] داستان غدر ظہیر دہلوی۔

لطیفہ نواب زینت محل بادشاہ سے کھنچنے لگی۔ بادشاہ مخاطب ہوتے انا کانی دے جاتیں۔ بادشاہ کو یہ بے رخی کہاں گوارا تھی۔ صبح کے اوراد سے فارغ ہو کر چہل قدمی کے لئے اٹھنے کو تھے۔ زینت محل رخ بدلے ہوئے گزریں۔ بہادر شاہ بولے۔ زینت ایک شعر تو سنتی جاؤ خوب ہے وہ ٹھہر گئیں۔ ؎

کیا کان بھر دیئے ہیں خدا جانے غیر نے
غصہ میں جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

بیگم مسکرا دیں پھر ہر دو مل بیٹھے اور حیات باغ میں چہل قدمی کو بادشاہ کے ساتھ گئیں

ایک دن بادشاہ کی سواری ملکہ باغ گئی وہ اجڑ رہا تھا۔ ریذیڈنٹ کو حکم اس کی درستی کے لئے بھیجا۔ اس نے انجنیر کو بھیجکر روشیں وغیرہ درست کرا دیں اور کیاریاں آراستہ ہو گئیں اور حضور شاہ کو مطلع کیا کہ ملاحظہ کر لیں۔ بہادر شاہ مع تمام شہزادوں کے وہاں پہنچے مگر ریذیڈنٹ وہاں نہیں حاضر ہوا اس کا ملال دل پر گذرا ؎

دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی

معمولات بہادر شاہ صبح بعد ادائے فرائض مذہبی طبیب کو نبض دکھاتے۔ پھر دربار خاص میں رونق افروز ہوتے۔ جنگ آزادی کے زمانہ میں عمائد شہر اور باہر سے آئے ہوئے لوگ دربار کی شرکت کرتے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ مولانا امام بخش صہبائی، بہادر جنگ رئیس دادری۔ نواب حسن علی خاں۔ نواب احمد علی خاں والی فرخ نگر۔ میر الدین خاں جو پولیس افسر تھے۔ مولانا عبدالقادر دہلوی۔ شیو سنگھ والی سمفوٹ حکیم عبدالحق، مولوی احمد علی سفیر راجہ نہر سنگھ والی بلب گڈھ۔ قاضی فیض اللہ چیف پولیس افسر،

ارادت خاں رئیس جہانگیر آباد گوری شنکر۔ شہزادہ محمد عظیم۔ کپتان ناظر حسن۔ مرزا دلدار علی خاں، مرزا ضیاء الدین۔ سالک رام خزانچی۔ رحمت علی خاں بن نواب فیض محمد خاں، محمد علی خاں فرزند سالار جنگ۔ خواجہ سرا محبوب علی خاں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ خالی داد قبولی مغل خاں۔ دین محمد جنھوں نے فریزر کو گولی سے گرا کر قتل کیا۔ قدرت اللہ خاں رسالدار۔ نواب محبوب علی خاں۔ ناظر حسن۔ مرزا امیر الدین حسن علی شاہ۔ نظام الدین پیرزادہ نواب محمد جان وغیرہ۔[۱]

دربار برخاست کرکے محلسرا میں داخل ہوئے۔ دوپہر کا خاصہ تناول فرمایا پھر آرام گاہ میں تشریف لے جاکر قیلولہ کیا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے عصر کی نماز پڑھی۔ شاہی طبیب نے دوا المسک پیش کی۔ اس کے بعد مشورہ کی انجمن منعقد ہوئی۔ محبوب علی، وزیر اعظم حسن عسکری شاہ، نواب زینت محل۔ بہادر شاہ کی صاحبزادی مانی بیگم۔ دوسری دختر آغا بیگم۔ بہادر شاہ کی بیگم نواب شرف النساء شریک ہوئیں اور ضروری مشورے ہوئے[۲] مغرب کا وقت آیا نماز ادا کی پھر طعام نوش فرمایا عشاء کی نماز پڑھ کر خواب گاہ میں تشریف لے گئے پھر تہجد کے لئے اٹھے اور نوافل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہو کر صبح کاذب پر کچھ آرام کیا۔ یہ تھے روزانہ کے معمولات

انگریزی اقتدار

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ وہ زبردست مکر و فریب سے ریاستوں کو باہمی لڑوا کر اور ملک اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جماتا

---

[۱] روزنامچہ جیون لال، معین الدین خاں (غدر کی صبح و شام ص۲۵ تا ص۱۰۱) [۲] مقدمہ بہادر شاہ ص۱۲۲

چلا جا رہا تھا جب پُورا اقتدار انقطاع ہند پر ہو گیا تو یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھانسنے کی سعی کی، چنانچہ اُس وقت کی کیفیت کا نقشہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے رسالہ غدریہ (الثورۃ الہندیہ) میں اس طرح کھینچا ہے۔

"ہندو مسلم لشکریوں کو اُن کے رسوم و اصول سے ہٹانے اور مذہب و عقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ گمان یہ تھا کہ لشکری تابو میں آجائیں گے تو دوسرے باشندے سزا و عقاب کے ڈر سے خود ہی رام ہو جائیں گے چنانچہ گائے کی چربی اور سور کی چربی چکھنا پر زور ڈالا اور یہ کارتوس پہ ملی گئی دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ منحرف ہو گئے۔۔ اور نصاریٰ کا قتل اور ڈاکہ زنی کرنے لگے بہت سے لشکر شہر مشہور بلد معمور مسکن آل تیمور دار السلطنت دہلی جا پہونچے اور امیر و حاکم (سراج الدین بہادر شاہ ظفر) تھا جس کے پاس ارکان دولت اور وزیر بھی تھے اپنا سردار و پیشوا بنا لیا وہ خود ضعیف غمزدہ عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سچ پوچھئے وہ اپنی شریک حیات (زینت محل) اور وزیر (احسن اللہ خاں) کا مامور و محکوم تھا۔ اس کا وزیر حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرداز اور اُن کی محبت میں غالی تھا۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ تو سب کچھ تھی کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علمار زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتوٰی لے کر جہاد و قتال کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی[1] ۱۸۵۷ء سے چند سال پہلے سے انقلاب کی تحریک چل رہی تھی کیونکہ پادری فنڈر نے ولایت سے آکر بزرگان مذاہب کو دشنام طرازی کا محل بنا دیا تھا۔ پادری

---

[1] الثورۃ الہندیہ صفحہ ۳۶۴ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں جلسہ عام میں مناظرہ کرکے بھگا دیا۔ اس سے کچھ پہلے مولوی احمد اللہ شاہ جو نواب چنیا پٹن کے صاحبزادے تھے محراب شاہ قلندر گوالیاری کے مرید ہوئے بیعت جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے نکالنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے[۱]۔ دلی گئے پھر آگرہ آئے۔ مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے یہاں مقیم ہوکر مجلس علما بنائی اور مریدی کا دائرہ وسیع کیا۔ اور اپنے مریدوں کو قصبات و دیہات میں بھیجنا شروع کیا۔ اور خود بھی پالکی میں سوار ہوکر مرید ہمراہ لے کر ڈنکا بجتا ہوا دورہ فرماتے۔ آپ کے وعظ میں دس دس ہزار ہندو مسلمان شریک ہوتے[۲]۔ آپ اپنے مریدین کو فنونِ حرب سے بھی آگاہ کرتے۔ یہی زمانہ تھا کہ لارڈ ہسٹنگز نے ریاستیں ضبط کرنا شروع کردیں۔ نانا راؤ پیشوا کی پنشن بھی ضبطی میں آئی اس نے اپنے کامدار[۳] مولوی عظیم اللہ جو انگریزی کے بڑے عالم تھے ان کو اور اپنے بھائی کو انگلستان مرافعہ کے لئے بھیجا مگر ڈائرکٹران نے توجہ نہ کی۔ ہسٹنگز کا فیصلہ بحال رکھا عظیم اللہ ناکام لوٹے۔ فرانس کے ہوٹل میں روس کے انقلابی ملے انھوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی اسکیم بنائی جب عظیم اللہ ۱۸۵۴ء میں ہندوستان واپس آئے نانا راؤ کو آگاہ کیا[۴]۔ ہر دو نے مرہٹہ سردار تانتیا ٹوپی کو شریک تحریک کیا۔ رجواڑوں اور نوابوں کو خط لکھے اور خود بھی ملے کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ تانتیا ٹوپے نے جوگیوں کا بھیس بدل کر فوجوں میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑکا دی ان کے سوا شاہ فیض اللہ بھی فوجوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔

---

۱ تواریخ احمدی تائب لکھنوی۔ ۲ مسلمانوں کا روشن مستقبل مولوی طفیل احمد منگلوری۔

۳ ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے مالیسن جلد اول ص ۴۲۵ ۴ غدر کے چند علماء۔

مسز ہورٹنٹ لکھتی ہے کہ

بعض ہندوستانی درویش برہمنوں کے لباس میں آبادیوں میں چکر لگاتے تھے اور خاص کیک (روٹی) جو نیلوفر کے پھول سے مشابہت رکھتا تھا باشندوں میں تقسیم کرتے تھے[۵۱] جس کو یہ ملتا انگریز کو مارنے مرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

مولوی احمد اللہ شاہ بھی روٹیاں اور نیلوفر کے پھول لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔

۲ فروری کو انیسویں رجمنٹ جو چھاؤنی برہم پور علاقہ مرشد آباد میں مقیم تھی اچانک کارتوس کے کاٹنے پر جھگڑا کرنے لگی[۵۲] اور بیش بیش منگل پانڈے تھا رجمنٹ توڑ دی گئی اور ۸ اپریل ۱۸۵۷ء کو منگل پانڈے کو پھانسی دیدی گئی۔ رجمنٹ کے سپاہیوں نے فوجوں میں گشت کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد افسران فوج نے میرٹھ میں چربی کے کارتوس دانتوں سے کٹوانا چاہے جنھوں نے انکار کیا گرفتار کر لیا اور کورٹ مارشل ان کا کرنا چاہا۔ اس واقعہ نے فوجیوں میں انگریز سے نفرت پیدا کردی' مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ کے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر اپنے افسروں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا عوام بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ سویلین کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی۔ جم غفیر حریت نوازوں کا دلی روانہ ہو گیا۔ ادھر کلکٹر میرٹھ نے کمشنر دہلی سیمن کو خط لکھا۔ آدھی رات کو خط پہونچا وہ جیب میں رکھ کر سو گیا[۵۳] گیارہ کی

---

۵۱ غدر کے مناظر از مسز ہورٹنٹ ترجمہ ظفر نایاں مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۲۰/۱۹۳۵

۵۲ حالات غدر نواب غلام حسین خاں فارس صفحہ ۷ ۵۳ عروج انگلیشیہ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی

صبح کو فوجی دلّی میں داخل ہوئے۔ بادشاہ اوراد و وظائف میں مشغول تھے، اشارے سے غل و شور کے متعلق پوچھا یہ کیا ہے۔ خدام نے کہا سرکاری فوج اپنے افسروں سے باغی ہوکر انگریزوں کو قتل کرکے یہاں آئی ہے۔ بادشاہ نے وظیفہ ختم کیا۔ غلام عباس کو بکلسن فریزر اور کپتان ڈگلس کے قلعہ میں بلانے کو بھیجا۔ ہر دو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے طفل تسلی دیکر قلعہ کے نیچے جو فوج موجود تھی اس کو سمجھایا مگر وہ ہر انگریز سے بے زار ہو چکی تھی فریزر یہ رنگ دیکھ کر لوٹے اور دربار کو کوٹھے کر جارہے تھے مرزا مغل بیگ نے گولی ماردی وہ گر پڑا پھر ڈگلس پر پل پڑے اس کا کام تمام کیا۔[1] بادشاہ کو خبر لگی وہ بُرا بھلا کہتے رہے۔ مرزا مغل، مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ فوجیوں سے میل کر گئے۔ فوجیوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنالیا۔ دوسرے شاہزادے بھی فوجی عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شہر میں مار دھاڑ قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا دوکانیں لُٹنے لگیں۔ ۱۲ر مئی کو بادشاہ نے جو اردگرد کے حالات سے واقف تھا انگریز کے ظلم و ستم مجبوری سے سہہ رہا تھا وہ انتقام لینا چاہتا تھا فوجیں چلی آرہی تھیں دل بڑھ رہا تھا۔ وہ دن کا رنگ دیکھ کر فوجی سرداروں اور شہر کے عمائدین کو مدعو کیا۔

دربار

۱۳ر کو شاہی دربار منعقد ہوا خود بادشاہ تخت طاؤس پر رونق افروز ہوئے، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڈھ نواب علی محمد خاں، نواب علی قلی خاں، شمشیرالدولہ بہادر، حکیم عبدالحق، حکیم احسن اللہ خاں تمام شہزادے شریک دربار تھے مرزا غالب نہ آسکے شعر کہہ کر بھیجا ؎

---

[1] داستان ۵۲ حالات غدر نواب حسین خاں

بزر زد سکہ کشورستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی[1]

ایک کونسل امورات جنگ کے لئے منتخب ہوئی۔ وزیر حرب مرزا جواں بخت بنائے گئے[2]۔ ایک فوج کی کمان نواب زینت محل کے سپرد ہوئی[3]۔ مرزا مغل کمانڈر افواج (سپہ سالاری) کے مقرر کئے گئے اور خضر سلطان کو پاپٹ کی کرنیلی علی محمد بختاور شاہ الیگزینڈر پلٹن کے کرنیل مرزا عبداللہ مرزا قیلش کرنیل مقرر ہوئے۔ مرزا بینڈ ہو پلٹن کین کے افسر ہوئے نواب محمد حسن خاں مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے۔ میر نواب نائب نوش میر فتح علی وزیر صحرائی مقرر ہوئے۔ شاہزادہ محمد عظیم بن شاہزادہ میاں اختر ضلع سرسہ کے حاکم مقرر ہوئے ۔ مفتی صاحب خاموش تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں برابر بیٹھے ہوئے لوگوں کو انگریزوں سے خوف زدہ کر رہے تھے۔ مگر شاہزادے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے سو دربار برخاست ہوا اور ذیل کا اعلان بادشاہ کی طرف سے شائع ہوا۔

شاہی اعلان

"جہاں پناہ ظالم انگریزوں کو دفع کرنے کے بعد تخت طاؤس پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ منصفانہ قانون صادر کیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے قتل و غارت کو موقوف کیا جائے۔ تمام معاملات اس کے بعد عدالت عالیہ کے سپرد کئے جائیں گے جہاں

---

[1] ذکر مرزا غالب از مالک رام ایم اے [2] و [3] روزنامچہ نواب معین الدین خاں بہادر صفحہ ۱۰۱ [4] حالات غدر (دہلی کی جانکنی) نواب غلام حسین خاں صفحہ ۲۱

بجز عدل و انصاف کے کسی پر ظلم و ستم نہ کیا جائے گا۔[۱]

مگر شہر میں اس کا کچھ اثر نہ پڑا فوجیوں کے ساتھ غیر ذمہ دار لوگ شریک ہوکر جوہریوں اور امرار کے مکان لوٹنے لگے ان کی سرپرستی عیاش شہزادہ کر رہے تھے۔[۲]

وفود مجاہدین کی آمد حضرت سید احمد بریلوی کے مریدین میں سے رئیس المجاہدین مولوی سید سرفراز علی گورکھپور کے اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک عرصہ سے خفیہ طور سے بیعت جہاد لے رہے تھے[۳] اور وہ دورہ بھی خود کرتے اور اپنے خلفار کو بھی دیہاتوں میں بھیجتے چنانچہ جب سلطان پور پہونچے ایک صوبہ دار بخت خاں جو نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے تھا جس کے والد نے نواب شجاع الدولہ کے گھرانے میں شادی کرلی تھی وہ مولوی سید سرفراز علی کا مرید ہوا اور اس نے بیعت جہاد کی، یہ صوبہ دار انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مسٹر سیل کے تحت جنگ افغانستان میں جلال آباد میں بہادرانہ کارنامے ایسے دکھائے کہ توپ خانہ باتری کا سب سے بڑا افسر کر دیا گیا۔ بخت خاں کے ماتحت تمام ہندستانی توپچی تھے یہ باتری بڑی مشہور تھی۔ اعزاز کے طور پر توپوں پر پھولوں کا محراب نما تاج بھی رکھا گیا۔[۱]

بخت خاں افغانستان سے واپس آکر نیمچ کی چھاؤنی میں متعین کیے گئے۔

مرہٹہ کے واقعہ کی اطلاع آناً فاناً دور دور پھیل گئی بخت خاں نے سنا تو وہ نیمچ کی چھاؤنی سے توپ خانہ اور تین رجمنٹ لیکر روہیلوں کے مرکز بریلی پہونچا یہاں نواب حافظ الملک رحمت خاں کے پوتے نواب بہادر خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے،

---

[۱] غدر کے مناظر مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۳۵ء صفحہ ۵۹ [۲] ۱۸۵۷ء کے ہیرو مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ [۳] یادداشت جی ایچ ایم پرکیٹی سی پی

انھوں نے اپنی نوابی کا اعلان کر دیا۔ بخت خاں نے اُن کی معاونت کی اور اُن کی حکمرانی کو مضبوط کر کے توپ خانہ معہ باربرداری کے اور چار لاکھ روپیہ ساتھ لیا۔ نانا راؤ کا بھائی بالا راؤ آیا ہوا تھا[۱] اس کو بھی ہمراہ لیکر دلی چل کھڑا ہوا۔ دہلی پہونچکر بادشاہ کو اطلاع دی[۲]۔ بادشاہ نے اپنے خسر نواب شمشیر الدولہ احمد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں، احمد یار خاں، ابراہیم خاں اور غلام علی خاں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ صوبہ دار کے ساتھ ایک صدر علما بھی تھے۔ بخت خاں اپنی پوربی سادی وضع میں بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا۔ ظہیر دہلوی لکھتا ہے:-

"جنرل بخت خاں ۱۴ ہزار کا کمپو چند توپ اور تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ لیکر ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں داخل ہوا سر پر انگوچھا لپٹا ہوا چال کرچ گلے میں پڑی ہوئی تیچھے حال کھلا کہ بریلی والا جرنیل وہی تھا بظاہر تو اس کا لباس گھس کھدوں کا سا تھا میں تو سمجھا جیسے پوربی سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہوگا۔"[۳]

بادشاہ سلامت کی طرف سے بڑے پیمانہ پر اُن کی پوری فوج کو دعوت دی گئی اور چار ہزار روپیہ جیب خاص سے مرحمت کئے گئے۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:-

سپاہ میں سب سے زیادہ بہتر حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی اپنے سپاہیوں کو دے دی تھی اور اُس کے سالار

---

[۱] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ [۲] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۰۲
[۳] داستان غدر۔

کے پاس چار لاکھ روپیہ تھا[1]۔

بادشاہ کو بخت خاں کے انتظامِ شہر اور خوش سلیقگی اور فوج کی تنظیم کا پتہ چلا تو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور فرزند کا خطاب عطا کیا ایک بیش قیمت ڈھال اور تلوار بھی عنایت کی جنرل کمانڈر فوج بنایا[2] اور شہر میں منادی کرادی گئی کہ جملہ پلٹنیں جو دہلی میں جمع ہیں وہ جنرل صاحب سے ہدایاتِ جنگی حاصل کریں۔ جنرل صاحب نے فوجی دفتر قائم کیا۔ میر منشی خیرات علی مقرر کئے گئے

پہلی جنگ

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:۔

"۲۹ جولائی کے دربار میں جنرل بخت خاں بادشاہ کا قائم مقام ہو کر آیا۔ بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر نیم بادشاہ بنادیا۔ جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اُتاری آج میگزین دیکھتا ہے اس میں بالترتیب سامان رکھنے کی ہدایت کرتا ہے لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں فوج کی پریڈلی۔ نمک اور شکر پر جو محصول تھا وہ معاف کر دیا تاکہ غربا کو تکلیف نہ ہو۔ نیز یہ بھی کہا کہ جو شہزادہ شہر کی دوکانوں کو لوٹے گا میں اس کی ناک کٹوادونگا

آگے چل کر مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں۔

"جب تک بخت خاں دلی میں نہیں آیا تھا جہاد کے فتوی کا چرچا بہت کم تھا مگر جب بخت خاں دلی آیا تو اُس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگئی تو وہ اُن کی بیوی

---

[1] عروج عہد انگلیشیہ [2] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے اور مالیسن جلد ۲ صفحہ ۴۲۶

بچوں کو قتل کر دیں گے۔ جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے ان کے دستخط کرائے۔ اس فتویٰ جہاد کے علاوہ ایک حلف نامہ بھی تقسیم کرایا اور اس پر ہر سپاہی سے جن کی تعداد ستر اسی ہزار کے لگ بھگ تھی عہد لیا۔ مرزا مغل نے یہ حلف نامہ فوجوں کو پڑھ کر سنایا جس پر انھوں نے اقرار کیا کہ ہم آخری دم تک لڑیں گے[1]

فتویٰ جہاد مولانا فضل حق الور سے دہلی آ گئے تھے۔ بادشاہ کے مشوروں میں شریک ہوتے تھے[2] جنرل بخت خاں کو آپ کی جلالتِ شان کا علم ہوا وہ حاضر خدمت ہوا۔ چنانچہ آپ نے جہاد کا فتویٰ لکھا مفتی صدر الدین خاں نے دستخط کئے۔ مولوی عبد الخالق، مولوی سرفراز علی، مولوی ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی کثیر التعداد علماء نے دستخط کر دیئے اس فتوے کا اثر اچھا ہوا۔ ٹونک۔ جے پور آگرہ وغیرہ سے بغرض جہاد لوگ آنے لگے۔

جنرل بخت خاں کی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑی قدر بڑھ گئی تھی۔ مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

جنرل بخت خاں خلوت و جلوت میں جب چاہتے بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے کوئی پابندی نہ تھی۔ بادشاہ نے عید کے موقعہ پر حسب ذیل شعر لکھ کر بھیجا۔ ؎

لشکر اعدا الٰہی آج سارا قتل ہو
گو رکھا گو جر سے لیکر تا نصاریٰ قتل ہو[3]

---

[1] عروج عہد انگلیشیہ [2] رسالہ بغاوت ہند ماہ دسمبر صفحہ ۱۲۶

مورچہ بندی | جنرل بخت خاں نے شہر کا بالکل انتظام کر کے فوج کی تنظیم کی اور جگہ جگہ مورچے بنانے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی فوجیں جہاں تھیں اُن کے مقابلے پر دستے روانہ کئے۔

پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور پانچویں رسالہ کے سپاہی چھ توپوں اور سامان اسلحہ کے ساتھ بخت خاں کے حکم سے باغپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پُل تعمیر کرنے سے روکیں اُس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامانِ حرب کے علی پور روانہ ہوئی سہ پہر کو یہ افواہ اُڑی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح ہوئی اس کی وجہ سے عوام میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ دہلی سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہونچایا کہ جو شخص میدان جنگ میں کارہائے نمایاں کرے گا اُسے پانچ بیگھ زمین دی جائے گی۔ اور اعزازی عہدہ بھی دیا جائے گا۔"

بہادر شاہ نے عام راجاؤں نوابوں کو شرکت کے فرمان جاری کئے۔ معمولی رئیس جانثاری کو تیار ہوئے۔ بڑے راجوں اور نوابوں نے جواب تک نہ دیئے بلکہ انگریزوں کی پشت گری کر رہے تھے۔

غرضیکہ انگریزوں سے جنرل صاحب سے جہاں جہاں مقابلہ ہوا انگریز شکست کھا گئے، انگریزوں نے یہ رنگ دیکھا تو حکیم احسن اللہ خاں سے منشی رجب علی کے ذریعہ زینت محل اور مرزا مغل پر زور ڈالنا شروع کیا۔ میگزین میں آگ لگوائی اور بارود کے کارخانہ میں باجرہ زنگا جانے لگا۔ ادھر مرزا الٰہی بخش شاہ عالم کے پوتے ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ روزانہ کے حالات قلعہ کا چمن لال اور بالمکند انگریزوں کو بھیج رہا تھا۔ جنرل صاحب کونسل کے

سامنے اسکیم پیش کرتے انگریز کو اس کا علم ہو جاتا۔

مرزا مغل نے جنرل بخت خاں کی عام مقبولیت اور کامیابی دیکھ کر جنرل کے خلاف سازشیں شروع کر دیں دوسرے شاہزادے بھی مرزا مغل کے ہمنوا ہو گئے۔ مرزا الہی بخش نے یہ خبر شہزادوں میں اڑادی کہ بخت خاں غلام قادر روہیلہ کے خاندان کا ہے اور وہ ہم لوگوں کی آڑ لے کر انگریزوں کو ملک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے جب تک جنرل دلی میں آیا تھا حریت نواز فوج مرزا مغل کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتی تھی اب وہ مرزا کو منہ تک نہیں لگاتی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی بساط میں رخنے پڑ گئے ادھر بادشاہ روزانہ دربار کرتے مفتی صدر الدین خاں کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دینا چاہا مگر انھوں نے منظور نہیں کیا قاضی فیض اللہ کو عہدہ دیا گیا وہ مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے

تیس ہزاری میدان سے انگریزوں کو نکالنے میں جنرل بخت خاں کے ساتھ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا فتح الملک بہادر کے صاحبزادہ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ، مرزا مینڈھو دوش بدوش داد شجاعت دے رہے تھے۔ اب جس مورچہ پر جنرل صاحب شہزادوں کو لگاتے وہیں سے شکست کھا کے آتے یا بلا مقابلہ کمر کھول دیتے بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں یہ واقعات پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے شہزادوں کو تنبیہ بھی کی مگر ان پر الہی بخش کا جادو کارگر ہو چکا تھا۔ جنرل صاحب نے ۲۳ حملے انگریزوں پر کئے جس کی انگریزوں نے بھی تصدیق کی۔

چنانچہ مسٹر ولیم فورس لکھتا ہے

"محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ باغیوں کی لیاقت کا اچھا ثبوت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی معمولی دشمن سے

مقابلہ نہ کر رہے تھے ان حملوں کی تعداد ۲۰ تھی ان میں سے ہر ایک نہایت ہی منظم اور باقاعدہ اقدام اور حملہ تھا ان کے علاوہ بے شمار حملے دور افتادہ چوکیوں اور ہراول پر ہوئے یہ ہمارے آدمیوں کے بہت کم قریب آتے تھے اور یہ بھی اس وقت جب ان پر اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا مگر روزانہ جنگ آزما ہوتے تھے ان کی اس مستقل جرأت و بہادری سے کوئی چیز بازی نہیں لے جا سکتی تھی"[۱]

چارلس بال لکھتا ہے

"دشمن نے ہر سڑک پر ایک ایک فٹ زمین کے لئے لڑائی لڑی تھی اور بڑے استقلال کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر مقام پر قبضہ کیا تھا"

ناکامیابی مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کا نتیجہ تھا کہ حریت نوازوں کی قربانیاں رائگاں گئیں اور فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی۔

ظہیر دہلوی لکھتا ہے:۔

اس زمانہ میں یہ ستم ہوا کہ شمرو بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا اور جس میں سات سو من بارود تھا وہ اڑا دیا گیا۔ بارود کی عدم فراہمی کی وجہ سے تمام آلات حرب بیکار تھے، دشمن دروازہ پر کھڑا تھا۔ باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی بادشاہ پہلے ہی سے سوختہ جگر اور سوختہ سامان ہو رہے تھے مرزا الٰہی بخش نے کچھ ایسا افسون کیا کہ قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں گوشہ گیر ہونے میں عافیت سمجھی"[۲]

---

[۱] غدر عظیم کا تذکرہ اندلیم فورس [۲] داستان غدر

منشی رجب علی میر منشی ہڈسن کا خط حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لایا کہ بادشاہ کو رام کر لو اس کو اور اس کے لواحقین کو گزند پہنچے گا باغیوں سے بادشاہ کو بچا لو۔ وہ خط زینت محل کو دکھایا گیا اس نے بادشاہ کو آمادہ کر لیا۔ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آ گئے[1]

میلسن لکھتا ہے۔

"باغی فوج کے سپہ سالار بخت خاں نے اس شب شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی لے گیا جن پر اس کو اعتماد تھا بخت خاں نے مکمل الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ملک کے دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور یہ کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اس کے نام پر جنگ کو جاری رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں[2]۔"

پچاس ہزار روہیلہ روہیل کھنڈ میں موجود تھا جو جاں سپاری کو تیار تھا چنانچہ ظہیر دہلوی لکھتے ہیں۔

"بریلی میں ہر طرف کے مفرورین کا اجتماع ہے اور سب سردار مثل نانا راؤ پیشوا فیروز شاہ وغیرہ جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دوپٹہ کا سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گوٹہ لگا ہوا ہے آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکا

---

[1] تذکرہ عالم از رحیم بخش دہلوی مطبوعہ بلاقی داس ذکر بہادر شاہ۔ [2] تاریخ غدر عظیم از میلسن۔

ہوا ہے اور چار چار طپنچے کمر میں لگے ہوئے ہیں دوہری تلواریں
میں ڈاب رکھی ہوئی ہیں گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے
کوداتے پھرتے ہیں۔ پچاس ہزار کا اجتماع بریلی میں موجود ہے"[1]

جنرل صاحب سیدھے لکھنو گئے نواب بہو بیگم کے محل میں مقیم ہوئے وہ اُن کی عزیزہ تھی[2] پھر مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک مہم جنگ آزادی رہے شاہ صاحب کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے۔

بہادر شاہ کی قید

بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں تھے۔ پچاس گورے لیکر ہڈسن پہنچا۔ باہر کھڑا رہا۔ مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو باہر لائے پہلے انہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں اُس نے سوار کرایا مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بیل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے پہلے ہڈسن نے ہتھیار لئے اور ہر دو کو گولی ماردی، اور شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا۔ لال کنواں پر بادشاہ زینت محل کی محلسرا میں ٹھہرائے گئے" نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے ہڈسن نے ایک خوان میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔ سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اُس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا۔

مقدمہ بغاوت

خدا کی شان ہے دادا سے انگریز حقوقِ دیوانی لے اور اُس کے پوتے پر جو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ برسرِ اقتدار

---

[1] داستان غدر۔ [2] قیصر التواریخ۔

لازم تھا اس پر بغاوت کا الزام عائد کیا جائے۔ ظالم انگریزوں نے یہ الزام مظلوم بادشاہ پر لگائے ۴۹ انگریز قتل کرائے۔ وظیفہ خوار ہو کر حکومت سے بغاوت کی فوجیوں کو ورغلایا اس مقدمہ کے لئے لال قلعہ میں ایک بنچ مقرر کی۔ اس فوجی کمیشن کے صدر لفٹنٹ کرنل داس تھے۔ میجر پامر۔ ریڈمنڈر۔ میجر سائرس۔ کپتان راتھن کپتان سلہ بیدل مترجم مسٹر جیمس۔ وکیل سرکار میجر ایف جے پیرٹ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل تھے۔ دیوان خاص میں مظلوم بادشاہ کو مثل قیدی کے لایا جاتا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکندلال پیشکار بہادر شاہ چنی لال روزنامچہ نویس حکیم احسن اللہ خاں اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہر ایک نے اپنی کرنی میں کسر نہیں رکھی۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس پیروکار مقدمہ تھے۔ بہادر شاہ نے اپنا بیان تحریری دیا۔ تمام الزام بخت خاں اور مرزا مغل کے سر تھوپا خود انقلابی تحریک سے اپنے دامن کو بچالے گئے

آخرش عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ انگریز بادشاہ نے قتل کرائے اور ملک میں بغاوت پھیلائی۔ غرضکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو رنگون جانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سرجان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا۔[۹۱]

بہادر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے" نواب تاج محل بیگم" نواب زینت محل جواں بخت" اُن کے سالے ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے[۹۲] اُن پر بھی مقدمہ تھا بری ہوئے اور واپس آگئے" زینت محل جواں بخت وہیں رہے۔ چھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا۔ بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال نہایت عسرت سے بسر کئے۔

۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو عالم غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی۔ رنگون

---

۹۱ دہلی کی جانکنی صفحہ ۹۵ ۹۲ غالب کا روزنامچہ صفحہ ۳۸

کی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے۔

یہ تھی بہادر شاہ کی زندگی اور اُن کی سیاسی حالت اب ان کی شاعری کے متعلق دو کلمہ سن لیجئے۔

زندگی میں جو ظلم اس غریب بادشاہ پر ہوئے سطور بالا سے ظاہر ہے۔ ستم ظریفی یہ دیکھئے کہ وہ مرنیکے بعد بھی اہلِ قلم کے لطف وکرم کا شکار رہا۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ:۔

"بادشاہ کے چار دیوان ہیں پہلی کچھ غزلیں نصیر کی اصلاحی ہیں اور کچھ کاظم حسین بیقرار کی۔ غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم ذوق کے ہیں"

ظفر کے کلام کو ذوق کا کلام بتانا ایک بہتانِ عظیم ہے اس پر طرہ یہ ہے مرزا غالب کے سوانح نگار نے رہی سہی متاع مرزا غالب کے حوالے کردی۔ یہ طویل بحث ہے اس کے متعلق اپنی تالیف "ابوظفر بہادر شاہ" میں کافی بحث کی ہے اس تاریخ میں گنجائش نہیں

ختم شد

تاریخ اسلام کا مکمل کورس

تاریخ اسلام کا یہ مفید سلسلہ جو تاریخ ملت کے نام سے مشہور ہے اور مقبول عوام و خواص ہو چکا ہے مختلف خصوصیتوں کے لحاظ سے نہایت ہی ممتاز ہے، زبان کی سلاست ترتیب کی دل نشینی اور جامعیت و اختصار اس کی ایسی خصوصیتیں ہیں جو آپ کو اس سلسلہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ملیں گی خلفاء اور سلاطین کی شخصی زندگی کے سبق آموز واقعات کو اس میں اہتمام کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔

جلد اوّل۔	نبی عربی صلعم۔	(مولفہ قاضی زین العابدین میرٹھی)	۸ر عہ
جلد دوم۔	خلافتِ راشدہ	″ ″ ″ ″ ″	۸ر ہے
جلد سوم۔	خلافتِ بنی اُمیّہ	″ ″ ″ ″ ″	۸ر ہے
جلد چہارم۔	خلافتِ ہسپانیہ	(مولفہ مفتی انتظام اللہ شہابی)	لعہ
جلد پنجم۔	خلافتِ عباسیہ (حصّہ اوّل)	″ ″ ″ ″ ″	۱۲ر ہے
جلد ششم۔	خلافتِ عباسیہ (حصّہ دوم)	″ ″ ″ ″ ″	۱۲ر للعہ
جلد ہفتم۔	تاریخ مصر	″ ″ ″ ″ ″	۴ر ہے
جلد ہشتم	خلافتِ عثمانیہ	″ ″ ″ ″ ″	۴ر ہے
جلد نہم۔	تاریخ صقلیہ	″ ″ ″ ″ ″	۱۲ر عہ
جلد دہم۔	سلاطین ہند (اوّل)	″ ″ ″ ″ ″	۸ر ہے
جلد یازدہم۔	سلاطین ہند (دوم)	″ ″ ″ ″ ″	۸ر ہے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

اس کتاب میں خلفائے برحق اور اہل بیت کرام کے مخلصانہ تعلقات کی ایک خوشگوار جھلک خاص انداز میں دکھائی گئی ہے اور اس سلسلہ کے بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو اس خوبی سے یکجا کیا گیا ہے کہ خلافت راشدہ کا مبارک دور نگاہوں میں گھوم جاتا ہے اور ایسے حقائق سامنے آجاتے ہیں جو حقیقی زندگی کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔ "خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات" مشہور معروف عالم و محقق علامہ زمخشری کی "الموافقہ بین اہل البیت والصحابہ" کا صاف و سلیس ترجمہ ہے۔ علامہ زمخشری کی کتاب اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ کتاب کے مترجم مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی ہیں جو بہت سی مفید کتابوں کے مؤلف و مترجم ہیں۔

صفحات ۱۴۰ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے

نعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دلپذیر مجموعہ ہے جسے مکتبہ برہان نے تمام ظاہری دلآویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔ جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقعہ ملا ہے، وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔

قیمت - بارہ آنے

مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی

آہنگِ سرمدی

یعنی

عرفانِ مختوم

ترجمہ گیتائے منظوم

گیتا فلسفۂ ہنود کی ایک قدیم مستند اور اہم کتاب ہے جس کا مرتبہ اصطلاحی طور پر اگرچہ ویدوں کے بعد ہے لیکن اپنی غیر معمولی اعلیٰ خصوصیتوں کے اعتبار سے اس کو ویدوں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دیجاتی ہے' دنیا کی متعدد مشہور زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے' اکبر بادشاہ کے زمانہ میں علامہ فیضی نے فارسی میں اس کا منظوم ترجمہ کیا تھا جس میں بیان کی تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں' زیر نظر ترجمہ علامہ فیضی کی اسی مثنوی کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے بلکہ فی الحقیقت یہ اُسی کا منظوم اُردو ترجمہ ہے جس میں گیتا کی تمام تعلیمات نہایت ہی دلکش اور اثر انگیز پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ترجمہ کی عمدگی کے لئے ملک کے مشہور شاعر اور ادیب جناب ڈاکٹر مظفر نگری کا نام نامی زبردست ضمانت ہے۔ ایک لطیف و نفیس اور پڑھنے کے لائق کتاب۔

تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ کتابت طباعت اعلیٰ - ۴۲ پونڈ کاغذ۔ پختہ اور عمدہ جلد۔ سنہری ڈائی سے نام چھپا ہوا۔ قیمت دو روپے (عہ)

مکتبہ برہان اُردو بازار جامع مسجد۔ دھلی

تاریخ ملت

جلد یازدہم

سلاطین ہند

حصہ دوم

تالیف

جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی

رفیق اعزازی

ندوۃ المصنفین جامع مسجد دہلی